ارباب اقتدار
سے
کھری کھری باتیں
جلد دوم
حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ
مکتبہ لدھیانوی

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

قانونی مشیر اعزازی: ــــ منظور احمد میوا ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

اشاعت اول: ــــــ ستمبر ۲۰۰۳ء

کمپوزنگ: ــــــ صدیقی کمپوزرز، ماڈل کالونی، کراچی

فون: 0320-4084547,4504007

ناشر: مکتبہ لدھیانوی

18- سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی

برائے رابطہ: جامع مسجد باب رحمت

پرانی نمائش، ایم اے جناح روڈ، کراچی

پوسٹ کوڈ: 74400 فون: 7780337

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

امام غزالیؒ نے ابن عبدالبرؒ کے حوالے سے احیاءُ العلوم میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ:

"یوزن یوم القیامة مداد العلماء بدم الشهداء."
(احیاءُ العلوم ص:۶ طبع بیروت)

ترجمہ:...... "قیامت کے دن علماءؒ کے قلم کی سیاہی شہداءؒ کے خون کے برابر تولی جائے گی۔"

قطع نظر اس کے کہ اس کی سند ضعیف ہے، البتہ اس سے اتنا معلوم ہوا کہ جس طرح میدان جہاد میں دشمن کو للکار کر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا بہت مشکل ہے، اسی طرح قلم کے ذریعہ حق وصداقت کا اظہار بھی کسی جہاد سے کم نہیں، اور پھر جب یہ اظہار واعلان وقت کے حکمرانوں اور اربابِ اقتدار کے سامنے ہو تو اپنے آپ کو موت کے منہ میں دینے سے کسی طرح کم نہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ بارہا ایسا ہوا کہ اِدھر کسی باخدا نے اعلان حق کیا، اُدھر اس کا چراغِ زندگی گل کردیا گیا، لیکن بایں ہمہ ایسے باخدا بھی ہوئے ہیں جنہوں نے

ہمیشہ اربابِ اقتدار کے ایسے عقائد ونظریات اور فکر وسوچ کی مخالفت کی جو قرآن و سنت سے متصادم تھے، چنانچہ انہوں نے ہمیشہ حدیث: ''الدین النصیحة لله ولکتابه ولرسوله ولأئمة المسلمین'' (دین نصیحت ہے، اللہ کے لئے، اس کی کتاب کے لئے، اس کے رسول کے لئے اور مسلمانوں کے حکمرانوں کے لئے) کو پیش نظر رکھا، اربابِ اختیار و اقتدار کی غلط روش پر تنقید کی، ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر ان کو ٹوکا اور حق وصداقت کی طرف راہ نمائی کی۔

ہمارے مخدوم حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے زندگی بھر حق و صداقت کے اس علَم کو بلند کئے رکھا، آپ نے روزنامہ جنگ کراچی، ہفت روزہ ختم نبوت کراچی اور ماہنامہ بینات میں جہاد بالقلم کے فریضہ کو نہایت جرأت وشجاعت سے نبھایا، آپ کی اس قسم کی تحریروں کو سن وار باحوالہ نقل کرکے کتابی شکل دینے کا مطالبہ ہوا تو ''اربابِ اقتدار سے کھری کھری باتیں'' کے نام سے اس کی جلد اول مرتب کرکے پیش کی گئی تو بحمداللہ اسے قبول عام نصیب ہوا۔ پیش نظر کتاب اس سلسلہ کی دوسری جلد ہے، جس میں زیادہ تر مضامین و مقالات تو جدید ہیں، البتہ ''حسن یوسف'' میں شامل ''دینی مدارس ومساجد'' سے متعلق تمام مقالات کو بھی اس میں ضم کردیا گیا ہے، یوں دینی مدارس ومساجد سے متعلق تمام مضامین و مقالات یکجا ہوگئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس کوشش و کاوش کو قبول فرماکر ہماری مغفرت اور حضرت شہیدؒ کی بلندیٔ درجات کا ذریعہ بنائے، آمین!

جناب مولانا نعیم امجد سلیمی، بھائی عبداللطیف صاحب اس کتاب کی تیاری میں بھرپور تعاون پر خصوصی شکریئے کے مستحق ہیں۔

خاکپائے حضرت لدھیانوی شہیدؒ

سعید احمد جلال پوری

۱۶/۵/۱۴۲۲ھ

فہرست

دینی مدارس و مساجد ۲۴۳

قوانین اسلامی کی تدوین

علمائ کی ذمہ داری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہ رجب کے ''بینات'' میں ادارۂ تحقیقات اسلامی راولپنڈی کی جانب سے شائع کردہ ''مجموعۂ قوانین اسلامی'' پر جناب مفتی ولی حسن صاحب مدفیضہ کا جو تبصرہ شائع ہوا تھا، اس کے بارے میں بعض اکابر علماءؒ نے اپنے تأثرات کا اظہار اپنے اپنے گرامی ناموں میں فرمایا، جو حضرت بنوری دامت برکاتہم کی خدمت میں ارسال فرمائے، ذیل میں ان حضرات کے خطوط نقل کئے جارہے ہیں اور آخر میں ''بینات'' کی جانب سے ایک وضاحتی نوٹ ملاحظہ فرمایا جائے۔ (ادارہ)

پہلا خط:

مدرسہ عربی نجم المدارس۔ کلاچی ڈیرہ اسماعیل خاں، پاکستان

مخدوم العلامہ حضرت بنوری دامت برکاتکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ و مغفرتہ و رضوانہ۔ ماہ مبارک کا عشرہ رحمت سایہ

فگن ہے چہ عجب کسی کے طفیل ہم دور افتادوں کو بھی نفحہ لگ جائے۔ آں مخدوم سے استدعا ہے کہ اس ناکارہ کو بمع والدین واخوان وعزیزان ودیگر متعلقین دعائے مغفرت، دعائے حسن خاتمہ وحفاظت عن المعاصی والمصائب اور مدرسہ نجم المدارس کو دعائے ترقی و استحکام سے یاد فرما کر ممنون احسان گردانیں.......... و اجرکم علی اللہ تبارک و تعالیٰ۔

ثانیاً:...... ''بینات'' بابت ماہ رجب ١٣٨٦ھ میں مجموعہ قوانین اسلام، تالیف تنزیل الرحمٰن، زیر نگرانی ادارۂ تحقیقات اسلامیہ پر جناب مفتی صاحب کا تبصرہ پڑھا۔ یہ صحیح ہے کہ ''بینات'' ہی بحمد اللہ ادارہ تحقیقات اسلامیہ کا صحیح توڑ ہے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ تبصرہ بھی بالکل بروقت، خوب اور شدید گرفت کے ساتھ ہوا۔ ''بینات'' ہی نے عائلی قوانین کی تائید پر اس کے مؤلف کو ''مداہنت فی الدین'' کا الزام دیا ہے اور ''بینات'' ہی نے مؤلف کی عربی دانی کا پول کھولا ہے۔

مسلمان کی اس نرالی تعریف ''جس میں قرآن مجید کو حضور ﷺ کی تصنیف کہنے والے اور منکر آخرت کو بھی مسلمان ماننا پڑتا ہے'' پر خوب ٹوکا ہے۔ فون پر جواز نکاح وغیرہ مسلمات دینیہ کے خلاف مندرجات پر بحمد اللہ بینات نے حق فصاحت ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی، و اجرہ علی اللہ تبارک و تعالیٰ۔ لیکن ان تمام بنیادی نقائص کے باوجود حضرت مفتی صاحب کا یہ فرمانا نہ صرف میرے جیسے نادان طالب علم، بلکہ جس بزرگ کو بھی اس کا علم ہوا، اپنے ضلع میں حضرت مفتی محمود صاحب مدظلہ سے بھی ملاقات کا موقعہ ملا اور اس پر گفتگو ہوئی، سب کے لئے بے حد تعجب کا باعث تھا کہ:

> '' بینات مجموعہ قوانین اسلام کے نقش اول کو نہایت فراخدلی سے خوش آمدید کہتا ہے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

اور پھر آخر میں مؤلف کی بھرپور تعریف کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ
ادارہ تحقیقات اسلامی کی تصنیفات میں یہ تالیف مغتنم اور دینی نقطۂ
نظر سے قابل تحمل تالیف ہے۔"

اپنے ناقص ذہن پر پورا زور دینے کے باوجود بھی ایسی کتاب جس میں مسلمان کی وہ نرالی تعریف موجود ہو، عائلی قوانین کی حمایت میں دلائل دیئے گئے ہوں، دینی نقطۂ نظر سے قابل تحمل سمجھنے سے قاصر رہا ہوں۔

باقی علماء حضرات اور خود حضرت مولانا مفتی محمود صاحب بھی اس کی توجیہ کرنے میں تکلیف محسوس فرمارہے تھے، چونکہ ادارہ بینات ہی ان تحریفات کا بحمد اللہ صحیح توڑ ہے اور ساتھ ہی یہ کہ بینات ہی نے سب سے پہلے اس پر تبصرہ فرما کر ملت اسلامیہ کو اس اہم فریضہ کو ادا کرنے پر متوجہ فرمایا ہے اور ساتھ ہی پھر بینات کے دوسرے شمارہ میں بھی آنجناب نے اس پر کوئی توجہ نہیں فرمائی، اس لئے اس حل اشکال کے لئے حضرت سے ہی رجوع کرنے کی ضرورت سمجھی گئی۔ ممکن ہے حضرت والا نے اب تک اس کا مطالعہ نہ فرمایا ہو۔ بظاہر تو "مجموعہ قوانین اسلام" نے ہی آگے چل کر اسلام کے نام سے مروج ہونا ہے اور شاید "بدائع" اور "بحر" و "عالمگیری" کی جگہ پکڑنا ہے اور ادارہ تحقیقات اسلامیہ نے بینات کے ان تحسینی کلمات کو آسمان صحافت کے جگمگاتے ستاروں کے ہم شکل شائع کرنا ہے اور اصلاح کی جتنی توقع ڈاکٹر صاحب اور ان کے ادارہ سے ہوسکتی ہے وہ حضرت ہی کو خوب معلوم ہے۔ احقر نے علی رغم الادب جو کچھ عرض کر دیا ہے امید ہے کہ حضرت والا کے لئے باعث تکدر نہ ہوگا۔

یہ امر بھی کچھ کم تعجب انگیز نہیں کہ جو مطالبہ آخر میں کیا گیا ہے وہ اغلاط کی تصحیح ہمارے حوالہ سے ہی کیا ہے، یعنی "مجموعہ قوانین اسلام" کی تدوین تو ڈاکٹر فضل الرحمن

اینڈ کو کے حوالہ رہے، تالیف وہ صاحب کریں جس کی عربی دانی کے چند نمونے خود بینات نے ظاہر کئے۔ اس کے باوجود ہمارے حوالہ سے اغلاط کی تصحیح کا وزن کیا قیل کی حد سے بڑھ سکے گا۔

دوسرا خط:

بحضرة المخدوم المحترم ادام اللہ فضلکم وسیادتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

"بینات" کے گزشتہ شمارہ میں "مجموعہ قوانین اسلام" پر مفتی ولی حسن صاحب نے جو تبصرہ فرمایا ہے، اس میں بہت اچھے مؤاخذات فرمائے ہیں۔ اور دینی لحاظ سے اس کی خامیوں کو ظاہر فرمایا ہے۔ لیکن آخر میں ادارۂ تحقیقات کے اس فاضل اجل کی تعریف وتوصیف بھی کی ہے، جو اس مجموعۂ محرفات کے مصنف ہیں۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی لکھ ڈالا کہ یہ مجموعہ دینی لحاظ سے قابل تحمل ہے۔

اس سے بہت افسوس ہوا۔ تبصرہ نگار حضرت مفتی ولی حسن صاحب نے گویا ادارۂ بینات کی طرف سے اسے ایک حد تک خوش آمدید کہا ہے۔ اور صرف معمولی اغلاط کی تصحیح کرانے کو کافی سمجھا ہے، باوجودیکہ جو مؤاخذات مفتی صاحب کے ہیں، وہ اتنے ٹھوس ہیں جو کھلم کھلا تحریف فی الدین کے الزامات پر مشتمل ہیں، تحریف فی الدین کی اس کوشش کو قابل تحمل نہ معلوم کس طرح بتلایا گیا؟

ہمارا تو یہ خیال ہے کہ اگر "مجموعۂ قوانین اسلام" کی تدوین وترتیب کا حق ڈاکٹر فضل الرحمٰن اینڈ کو، کو دیا گیا، اور ان کی قیادت میں یہ خدمت سرانجام دی گئی، تو یہ اسلامی تاریخ کا وہ سیاہ باب ہوگا جس کی سیاہی علماء امت کی منور پیشانیوں کے نور کو محو کر کے رکھ دے گی۔

کیا عالمگیری، بحر اور بدائع، رد المحتار کے مقابلہ میں ایسے لائق مصنف کی تالیف کو خوش آمدید کہا جائے جو "قرائن" کو قراین سمجھتا ہو (دیکھئے تبصرہ)۔

ہمارا مطالبہ ہے کہ ملت اسلامیہ پاکستانیہ کے لئے اسلامی قوانین کی تدوین کا کام جید فقیہ علماء کے سپرد ہو۔ ڈاکٹر اینڈ کو اور ادارۂ تحقیقات کی وساطت سے جو بھی مجموعۂ قوانین مرتب ہوگا وہ خرافات کے پلندہ کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھے گا، اور پاکستانی مسلمان اس کو کسی طرح بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ آپ اگر اس تبصرہ پر غور فرمالیں، تو اس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ یہ قابل تحمل ہے۔ اور اس کی کچھ تصحیح ہو جائے تو قابل قبول ہوسکتا ہے۔

مخدوم محترم! یہ ایسے دلخراش مراحل ہیں، جن سے ہم گزر رہے ہیں کہ اس میں بڑے احتیاط سے قدم اٹھانے پڑتے ہیں، تھوڑی سی نرمی علماء کے موقف کو کمزور کر دیتی ہے۔ اور اس طرح دشمنان دین کے موقف کو غیر شعوری طور پر قوت مل جاتی ہے۔

تحریف فی الدین کے اس عظیم پر فتن دور میں آپ جیسے اہل علم حضرات کو مضبوط سے مضبوط تر قدم اٹھانا ہوگا۔ اور مخالفین کے عزائم کو شکست دینی ہوگی۔ اور یہ شکست اس طرح دینی ہوگی کہ ان کے اس کام کی بنیاد کو متزلزل کر کے ان کو تدوین کا حق دینے سے ہی انکار کیا جائے۔

میرا خیال ہے کہ اگر مفتی صاحب اس تبصرہ کے اس حصہ کی وضاحت فرمالیں، اور اس تصور کو غلط قرار دے دیں، جو اس مضمون سے پیدا ہوتا ہے، تو بہت بہتر ہوگا اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو آپ کا ایک مضمون ایسا مستقل طور پر آجائے جس میں اس مجموعہ پر تنقید کے ساتھ ساتھ یہ مطالبہ ہو کہ قوانین اسلام کی تدوین کا کام اس ادارہ سے

چھین لیا جائے، اور اگر یہ حق ان سے سلب نہ کیا گیا، اور وہ اس طرح تدوین فرماتے رہے، تو ہم اس کو ہرگز قبول نہیں کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ تو اس طرح اچھی تلافی ہو جائے گی۔

درحقیقت ہم جو علماء کے سیاسی میدان میں اترنے کے حق میں ہیں، وہ بھی اس وجہ سے کہ بے دین اور طاغوتی قوت کو کمزور کر دیا جائے۔ اب اس تحریف میں ادارہ کا مقابلہ کرنا اور اس میں ہر طرح کے موثر دفاع کے لئے قدم اٹھانا یہ کہاں کی سیاست ہے، جسے شجرۂ ممنوعہ او کمنٹھا قرار دیا جائے۔ یہ تو عین دین ہے، علماء اگر اس فریضہ کو ادا نہ کریں گے تو مستقبل کبھی ان کو معاف نہیں کرے گا۔ محترم! شدائد کا مقابلہ نہ کر سکنے اور خود کو مصائب سے بچانے کے لئے سیاست سے علیحدگی کے الفاظ استعمال ہو رہے ہیں ورنہ ان دینی فتنوں سے مقابلہ یہ تو محض دینی فرض ہے۔ میں تو یہ ایمان رکھتا ہوں کہ آج علماء کی نجات کا واحد ذریعہ اس دینی فتنہ کا مقابلہ کرنا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق بخشے اور ہماری تمام ظاہری و باطنی قوتوں کو اس راہ میں قبول فرمائے۔ رمضان شریف کے مبارک ایام کی دعاؤں میں یاد فرمائیں.................. احقر محمود عفا اللہ عنہ

تیسرا خط:

مرکزی دفتر جمعیۃ علمأ اسلام، لاہور

حضرت مولانا السید الحاج محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ محترم المقام! غالباً اس بارہ میں یہ احقر آپ کے خیال میں بھی قابل تسلیم ہوگا۔ یا آپ اس امر کو باور کریں گے کہ مجھے جناب کی ذات سے کتنا حسن ظن و حسن اعتقاد ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قائم رکھے، اور آپ کے وجود سے ہمیں دینی فوائد پہنچاتا رہے۔ افطار کا وقت قریب ہے، جلدی ہے اس لئے خط میں

قلم لغزشیں کھاتا ہے معاف فرمائیں، بات یہ ہے کہ اگر آپ کی صلابت (دینی پختگی) بھی قابل بحث ہے تو ہمارا کیا ٹھکانا ہوگا؟ ہم کدھر جائیں گے؟ یہ گرامی نامہ اس مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچی کا ہے جو آپ کے پورے ماننے والے اور نہایت بے لوث و مخلص ہیں۔ اگر انہوں نے میری رعایت نہیں کی تو کسی کی نہیں کرتے۔ محض دینی نفع و نقصان ان کے پیش نظر رہتا ہے۔ ان کو رسالہ بینات کے بعض حصوں سے صدمہ پہنچا ہے، مجھے لکھا ہے۔ ہماری دوڑ تو ہے ہی آپ تک اس لئے یہ ان کا گرامی نامہ خدمت والا میں ارسال ہے خود ہی ان کو مناسب جواب دیں اور مجھے بھی یاد فرمائیں۔ غالباً آپ کی نظر سے وہ مضمون نہ گزرا ہوگا، یا آپ کو علم نہ ہوگا، اور بغیر علم کے شائع ہوگیا ہوگا، ممکن ہے محترم ٹونکی صاحب کا بھی نہ ہو، بہرحال کیا ہے اور کیا نہیں، میں نے بینات بھی نہیں دیکھا مگر کوئی تجاوز اور بے اعتدالی یا بے احتیاطی ضرور ہوئی ہے جو مولانا موصوف متاثر ہوئے ہیں، تجدد پسندانہ الحاد کا جواب ہی بینات تھا۔ اگر یہی گھٹنے ٹیک دے تو انجام کیا ہوگا؟ معافی چاہتا ہوں وہی روزے والی بات ہے، گھٹنے ٹیکنے کا سوال نہیں ہے، مگر آپ حضرات کی ذرا سی لغزش ہمارے بڑے بڑے جرائم سے بڑھ جاتی ہے۔ آپ ہی تو اس وقت مشار الیہ ''عماد الدین'' ہیں۔ رمضان شریف کی دعاؤں میں یاد رکھیں، اخلاص و استقامت اور عافیت کی دعا کریں، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب اور دیگر حضرات کو سلام۔ فقط .... غلام غوث بقلم خود۔

ادارۂ بینات کا وضاحتی نوٹ:

حضرات اکابر علماء کے ان مکاتیب میں جہاں جناب مفتی ولی حسن صاحب مدفیضہ کے جامع مانع تبصرہ پر اظہار اطمینان فرمایا گیا ہے، وہاں تبصرے کے بالکل آخری حصہ (بعنوان مؤلف اور تالیف کے متعلق ''بحیثیت مجموعی'' ہماری رائے) پر شدید

نکیر بھی فرمائی گئی ہے، اس کے بارے میں اتنی وضاحت کافی ہوگی کہ تبصرے کا یہ حصہ جناب مفتی صاحب کے قلم سے نہیں، بلکہ ادارۂ بینات کے ایک رکن کی جانب سے ہے جو مؤلف کتاب سے ذاتی طور پر متعارف ہیں، ان کے نزدیک مؤلف کی ذہنی سطح، ادارۂ تحقیقات کے بعض دیگر ارکان کی ملحدانہ ذہنیت کی بہ نسبت بسا غنیمت، اور تالیف (بعد از تطہیر اغلاط) ادارۂ تحقیقات کے دوسرے اشاعتی مواد کے مقابلہ میں نسبتاً قابل تحمل تھی، اپنے اسی ذاتی تاثر کا اظہار انہوں نے اس آخری ملحقہ عبارت میں کردیا۔ اور چوں کہ بینات کے حلقۂ ادارت کو ان تمام حالات کا علم تھا، اس لئے تاثر کو گوارا کرلیا گیا، واضح رہے کہ: مؤلف کتاب جناب تنزیل الرحمٰن صاحب ادارۂ تحقیقات کے رکن نہیں، بلکہ کراچی میں رہ کر ادارۂ تحقیقات کی جانب سے بامعاوضہ اس کام پر مامور ہیں۔

سرپرست ادارہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مدفیضہم ''بصائر وعبر'' میں بار بار اس امر کی وضاحت فرما چکے ہیں کہ ''اسلامی قانون کی تدوین'' کا اہم کام ادارۂ تحقیقات اسلامی کے ڈاکٹروں اور ریڈروں کے بس کا روگ نہیں (بالخصوص جب کہ اسلام کی مبادیات تک سے جہل وعناد کا مظاہرہ ان لوگوں کی طرف سے کیا جارہا ہو) بلکہ اس خالص دینی فریضہ کے لئے صحیح ایمانی بصیرت اور پختہ علمی تبحر کی ضرورت ہے، ہم ایک دفعہ پھر مرکزی حکومت، وزارت قانون اور صدر محترم کی خدمت میں کامل خیر خواہی اور نہایت دل سوزی سے درخواست کرتے ہیں کہ اسلام کے پاکیزہ قوانین کو جدید طرز پر مدون کرنے کے لئے صحیح افراد کا انتخاب کیا جائے، اور بالفرض اگر اندرون ملک اس اہلیت کے لوگوں کا فقدان ہے، تو دیگر اسلامی ممالک کے ''اہل بصیرت'' علماء کی خدمات حاصل کرلی جائیں۔

بدقسمتی سے ادارۂ تحقیقات اسلامی کے بعض اراکین، حکومت اور علمائے حق

کے درمیان منافرت پھیلانے ہی کو ملک وملت کی سب سے بڑی خدمت تصور کرتے ہیں، اور اس سلسلہ میں بار بار اس پروپیگنڈہ کو ہوا دی جاتی ہے کہ علمائے کرام دور جدید کی ضروریات سے بے خبر، اور ترقیاتی منصوبوں کے مخالف ہیں، لیکن یہ ایک گمراہ کن فریب ہے، اہل بصیرت علمائے حق نہ تو حکومت کے بالمقابل ''باقتدار قوت'' بن جانے کے خواہشمند ہیں، نہ دور جدید کے تقاضوں سے قطعی نابلد ہیں، صحیح صورت حال یہ ہے کہ ملاحدہ کی ایک کھیپ اپنے غلط نظریات کی ترویج کے لئے اپنے آپ کو خواہمخواہ اقتدار کے ساتھ ''نتھی'' (پیکٹ) کر لینے میں مصلحت تصور کرتی ہے، اور جب ان کی غلط روی پر ٹوکا جاتا ہے، تو ٹوکنے والوں کے خلاف ''حکومت کی بدخواہی'' کا شور مچا دیا جاتا ہے، حالانکہ علمائے ربانیین، ان نعرہ بازوں کی نسبت، حکومت اور عوام کے حقیقی معنوں میں زیادہ خیر خواہ ہیں، اس لئے کہ انہیں آنحضرت ﷺ کی یہ وصیت خوب یاد ہے :

''الدين النصيحة ، قالوا لمن يا رسول الله ؟ قال : لله و لرسوله و لكتابه و لائمة المسلمين و عامتهم.''

ترجمہ:...... ''دین خیر خواہی کا نام ہے، صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ کس کی خیر خواہی؟ فرمایا: اللہ کی، اس کے رسولؐ کی، اس کی کتاب کی، مسلمانوں کے امراء کی اور عامۃ المسلمین کی۔''

(مسلم شریف)

خود ان ملحدین پر روک ٹوک بھی اسی مقصد ''الدين النصيحة'' کے لئے کی

جاتی ہے۔ فہل من مدکر......؟

کاش اس صورت حال پر صحیح غور وفکر کی توفیق ہوجائے، اور حکومت کے ذمہ دار حضرات حقیقی خیر خواہ اور بدخواہ کے درمیان امتیازی نشان قائم کریں۔ ہمارے نزدیک جو لوگ خدا و رسول اور دین وشریعت کی خیر خواہی کا بارگراں برداشت نہیں کرسکتے، وہ اپنے ذاتی مفاد کے علاوہ نہ ملک وملت کے خیر خواہ ہوسکتے ہیں، نہ کسی حکومت کے، نہ عامۃ المسلمین ہی کے:

نوا را تلخ تر مے زن چو ذوق نغمہ کمیابی
حدی را تیز تر مے خواں چو محمل را گراں بینی

اس موقع پر ہم علمائے امت کی خدمت میں بھی چند گزارشات پیش کردینا ضروری فرض سمجھتے ہیں:

الف:...... انگریز کے دور حکومت میں ہمارے اکابر نے جو شاندار دینی وملی کارنامے انجام دیئے، ان کا خلاصہ نکالئے تو انہیں بڑے بڑے دو شعبوں میں بانٹا جاسکتا ہے:

اول:...... ہر قسم کے جدید وقدیم فتنہ کا استیصال بذریعہ تقریر وتحریر، وعظ وتبلیغ، درس وخطابت اور ارشاد وتلقین۔

دوم:...... امت مسلمہ کے لئے روحانی غذا مہیا کرنا، بذریعہ قیام مدارس ومعاہد، دار الافتاء ودار العلوم، مساجد وخانقاہ، تصنیف وتالیف، اور جلسہ وکانفرنس۔ آج کل کی اصطلاح میں قسم اول کو "منفی"، اور قسم ثانی کو مثبت کہا جاتا ہے، اور کوئی شک نہیں کہ دین کی پاسبانی کے لئے علمائے امت نے ان دونوں میدانوں میں بیش قیمت

قربانیاں دیں، اور اپنے خون جگر سے ''گلشن دین خداوندی'' کو سیراب کیا، الحمدللہ کہ آج تک اپنی بساط کے موافق یہ سلسلہ جاری ہے، خدمت دین کی ان ہی مثبت و منفی تاروں کے ذریعہ جب تک امت مسلمہ کا رابطہ (کنکشن) ذات نبوی (بآبائنا ھو و امھاتنا، ﷺ) سے قائم رہے گا، امت، انوار نبوت سے مستفید ہوتی رہے گی، اور اس سلسلہ میں سعی کرنے والے حضرات اپنی اپنی محنت اور قربانی کے بقدر اجر عظیم کے مستحق ہوں گے۔

ب:...... انگریز کے رخصت ہوجانے، اور اسلامی نظریۂ حیات کی بنیاد پر مملکت خداداد پاکستان کے وجود میں آجانے کے بعد علمائے امت پر مذکورہ بالا دوگونہ ذمہ داریوں کے ساتھ ایک تیسری ذمہ داری عائد ہوگئی، یعنی حکومت پاکستان کے سامنے نہایت پیار و محبت، انتہائی ہمدردی اور خلوص، اور بے حد حکمت فراست کے ساتھ اسلامی اور دینی نقوش حیات پیش کرنا، جن پر ایک اسلامی ریاست کی بنیادیں اٹھائی جائیں، نیز دور حاضر کی تمام مشکلات کا حکیمانہ جائزہ لے کر اسلامی قانون کی تدوین، جسے عدلیہ میں نافذ کیا جائے، یہ علمائے امت کا اپنا منصبی فریضہ تھا، خواہ حکومت ان سے اس کا مطالبہ کرتی یا نہ کرتی، انہیں صحیح اور واقعی مقام دیتی یا نہ دیتی، ان کی گرانقدر خدمات کا اعتراف کسی حلقہ کی جانب سے کیا جاتا یا نہ کیا جاتا، دنیا کے ہر اجر و ثواب، منصب و وجاہت، اور مال و جاہ کی منفعت سے بالاتر رہ کر صرف رضائے الٰہی، ادائے حق رسالت، نصح اسلام، اور فلاح آخرت کی خاطر انہیں یہ کام کرنا چاہئے تھا، جانشین نبوت کی حیثیت سے ان کا مشن وہی ہونا چاہئے تھا، جو تمام انبیاء علیہم السلام کا رہا، یعنی:

''وَ مَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی اللّٰہِ.''

ترجمہ:...... ”میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا،
میرا اجر وثواب تو بس اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔“

لیکن ہمیں اپنی اس ”کمی“ کا اعتراف کرنا چاہئے کہ جہاں ہم دین کی اور بیش بہا خدمتوں کی بنا پر رحمت خداوندی سے اجر وثواب کے متمنی ہیں، وہاں اس عظیم الشان فریضہ سے صرف نظر کرنے کی وجہ سے معرض مسئولیت میں آجانے کا شدید اندیشہ بھی لاحق ہے، اگر میدان قیامت میں یہ مناقشہ فرمالیا گیا کہ تم نے اس نازک مرحلہ میں اپنی اجتماعی قوتوں کو کیوں نہ کھپایا؟ اس زبردست خلا کو پر کر کے امت کی قیادت کیوں نہ کی؟ وقت کے ایک عظیم دینی فریضہ سے کیوں بے اعتنائی برتی؟ تمہارے ذاتی مشاغل، نجی مقاصد اور گروہی فوائد اس کے درمیان کیوں حائل رہے؟ اور اسلامی حکومت کے سامنے ایک صحیح ”مجموعہ قوانین اسلام“ پیش کر کے تم نے اتمام حجت کیوں نہ کیا؟ تو غالب گمان یہ ہے کہ جہاں ارکان مملکت، ارباب سیاست اور ادارۂ تحقیقات اسلامی کے لوگوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوگا، وہاں علمائے امت بھی اس کی مسئولیت سے بری نہ ہوسکیں گے۔ الا من رحم اللہ۔

ج:...... ایک جمہوری ملک میں تہذیب ومتانت اور خیر خواہی و دل سوزی کے ساتھ حکومت کو نیک مشورہ دینا ـــــ کوئی شجرۂ ممنوعہ نہیں، بلکہ ایک اچھی روایت ہے، اور علمائے امت پر تو ایک شرعی فریضہ کی حیثیت سے یہ لازم ہے کہ وہ اصلاحی مشورے دیں، لیکن علمائے امت کی ذمہ داری مجرد اس بات پر ختم نہیں ہوجاتی، کہ وہ حکومت پر تنقید کرلیا کریں، اور ”یہ نہ کرو، وہ نہ کرو“ کا صرف وعظ کہہ لیا کریں، بلکہ انہیں آگے بڑھ کر حکومت کو یہ بھی بتلانا ہوگا کہ ”یہ کرو“ ان کے پاس ایسا مرتب شدہ

مجموعۂ قوانین ہو جسے دفعات کی شکل میں جدید طرز کی قانونی زبان میں مدون کیا گیا ہو، اور شرعی حدود کے تقاضوں کی رعایت پوری طرح اسی میں ملحوظ رکھی گئی ہو، نئے دور کی مشکلات کا شرعی حل پیش کیا گیا ہو، قرآن و حدیث، اجماع امت اور اصول اجتہاد کی ٹھیک ٹھیک پابندی رکھتے ہوئے ـــــ امت کے لئے ممکن حد تک آسانی کی گنجائش باقی رکھی گئی ہو، پھر اس ''مجموعۂ قوانین اسلام'' کو پوری بصیرت سے انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ''اسے اسلامی ریاست میں نافذ کرو'' اور اس وقت ارباب اختیار بالفرض اسے نافذ نہ بھی کریں تو کم از کم علمائے امت عند اللہ اخروی مسئولیت سے تو بری الذمہ ہو ہی جائیں گے، اور داور محشر کی عدالت میں اولین و آخرین کے سامنے وہ اتنا تو کہہ سکیں گے کہ :

> ''یا اللہ اپنی فہم و بصیرت کی ممکنہ حد تک تیرے پاکیزہ قانون کو ہم نے آسان سے آسان تر صورت میں قوم کے سامنے پیش کر دیا تھا، اے اللہ! ہم اپنے ضعف اور اپنی ناداری کے ساتھ بس اتنا کام ہی کر سکتے تھے، لیکن قوت کے ساتھ اسے نافذ کرانا ہمارے بس سے باہر تھا۔

> ''فَاِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ، وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْم.''

> ترجمہ:...... ''اب آپ انہیں عذاب دینا چاہیں تو یہ تیرے بندے ہیں، اور اگر آپ ان کی بخشش فرماویں تو بلاشبہ آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔''

اور کیا بعید ہے کہ حق تعالیٰ کسی وقت ارباب اختیار کو اس کے نافذ کرنے کی توفیق ہی دے دیں، (جہاں تک ہمیں معلوم ہے حکومت میں اب بھی اللہ کے ایسے مخلص بندے موجود ہیں جو دل و جان سے اس بات کے متمنی ہیں کہ انگریزی قانون (جو جزوی ترمیمات کے ساتھ ہمارے یہاں رائج ہے) کی جگہ اسلامی قانون نافذ کیا جائے، چنانچہ صدر مملکت نے ادارۂ تحقیقات اسلامی اسی نیک مقصد کے لئے قائم کیا تھا کہ تدریجاً مروجہ قانون کی دفعات کو اسلامی قانون میں ڈھال دیا جائے، یہ الگ بات ہے کہ اس ادارہ کے بعض ارکان کی الٹی ذہنیت نے اس کے مقاصد ہی کو الٹ کر رکھ دیا، اور صرف ''مغربیت پر اسلام کی چھاپ'' لگادینے کے لئے ہی تمام الحادی اسلحہ استعمال کیا جانے لگا)۔

د:...... اس سلسلہ میں علمائے امت کے سامنے جو مشکلات ہیں، اور جن دشوار گزار مراحل سے وہ گزر رہے ہیں، نکتہ چیں لوگوں کو ان کا احساس ہو یا نہ ہو، ہمیں ان کا پوری طرح احساس ہے، لیکن اس کا کیا کیجئے کہ زمانے کے دینی تقاضے ہماری مشکلات پر نظر رکھنے کے عادی نہیں ہیں، مقتضیات وقت کی عدالت میں ہمارے اس عذر کی کوئی شنوائی نہیں کہ ہمارے پاس نہ تو اس کام کے لئے باصلاحیت افراد کو فارغ کرنے کی ادنیٰ گنجائش ہے، اور نہ ہم اس کے لئے زر کثیر فراہم کرسکتے ہیں۔ ''قاضی وقت'' کا فیصلہ یہی ہے کہ تمہارے پاس فرصت ہو یا نہ ہو، قوت ہو یا نہ ہو، سرمایہ ہو یا نہ ہو، بیٹھنے کی جگہ ہو نہ ہو، تمہیں یہ کام بہرحال کرنا ہوگا، اور بغیر کسی دنیوی منفعت کے کرنا ہوگا، کیونکہ کرنے کا کام صرف گفت وشنید سے نہیں ہوتا، وہ تو بہر صورت کرنے ہی سے ہوتا ہے۔ گزشتہ چند سالوں سے ہندوستانی علماء نے ایک ''ادارۂ تحقیقات شرعیہ'' قائم

کرلیا ہے جس سے قارئین بینات متعارف ہیں۔ لیکن بڑی ملامت کی بات ہے کہ "پاکستانی علما" اب تک اپنا "ادارۂ تحقیقات اسلامی" قائم نہیں کر سکے، جو ہر قسم کی سیاست بازی سے الگ رہ کر پوری ملت کی اس عظیم خدمت کو بجالاتا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون، یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس پر پوری سنجیدگی سے غور وفکر کرنا چاہئے، نری جذباتیت سے مسائل حل نہیں ہوجاتے :

لعمری لقد نبهت من كان نائماً

و اسمعت من كانت له اذنان

(الامام الکشمیری)

ہ:...... ہمارے قارئین کو اس انکشاف سے مسرت ہوگی، کہ کراچی کے مقتدر علماء کرام نے اپنی بے پناہ مصروفیتوں میں سے کچھ وقت نکال کر جدید مسائل پر غور وفکر کرنے کے لئے ایک "اجتماعی مجلس" کا اہتمام کیا، اور جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، جناب مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی اور مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی نے چند ماہ کی فرصت میں پوری توجہ اور انہماک سے بحث وتمحیص کے بعد بیشتر مسائل جدیدہ کے شرعی حل پر غور کر لیا ہے، (شکر اللہ مساعیھم) اور اب انشاء اللہ ذرا وسیع اور ٹھوس بنیادوں پر "تدوین قانون اسلامی" کا کام زیرِ غور ہے، اس سلسلہ میں تمام علمائے امت، متدین ماہرین قانون اور درد مند اہل خیر وصلاحیت حضرات کی طرف سے مفید مشورہ اور ہمہ جہتی تعاون کی ضرورت ہے، امید ہے کہ اس کار خیر میں شمولیت سے دریغ نہیں فرمایا جائے گا۔ وَ اَجْرُهُمْ عَلَى اللّٰهِ، "بینات" اپنی تمام تر بے مائیگی کے باوجود ملت اسلامیہ کی ہر قسم کی بہی خواہی کے لئے حاضر ہے، و الله الموفق و المعين۔

(ماہنامہ بینات ذوالقعدہ ۱۳۸۶ھ)

سعودی عرب اور غیر مسلم کو سزائیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پچھلے دنوں اخبارات کے ذریعے علم ہوا کہ سعودی عرب میں امریکیوں اور برطانویوں کو کھلے عام شراب نوشی پر کوڑوں اور قید کی سزائیں دی گئیں۔ یہ سعودی عرب کا ایک جرأت مندانہ اور اسلام پسند اقدام ہے جس پر اس کو جتنا بھی خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے، اس سے قبل سعودی عدالت، زنا کاری پر ایک شہزادی اور ایک برطانوی نژاد شخص کو موت کی سزا سنا چکی ہے۔ ان اسلامی سزاؤں پر امریکہ، برطانیہ اور دیگر غیر ملکی حکومتوں میں شدید ردعمل ہوا، اور انہوں نے شدید احتجاج کیا اور برطانوی پارلیمنٹ نے یہاں تک کہا ہے کہ سعودی عرب سے اپنے سفارتی تعلقات ختم کر لئے جائیں، سعودی عرب نے اس کے جواب میں نہایت جرأت سے کہا کہ جو جانا چاہے چلا جائے یہاں قوانین اسلام کے مطابق اسلامی سزائیں نافذ رہیں گی اور ہمیں کسی کی پرواہ نہیں، یہ چیز تمام اسلامی ممالک اور خاص طور پر پاکستان کے لئے مشعل راہ ہے جو کہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کوشش میں مصروف ہے کہ جرأت اور ہمت کے ساتھ اسلام کے نفاذ کے لئے سعودی عرب کے نقش قدم پر چلا جائے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۳رجون ۱۹۷۸ء)

سعودی عرب میں

غیر مسلموں کا داخلہ

پاکستانی حکومت کے لئے لمحۂ فکریہ!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سعودی عرب کی حکومت کا قانون یہ ہے کہ کسی ''غیر مسلم'' کو حرمین شریفین میں داخل ہونے کی اجازت نہیں، دیگر تمام اسلامی ممالک سے اس کی پابندی کرائی جاتی ہے، اور غیر مسلم ممالک سے بھی کسی شخص کے لئے سعودی ویزا نہیں دیا جاتا جب تک کہ وہاں کی کسی لائق اعتماد مسلم تنظیم کی طرف سے اس امر کی شہادت مہیا نہ کردی جائے کہ سفر کرنے والا مسلمان ہے۔

اس کے برعکس سعودی حکومت کو پاکستان سے ہمیشہ سے شکایت چلی آتی ہے کہ پاکستان سے بہت سے ایسے ''غیر مسلم'' جن کے نام مسلمانوں سے ملتے جلتے ہیں، نہ صرف سعودی ویزا لے کر حرمین شریفین کو ملوث کرتے ہیں، بلکہ سعودی مملکت میں اونچی اونچی ملازمتیں حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہوجاتے ہیں۔

سعودی حکومت کی اس شکایت کا اصلی سبب یہ ہے کہ پاکستانی پاسپورٹ میں مذہب کا خانہ نہیں رکھا گیا، بلکہ بلا امتیاز صرف ''پاکستانی'' کا لفظ لکھ دیا جاتا ہے، یہ تو سب کو معلوم ہے کہ انگریزوں کے دور میں جب ایک خاص منصوبے کے تحت

مسلمانوں کو عیسائی بنایا گیا تو ان کے نام تبدیل نہیں کیے گئے، بلکہ عیسائی بننے کے بعد بھی وہ عبداللہ، عبدالرحیم، عمادالدین وغیرہ رہے، چنانچہ پاکستان میں بہت سے مسیحی ایسے ہیں جن کے نام مسلمانوں سے ملتے جلتے ہیں، اور کوئی شخص صرف نام اور ولدیت سے ان کا غیر مسلم ہونا معلوم نہیں کرسکتا۔

ان کے علاوہ ''قادیانی فرقہ'' کے افراد ''غیرمسلم'' ہونے کے باوجود مسلمانوں کے مشابہ نام رکھتے ہیں، اور مسلمانوں کے بھیس میں ان اسلامی ممالک میں جاتے ہیں جہاں ان کا داخلہ ممنوع ہے۔

مسٹر بھٹو کے دور میں ''شناختی کارڈ'' کا حکم نازل ہوا، مگر اس میں بھی مذہب کا خانہ موجود نہیں، جب کہ اس کے فارم میں مذہب کا باقاعدہ حلف نامہ بھی موجود ہے، ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ہماری وزارت خارجہ نے پاسپورٹوں میں مذہب کا خانہ رکھنے کی آج تک کیوں زحمت نہیں کی، اور وزارت داخلہ نے ''شناختی کارڈ'' کو مذہب کے خانہ سے پاک رکھنے کی کیوں ضرورت محسوس کی، اور ہماری مذہبی وزارت جب ''مسلم'' اور ''غیرمسلم'' کے درمیان امتیاز کرنے کی بھی روادار نہیں تو آخر وہ کون سی مذہبی خدمت بجالارہی ہے۔

ہمارے علم میں بیسیوں افراد ایسے ہیں جو ہماری غفلت کی بنا پر سعودی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حج وعمرہ کا ویزا لے کر چلے گئے، اور سعودی حکومت نے معلوم ہونے پر ان کو وہاں سے نکالا، بہت سے افراد ایسے ہیں جنہوں نے وہاں ملازمتیں حاصل کرلیں، اور حقیقت حال معلوم ہونے پر انہیں ملازمت سے برخاست کیا گیا اور ابھی تک بہت سے ''غیرمسلم'' افراد ایسے ہیں جن کا سعودی حکام کو علم نہیں، اس لئے وہ بڑے مزے سے وہاں ملازمتیں کر رہے ہیں، اس شکایت کے

ازالہ کی یہی ایک صورت ہوسکتی ہے کہ ہر شخص کے پاسپورٹ اور شناختی کارڈ میں دوسرے کوائف کے علاوہ اس کے مذہب کا بھی اندراج کیا جائے، سعودی حکومت کی یہ ایک اہم ترین شکایت ہے جس کی طرف ہماری حکومت کو فوری توجہ کرنی چاہئے، موجودہ تغافل سے نہ صرف حرمین شریفین کا تقدس مجروح ہوتا ہے بلکہ پاکستان کی ساکھ بھی متاثر ہوتی ہے، اس کے علاوہ اس سے ایسی قباحتیں بھی جنم لیتی ہیں جو کسی صاحب بصیرت سے مخفی نہیں۔

(افتتاحیہ صفحہ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۹ر ستمبر ۱۹۷۸ء)

اسلامی سزاؤں کا نفاذ...

سعودی عرب کا قابل تقلید کارنامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سرزمین عرب اہل اسلام کا مرکز ثقل ہے اور ہر مسلمان کو وہاں کے ذرے ذرے سے عقیدت ہے اور پھر سعودی حکومت نے وہاں اسلام کے عادلانہ قوانین کے نفاذ کی جو مثال قائم کی ہے وہ عالم اسلام کے لئے ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے لئے لائق تقلید ہے، آپ نے اسی ہفتہ کے اخبارات میں یہ تازہ خبر پڑھی ہوگی:

> گزشتہ جمعہ کو سعودی عرب میں قتل اور بدکاری کے الزام میں سرعام نو افراد کے سر قلم کئے گئے، ۳ افراد کے سر جوری میں قلم کئے گئے جو ریاض کے قریب واقع ہے، انہوں نے ایک لڑکی کی آبروریزی کی تھی، تین افراد کے سر مکہ مکرمہ میں قلم کئے گئے، ان پر ایک لڑکے کے ساتھ بداخلاقی اور مجرمانہ حملے کرنے کا الزام تھا، تین افراد کے سر طائف میں قلم کئے گئے، جن میں سے دو سگے بھائی تھے، ان پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے ایک فوجی کو قتل کردیا جس نے انہیں ماہ رمضان المبارک کے دنوں میں ایک خیمے میں بداخلاقی کرتے دیکھ کر گرفتار کرنا چاہا تھا۔

شریف حسین کے دور میں حجاز مقدس لوٹ مار میں بدنام تھا، دن دہاڑے

قافلوں کے قافلے لٹ جاتے تھے اور حاجیوں کے لئے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کا سفر کرنا ہزار دقتوں اور پریشانیوں کو دعوت دینا تھا، لیکن جب سے سعودی حکومت قائم ہوئی اور وہاں اسلام کا تعزیراتی نظام نافذ ہوا، امن و امان کی ایسی فضا پیدا ہوئی جس کی مثال نہ امریکہ کی تہذیب و ترقی میں ملے گی، نہ روس اور چین کی اشتراکیت میں۔ اب عرب کا بدو امریکہ کے مسٹر سے زیادہ مہذب ہے، گزشتہ دنوں امام حرم نبوی (جو وہاں کے رئیس القضاۃ یا چیف جسٹس بھی ہیں) کا بیان آیا تھا کہ چھ مہینے سے ان کے پاس چوری ڈکیتی کا کوئی مقدمہ نہیں آیا، اور قتل کے ایک دو مقدمے آئے۔ کیا دنیا کا کوئی مہذب ملک اس کی مثال پیش کرسکتا ہے؟ عرب کے لٹیرے بدوؤں کو ایسا شائستہ کس نے بنایا؟ جدید تعلیم نے؟ کالجوں اور یونیورسٹیوں کی بھرمار نے؟ سائنسی ترقی نے؟ جی نہیں! صرف اور صرف تعزیرات اسلام نے!!

اور یہ سرزمین عرب ہی کی خصوصیت نہیں، سرزمین پاک میں بھی اگر انگریزی تعزیرات (جن کا نام تقسیم سے پہلے ''تعزیرات ہند'' تھا، اور اب ''تعزیرات پاکستان'' ہے) کے بجائے اسلامی تعزیرات نافذ ہوتیں تو یہاں بھی نتائج وہی ہوتے، مگر اس کے لئے ایمان محکم اور عزم راسخ کی ضرورت ہے۔

ہمارے وطن پاک میں جو تعزیراتی نظام نافذ ہے اس کی برکات کا مشاہدہ بھی آئے دن ہوتا رہتا ہے، جرائم جیومیٹری کے حسابات سے بڑھ رہے ہیں اور پاکستان کے جیالے جرائم کی صنعت کو ترقی دینے کے لئے ریکارڈ قائم کر رہے ہیں، قتل، ڈکیتی اور چوری کے جرائم کی نئی نئی شکلیں ایجاد ہو رہی ہیں، ننھے معصوموں کو جنسی ہوس کا نشانہ بنا کر ان کی لاشیں کتوں کے حوالے کردی جاتی ہیں، اونچے گھرانوں کے لاڈلے گریجویٹ ڈاکہ زنی کی مشقیں سیکھتے سکھاتے ہیں، زندہ تو زندہ اب مردوں کو

قبروں میں بھی امان نہیں۔

ہمارے یہاں جرائم کا علاج یہ تجویز کیا گیا ہے کہ جیل خانوں میں توسیع کرو، عدالتوں میں ججوں کی بھرتی زیادہ کرو، پولیس کی تعداد بڑھاؤ:

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اسلام کا نظام تعزیرات، جو خدا کی زمین میں امن و امان قائم کرنے کا کفیل ہے، پاکستان میں بھی نافذ ہوسکتا ہے، اور اس کی تجویز بھی زیر غور ہے مگر اس میں چند رکاوٹیں ہیں:

ایک تو ابھی تک ہمارے وزیر قانون قیلولہ فرما رہے ہیں، اس سے بیدار ہوں گے تو وہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر توجہ فرمائیں گے، اس کے بعد وہ "اجتہاد" کے مسئلہ پر غور فرمائیں گے، پھر وہ ایک "شریعت کمیشن" بٹھائیں گے جو موصوف کے اجتہاد کی شاخیں نکالے گی، تب اس اجتہاد کو "پاکستان میں اسلامی نظام" کے مصنوعی نام سے نافذ کرنے کے بارے میں سوچا جائے گا۔

ایک رکاوٹ یہ ہے کہ اگر اسلام کا تعزیراتی نظام نافذ کردیا جائے تو ہماری پولیس کی بالائی آمدنی کی سبیل کیا ہوگی؟ اور ہمارے وکلاء جو ہر مجرم کو رہا کرانے میں یدطولیٰ رکھتے ہیں ان کی فیس کون دے گا؟ ظاہر ہے کہ جرائم کی کثرت نہ ہوگی تو پولیس کی ہتھکڑیاں بے کار ہوں گی، جیل خانے ویران ہوجائیں گے، ہماری عدالتوں کی رونق جاتی رہے گی، اور بہت سے محکموں میں بیکاری پھیل جائے گی۔

ایک رکاوٹ یہ ہے کہ جب تک معاشرہ ٹھیک نہ ہوجائے اسلام کے سخت تعزیری قانون کیسے نافذ کردیئے جائیں؟ پہلے پاکستانی معاشرہ ٹھیک ہوجائے، چور چوری سے، ڈاکو ڈکیتی سے، اور مجرم جرم سے رضا کارانہ طور پر توبہ کرلیں، ملک کی عوام

نیک سیرت اور فرشتہ خصلت بن جائیں تب ہی اسلامی قانون نافذ ہوسکتا ہے، ہمارے ایک دوست یہی دلیل پیش فرما رہے تھے، ہم نے ان سے گزارش کی کہ جناب اس کی مثال تو ایسی ہے کہ آپ کسی مریض کو شفاخانے لے کر جائیں اور طبیب صاحب فرمائیں کہ بھائیو! اس تڑپتے چیختے مریض کو داروئے شفا کیسے دے سکتا ہوں، اسے گھر لے جاؤ، ٹھیک کرنے کی کوشش کرو، جب پوری طرح ٹھیک ہوجائے تب اسے میرے پاس لاؤ، ارشاد فرمایئے کہ کیا علاج کی یہی صحیح تدبیر ہے؟ اسلامی تعزیرات تو مرض جرائم کا علاج ہے، آپ فرماتے ہیں پہلے مریض کو ٹھیک ہوجانے دو تب اس کا علاج شروع کریں گے، نہ وہ اسلامی تعزیرات کے داروئے تلخ کے بغیر ٹھیک ہو، نہ آپ اسلامی نظام تعزیرات نافذ کریں۔

ایک خان صاحب فرما رہے تھے کہ دراصل ہمارا معاشرہ بہت غریب ہے، بھوک کی مجبوری کی وجہ سے لوگ چوری، ڈکیتی کے جرائم کرتے ہیں، ایسے میں اگر آپ سخت سزائیں نافذ کریں گے تو دوہرا ظلم ہوگا، دیکھئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک بار قحط پڑا تھا، اسی دوران ایک شخص نے چوری کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر سزا جاری نہیں فرمائی، بلکہ یہ کہہ کر اسے رہا کردیا کہ اس نے بھوک کی مجبوری سے چوری کی ہے۔

غالباً یہ خان صاحب ہمارے وزیر قانون سے ''اجتہاد'' کا نیا تازہ سبق پڑھ کر آئے تھے، اس لئے خود بھی ''اجتہاد'' فرما رہے تھے، ہم نے خان صاحب سے گزارش کی کہ جناب نے صحیح غور وفکر سے کام نہیں لیا، آپ یہ دیکھئے کہ جب آنحضرت ﷺ کے زمانے میں یہ سزائیں نافذ کی گئی تھیں، اس وقت کا معاشرہ ہم سے زیادہ غریب تھا، اس وقت کی بیشتر آبادی دو وقت کھانا کھانے سے ناآشنا تھی،

تاریخ میں آنحضرت ﷺ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تنگدستی اور فقر و فاقہ کے حالات پڑھئے تو آپ موجودہ زمانے میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اب اگر آپ کی دلیل کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ خداوند تعالیٰ نے اور رسول اللہ ﷺ نے اس زمانے کے مفلوک الحال لوگوں پر یہ سزائیں جاری کر کے نعوذ باللہ ظلم کیا۔

اور دور کیوں جائیے، جس زمانے میں سعودی عرب میں اسلام کا نظام تعزیرات نافذ کیا گیا اس وقت عرب بے حد مفلوک الحال تھے، نہ ان کا کوئی خاص ذریعہ معاش تھا، نہ انہیں زندگی کی ضروریات میسر تھیں، اگر آپ کی دلیل وہاں چل جاتی تو سعودی عرب بھی آج تک دیگر ممالک کی طرح جرائم کا گہوارہ ہوتا، مگر شاہ عبدالعزیز بن سعود۔ نور اللہ مرقدہ نے اسلام کے راستہ میں کسی مصلحت کو آڑے آنے نہیں دیا، نتیجہ یہ کہ ایک طرف ملک میں ایسا امن و امان ہوا کہ راستے میں سونا اچھالتے جاؤ تو کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا، دلچسپ بات یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز مرحوم نے اعلان کرا دیا تھا کہ نماز کے لئے آؤ تو دکانیں کھلی چھوڑ آؤ، کسی کا کوئی نقصان ہوگا تو حکومت اس کی ذمہ دار ہوگی، جو شخص دکان بند کر کے آئے گا اسے سزا دی جائے گی، اور پھر دنیا نے دیکھا کہ واقعی یہی ہوا، لوگ بھری بھری دکانیں کھلی چھوڑ جاتے اور کسی کی کیا مجال کہ ایک سوئی بھی اٹھا لے، دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اسلام کی برکت سے ان پر دولت کے دہانے کھول دیئے اور زمین سیال خزانے اگلنے لگی۔

اور ادھر امریکہ کو دیکھئے جو دنیا کا سب سے ترقی یافتہ ملک شمار ہوتا ہے، جو دنیا بھر کا ''ان داتا'' کہلاتا ہے، جن کی تہذیب و تمدن کی جھوٹی چمک دمک ہماری چشم بصیرت کو خیرہ کئے دیتی ہے، اسی مہذب امریکہ کے سب سے مہذب شہر میں ایک

رات بجلی کی رو ختم ہوگئی تو لوٹ مار اور جنسی انارکی کی قیامت مچ گئی، ان مثالوں سے معلوم ہوسکتا ہے کہ جرائم کا سبب غربت و افلاس نہیں، بلکہ انسانیت کے مزاج کا بگاڑ اس کا سبب ہے، اور اس بگاڑ کا صحیح علاج اسلامی تعزیرات ہیں۔

رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چور کے لائے جانے کا قصہ، اس کی صحیح حقیقت آپ نہیں سمجھے، اسلام کا قانون یہ ہے کہ اگر کوئی بھوک سے مر رہا ہو تو جس طرح جان بچانے کے لئے اس کو حرام کھالینا جائز ہے اسی طرح دوسرے کی چیز، بغیر اس کی اجازت کے (اگر اجازت لینے کا موقع نہ ہو، یا اجازت نہ دے) کھاکر اپنی جان بچالینا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جو چور لایا گیا تھا اس کی یہی حالت تھی، وہ قحط کی وجہ سے بھوکوں مر رہا تھا، اسے جان بچانے کے لئے کوئی اور چیز میسر نہ آئی تو اس نے مالک کی اجازت کے بغیر اس کی چیز چرالی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی حالت پر غور فرماکر حد جاری کرنے سے پرہیز فرمایا، کیا خدانخواستہ ہمارے ملک کی یہی حالت ہے؟ اور جتنے لوگ چوری ڈکیتی کے مرتکب ہوتے ہیں وہ سب بھوک سے جان بلب ہوتے ہیں؟ اگر نہیں تو اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کی نظیر پیش کرنا نرا ''اجتہاد'' ہے۔

ایک ماڈرن بابو جی سے گفتگو ہوئی، جو انگریزی میں لکھنے پڑھنے اور انگریزی میں سوچنے سمجھنے کے عادی تھے، موصوف نے فرمایا کہ دراصل ہمارے ملک میں اسلامی تعزیراتی نظام نافذ نہیں ہوسکتا، کیونکہ جدید دنیا تہذیب و ترقی کے بہت سے مدارج عالیہ طے کرچکی ہے، اور آج کی مہذب دنیا ان سزاؤں کو ''وحشیانہ'' سزائیں قرار دے چکی ہے، اگر پاکستان میں یہ سزائیں جاری کردی گئیں تو پوری دنیا میں یہ ملک بدنام ہوجائے گا وغیرہ وغیرہ۔

یہ صاحبزادے اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں جو ہر چیز میں مغرب کی سند لانا اور دین و مذہب، اور تہذیب و ثقافت سے لے کر زندگی کی ہر چیز پر ''ساختہ لندن'' کی مہر دیکھنا ضروری سمجھتا ہے، ہم نے ان سے عرض کی کہ جناب کا یہ اندیشہ تو معروضی طور پر غلط ہے کہ اسلامی سزاؤں کے نفاذ سے ہمارا ملک بدنام ہوجائے گا کیونکہ سعودی عرب میں یہ سزائیں نافذ ہیں مگر وہ ہمارے ملک سے بڑھ کر عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، آج تک کسی نے ان کو دقیانوسی ہونے کا طعنہ نہیں دیا، اور اگر دیا بھی ہو تو ان کا کچھ نہیں بگڑا، ساری دنیا کے ممالک سے ان کے مراسم ہیں، اگر آپ بھی ذرا ہمت کر کے اسلام کے قانون جرم و سزا کو قبول کرلیں تو انشاء اللہ آپ کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا، دو چار دن بی بی سی، اور وائس آف امریکہ گرم گرم خبر دیں گے اور پھر قصہ ختم۔

رہا استاذ مغرب کا ان سزاؤں کو وحشیانہ سزائیں کہنا تو یہ دراصل اس کی اپنی تہذیب کا دیوالیہ پن ہے، جرم و سزا کا باہمی تعلق مرض اور دوا کا ہے، جس درجہ کا مرض ہوگا آپ اسی مناسبت سے دوا تجویز کریں گے، مرض اور مریض کے صحیح تجزیہ کے بغیر الل ٹپ دوائی لکھ دینا ''عطائیت'' ہے، اور افسوس ہے کہ عطائیت کی یہ دکان آج استاذ مغرب نے کھول رکھی ہے۔

عدالت انصاف کا نام ہے، ترازو کے ایک پلّے میں جرم کو رکھئے اور دوسرے میں سزا کو ــــــ اگر یہ دونوں کانٹے تول برابر ہیں تو اس کو انصاف کہا جائے گا، اور اگر ان میں سے ایک پلہ بھاری ہے اور دوسرا ہلکا تو یہ انصاف نہیں ظلم ہے، اگر مجرم کو اس کے جرم سے زیادہ سزا ملی تب بھی ظلم، اور کم ملی تب بھی ظلم۔

اللہ تعالیٰ انسانی نفسیات کا خالق بھی ہے اور سب سے زیادہ علیم و خبیر بھی،

اس نے اپنی حکمت بالغہ اور لامحدود علم کے مطابق قتل، چوری، ڈکیتی، شراب نوشی، ارتداد، وغیرہ جرائم کے وزن کو تول تول کر ان کے ہم وزن سزائیں تجویز فرمائی ہیں، انسان کا دماغ ہزاروں برس کی کاوش کے بعد ان جرائم کا نہ صحیح وزن کرسکتا ہے، نہ ان کے ہم وزن سزائیں تجویز کرسکتا ہے، اس لئے خدائی قانونِ سزا کو چھوڑ کر کوئی اور سزا دینا ظالمانہ ''عطائیت'' ہے۔

ہم نے ان صاحبزادے سے مزید کہا کہ ایک لمحہ کے لئے فرض کرلیجئے کہ یہ سزائیں واقعی وحشیانہ ہیں، مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ بقول آپ کے ''وحشیانہ سزائیں'' تجویز کن کے لئے کی گئی ہیں؟ مہذب انسانوں کے لئے، یا انسان نما جانوروں اور وحشیوں کے لئے؟ جو شخص کسی بے گناہ کا چراغ زندگی گل کردیتا ہے، اور اس کے بوڑھے والدین کا سہارا، بیوی کا سہاگ اور بچوں کا سایۂ شفقت چھین لیتا ہے، کیا وہ آپ کے استاذ مغرب کی اصطلاح میں مہذب ہے؟ جو شخص اپنی بہیمیت کے منہ زور گھوڑے پر سوار ہوکر کسی عفیفہ کے دامن عصمت کو تاراج کردیتا ہے، کیا وہ مہذب ہی کہلائے گا؟ جو شخص چوری، ڈکیتی کے ذریعہ پورے معاشرہ کے امن وسکون کو غارت اور رات کی نیند حرام کردیتا ہے، کیا اسے مہذب انسان کہا جائے گا؟

استاذ مغرب کو غلطی یہ لگی کہ اس نے ہر شلوار قمیض اور پینٹ شرٹ پہننے والے کو انسان سمجھ لیا، اور اس کی درندگی اور وحشی پن تک اس کی نظر نہیں گئی، مغرب نے ایسا ایکسرا تو ایجاد کرلیا جو آدمی کے اندرون بدن کی تصویر اتار سکتا ہے، مگر وہ ایسا ایکسرا ایجاد نہیں کرسکا جو اس کی اخلاقی درندگی کو نمایاں کرسکتا، یہ ایکسرا انبیاءؑ کرام علیہم السلام نے انسانیت کو عطا کیا ہے، چونکہ مغرب اس کا موجد نہیں، اس لئے وہ اس کا مذاق اڑا کر اپنی تہی دامنی کا ماتم کرتا ہے۔

انبیاءؑ کرام علیہم السلام کے نقطۂ نظر سے ان جرائم کے مرتکب، انسان نہیں بلکہ انسان نما درندے اور چوپائے ہیں، جو اپنی درندگی کے جنون میں معاشرے کے امن وسکون کو پامال کرتے ہیں، لہٰذا ان کے لئے سزائیں بھی ان کے حسب حال تجویز کی گئی ہیں، انسانوں کے نومولود بچے کو قبض کی شکایت ہو تو طبیب اس کے لئے معمولی مقدار میں کسٹرائیل تجویز کرتا ہے، لیکن ایک عطائی اگر اسی مقدار کا تجربہ کسی چوپائے سے کرنے لگے تو شفا کی امید رکھنا حماقت نہیں تو اسے خوش فہمی کہہ لیجئے، معاشرے کو اس وقت تک امن وسکون نصیب نہیں ہوسکتا جب تک کہ ان وحشیوں کے لئے وہی سزائیں تجویز نہ کی جائیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مقرر کی ہیں۔

ایک اور بانکے سجیلے شہزادے سے ملاقات ہوئی فرمانے لگے: ''اسلامی نظام آخر ہے کیا چیز؟ جس کے نفاذ کا بار بار مطالبہ کیا جاتا ہے۔'' ہم نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ دیکھئے ہر قوم کا کوئی نہ کوئی نظریۂ حیات ہوتا ہے اور کچھ معاشرتی اصول و قواعد اور قوانین ہوتے ہیں، کوئی متمدن قوم لاقانونیت کی زندگی نہیں گزار سکتی، آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو جو نظریۂ حیات اور طرز زندگی عطا کیا ہے اسے ''اسلامی نظام'' کہتے ہیں، مثلاً مسلمانوں کو کن عقائد ونظریات کا حامل ہونا چاہئے؟ وہ عبادات کس طرح ادا کریں؟ ان کے باہمی معاملات، لین دین، خرید و فروخت، شادی بیاہ کے اصول وقواعد کیا ہوں؟ مسلمانوں کی آپس کی معاشرت کیسے ہو؟ راعی اور رعایا کے درمیان حقوق اور ذمہ داریوں کی کیا شکل ہو؟ ان کا عدالتی نظام کیسا ہو؟ جو شخص معاشرے میں قانون شکنی کا مرتکب ہو اس کی اصلاح کیسے کی جائے؟ الغرض جینے سے لے کر مرنے تک اجتماعی و انفرادی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے آنحضرت

ﷺ نے جو ہدایات دی ہیں انہیں اسلامی نظام کہتے ہیں، اب دیکھئے کہ مسلمان کہلا کر آنحضرت ﷺ کی تعلیمات سے بے بہرہ رہنا کتنی محرومی کی بات ہے؟

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۹ر ستمبر ۱۹۷۸ء)

عوام کی مذہبی و سیاسی تربیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی نظام کے سلسلہ میں ارباب اقتدار کے ساتھ ساتھ ارباب سیاست پر بہت بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اسلامی نظام کے نفاذ سے پہلے اس کی پیش رفت کے لئے بھی، اور نفاذ کے بعد اس کی کامیابی اور اس کے استحکام کے لئے بھی، اس ضمن میں سیاسی جماعتوں پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو تین عنوانات سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، تنظیم، تربیت، تعمیر۔

یہاں اسلامی نظام کی کامیابی مطلوب ہے تو اس کے لئے پہلی ضرورت یہ ہے کہ دین کی داعی جماعتیں اپنی صفوں میں نظم و ضبط پیدا کریں۔ جماعت چند ہم خیال یا چند نعرہ باز افراد کی بھیڑ کا نام نہیں، بلکہ جماعت کا اطلاق صحیح معنیٰ میں اس پر ہوتا ہے۔ نماز کے لئے مسجد میں ترتیب پائی ہوئی جماعت جس کی صفوں میں کوئی رخنہ اور کجی نہیں ہوتی اور جو ایک امام کی آواز پر قیام و قعود اور رکوع و سجود کرتی ہے۔ جب تک دینی جماعتیں اسلامی اصول کے مطابق نظم و ضبط پیدا کر کے ''جماعت'' کا مظاہرہ نہیں کرتیں، ان کے لئے معاشرہ میں کسی مؤثر کردار ادا کرنے کے دھندلے رہیں گے۔

دوسری چیز جس کی دینی جماعتوں کو اشد ضرورت ہے وہ ہے جماعت سے وابستہ افراد و ارکان کی دینی، مذہبی، سیاسی اور سماجی تربیت۔ جماعت کا ہر فرد صوم و صلوٰۃ اور اسلامی فرائض کا پابند ہو، ناجائز و محرمات سے کنارہ کش ہو، اسے بقدر

ضرورت دینی مسائل، سیاسی تقاضوں اور سماجی ضرورتوں کا علم ہو، اس کے نزدیک سیاست بازی حب جاہ و شخصیت نمائی کا زینہ نہ ہو، بلکہ خلق خدا کی بے لوث خدمت، بے کسوں اور عوام کی دینی و دنیاوی اصلاح اس کی زندگی کا مشن بن جائے، وہ تمام افراد جو دین کی علمبردار سیاسی جماعتوں سے کسی نہ کسی طرح منسلک ہیں ان کی زندگی میں ایک ایسا اسلامی انقلاب آنا چاہئے جو صاف اور نمایاں ہو، اگر یہ سب لوگ صحیح اسلامی تربیت سے آراستہ ہوں، عمل سے سرشار ہوں، فرائض کے پابند اور محرمات سے کنارہ کش ہوں تو اس ملک میں اسلامی نظام کی منزل قریب سے قریب تر آسکتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ دینی جماعتوں نے اب تک تنظیم و تربیت کی ضرورت کا کماحقہ احساس نہیں کیا، یا انہیں زمانے کی تیز رفتاری نے اس کی مہلت نہیں دی۔ اور اس کا خمیازہ نہ صرف ان جماعتوں کو بلکہ اسلام کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ ان جماعتوں کے بہت سے کارکن ہیں جو نماز باجماعت تک کی پابندی نہیں کرتے، اور زندگی کے دیگر معاملات میں بھی ان کے اور لادین طبقہ کے درمیان کوئی نمایاں خط امتیاز نہیں ہے۔ یہ صورت حال نہ دین کی علمبردار سیاسی جماعتوں کے لئے لائق فخر ہوسکتی ہے، نہ اسلامی نظام کی کامیابی کے لئے حوصلہ افزا ـــ وقت کا تیز پہیہ شاید ان جماعتوں کو مزید مہلت دینے پر آمادہ نہ ہو، تاہم ان جماعتوں کے قائدین اور ذمہ دار اصحاب کو اس کی طرف فوری توجہ دینی چاہئے، اور اس نقص کی اصلاح جہاں تک ممکن ہو جلدی کر لینی چاہئے۔ تیسری چیز جو نظام مصطفیٰ ﷺ کی داعی جماعتوں کے لئے نہایت ناگزیر ہے ـــ اور جسے ہم نے ''تعمیر'' سے تعبیر کیا ہے ـــ یہ ہے کہ ان کے ارکان کا عام پبلک سے رابطہ ہو، اور ملک کے ہر شخص تک وہ دینی دعوت پہنچائیں۔ تمام مسلمانوں سے گھل مل کر انہیں اسلامی فرائض سکھائیں، انہیں مساجد میں لائیں، ان کو محرمات سے

بچائیں، ان کی مشکلات اور پریشانیوں کے حل میں مدد دیں ۔ ان کی ہمدردی اور خیر خواہی کیلئے اپنی تمام توانائیاں صرف کردیں۔ ان کی ضروریات حکام بالا تک پہنچائیں۔ ان کے درمیان تنازعات ہوں تو انہیں رضا کارانہ طور پر نمٹانے کی دعوت دیں۔ کوئی بھوکا ننگا ہو تو اس کی خوراک و پوشاک کا بندوبست کریں، کوئی علاج سے معذور ہو تو اس کے علاج معالجہ میں مدد دیں۔ کوئی بے روزگار ہو تو اس کے روزگار کے لئے سبیل نکالیں۔

اسی کے ساتھ قوم کو اسلامی اخلاق اور اسلامی معاشرت اپنانے کی ترغیب دیں، انہیں معاملات میں جائز و ناجائز اور حلال و حرام سے آگاہ کریں۔ رزق حلال کے فضائل اور لقمۂ حرام کی تباہ کاریوں سے انہیں متنبہ کریں۔ کسی کے ذہن میں دین کی طرف سے کوئی خدشہ ہو تو اس کا ازالہ کریں۔

نیز انہیں خیر اور علم کی مجالس میں حاضری کی ترغیب دیں، شر اور جہل کی مجالس میں آنے جانے سے انہیں بچائیں، باہمی حقوق کے ادا کرنے کی ضرورت واضح کریں اور کسی کی حق تلفی پر جو نقصانات دنیا و آخرت میں ہوں گے یا ہوسکتے ہیں ان کے ذہن نشین کرائیں۔

مختصر یہ کہ اسلامی نظام کی کامیابی کے لئے قوم کی ذہنی تعمیر، اخلاقی تعمیر، سماجی تعمیر اور دینی تعمیر بہت ضروری ہے اور یہ فریضہ سب سے بڑھ کر ان جماعتوں پر عائد ہوتا ہے جو نظام اسلام کے نفاذ کی خواہشمند ہیں۔ جب تک یہ جماعتیں اس مشن پر محنت، لگن، خلوص اور جزبہ جہاد سے کام نہیں کریں گی ہم بدستور گزشتہ اکتیس سالہ تاریخ دہراتے رہیں گے۔ نظام مصطفےٰ ﷺ کی داعی جماعتوں پر جہاں ''قومی تعمیر'' کا فرض عائد ہوتا ہے وہاں ان پر یہ بھی لازم آتا ہے کہ اسلام دشمن عناصر، قوم کی جس

''ذہنی تخریب'' کے درپے ہیں اس سے قوم کو بچانے کی تدابیر کی جائیں۔ اور قوم کے لئے جو نت نئے مسائل کھڑے کئے جارہے ہیں ان پر بھی سنجیدگی سے غور و فکر کیا جائے، یہ ذمہ داریاں بے حد گراں ہیں، لیکن جو جماعتیں اس ملک کی ناہموار زمین میں اسلام کا شجرہ طیبہ نصب کرنا چاہتی ہیں انہیں بہر قیمت یہ ذمہ داریاں قبول کرنا ہوں گی۔ کیا نظام مصطفیٰ ﷺ کی داعی جماعتیں اپنے آپ کو ان ذمہ داریوں کے اٹھانے کا اہل ثابت کریں گی؟

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۶/۱کتوبر ۱۹۷۸ء)

خدارا! ایسی غلطیاں نہ کیجئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گزشتہ روز کراچی میں خواتین کے بین الاقوامی سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے صدر محمد ضیاءُ الحق نے خواتین کے بارے میں ''فلسفۂ اسلام'' کی تشریح فرمائی اور روانیٔ تقریر میں یہ فرمایا:

''اگر اس زمانے میں ہوائی جہاز اور کمپیوٹر کا رواج ہوتا
تو رسول اللہ ﷺ مسلمان عورتوں کو ان سے بہرور ہونے سے
بھی قطعاً منع نہ کرتے۔''

ہمارے ملک میں یہ ایک رسم سی ہوگئی ہے (اور ہمارے سیاستدان اور ارباب اقتدار اس رسم کی خوب پابندی فرماتے ہیں) کہ جس کے جی میں جو خیال آئے یا جس کو جو چیز ذرا پسند ہو اس کے لئے ایک دم اسلام کا حوالہ دیدیا جاتا ہے، اس ضمن میں فیلڈ مارشل ایوب خان تو گستاخی کی اس حد کو بھی پھلانگ گئے تھے کہ ''آج اگر رسول اللہ ﷺ موجود ہوتے تو یہی فرماتے۔'' نعوذ باللہ۔

خواتین کے حقوق کیا ہیں؟ ان کے مصارف کی ذمہ داری کس پر آتی ہے؟ ان کا علم ہونا چاہیئے؟ اس کے بارے میں قرآن کریم اور ارشادات نبوی میں واضح ہدایات ملتی ہیں، ہمیں افسوس ہے کہ وہ صدر محترم کے خیالات اور ان کے ''فلسفۂ

اسلام'' سے میل نہیں کھاتیں ہم اس نکتہ کی تشریح میں جائے بغیر صدر کو احتیاط کوشی کا مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں۔

اللہ نے انہیں دنیا کے بہت بڑے منصب سے نوازا ہے، وہ بیک وقت مسلح افواج پاکستان اور حکومت کے سربراہ ہیں، لیکن ان کی ان تمام خوبیوں اور صلاحیتوں کے باوصف جب تک انہیں قانونی دانش گاہ سے قانون کی ڈگری نہیں مل جاتی، وہ عدالت میں ''شارح قانون کی حیثیت'' میں پیش نہیں ہوسکتے، ایسے میں کیا ضروری ہے کہ وہ ''فلسفۂ اسلام کے نافذ کرنے سے ہی اسلام کی خدمت بجالائیں، ''فلسفۂ اسلام'' کی تشریح کیلئے خود دینی ماہرین موجود ہیں، اگر وہ اسلام کو عملاً نافذ کرنے اور اس بگڑے ہوئے معاشرے کو اسلام کے قالب میں ڈھالنے کی استطاعت نہیں رکھتے تو ازراہ کرم فلسفۂ اسلام کو اس دیمک زدہ نظام کے قالب میں ڈھالنے کی سعی نہ فرمائیں۔

نئی تعلیمی پالیسی

گزشتہ روز وفاقی وزیر تعلیم نے ''نئی انقلابی تعلیمی پالیسی'' کا اعلان کیا ہے، اس کی خوبیوں اور خامیوں پر اخبارات میں مفصل تبصرے آچکے ہیں۔ ہم اس ضمن میں دو گذارشیں وزیر تعلیم کی خدمت میں پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ایک یہ کہ مساجد کو تعلیم گاہ کی حیثیت سے استعمال کرنے کے اس اعلان پر پوری طرح غور کرلیا جائے کہ اس سے مساجد کا تقدس و احترام تو متاثر نہیں ہوتا جس کی اسلام نے شدید تاکید کی ہے......؟ دوسری گذارش یہ کہ مدارس عربیہ کو معزز مقام دلانا ایک مبارک اقدام ہے، مگر انہیں منشائے اقتدار کی لونڈی بنانے سے گریز کرنا چاہئے، اس سے نہ ملک وقوم کا

بھلا ہوگا، نہ خود مدارس کا..... سب کچھ کیجئے لیکن یہ غلطی نہ کیجئے۔

جداگانہ بنیاد پر انتخابات

جداگانہ بنیاد پر انتخابی فہرستوں کی تیاری کا کام کل (۲۱/اکتوبر) سے شروع ہورہا ہے، مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے ایک اعلامیے میں بتایا گیا ہے کہ الیکشن کمیشن کی جانب سے جو فارم مسلمانوں کے لئے مخصوص کیا گیا ہے اس کے حلف نامے میں ایسی لچک موجود ہے جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض غیر مسلم اقلیتی فرقے اپنا نام مسلمانوں کی فہرستوں میں درج کراسکتے ہیں اور واقعتاً وہ اس کا ارادہ بھی رکھتے ہیں۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو یہ ہماری انتظامیہ کے فہم و تدبر اور اعلیٰ کارکردگی کا مزید ثبوت فراہم کرتی ہے!

ہم سب سے پہلے تو ان غیر مسلم فرقوں کو خود انہی کے مفاد میں یہ مشورہ دیں گے کہ وہ مسلمانوں کی فہرستوں میں اپنے نام درج کرانے کی غلطی نہ کر بیٹھیں، کیونکہ یہ ان کے اپنے فرقے کے حق میں خودکشی کے مرادف ہوگا۔ کل جب ہر فرقے کی مردم شماری کے نتائج سامنے آئیں گے تو اپنی اس غلطی پر ندامت کا احساس ہوگا۔

ہم مسلمانوں سے بھی التماس کریں گے کہ وہ ایک ملی فرض سمجھ کر اس پر کڑی نظر رکھیں، اور کسی غیر مسلم اقلیت کے فرد کو مسلمانوں کی فہرستوں میں اپنا نام درج کرانیکی غلطی برداشت نہ کریں۔

آخر میں ہم چیف الیکشن کمشنر سے اپیل کریں گے کہ وہ اس غلطی کی اصلاح کے لئے فوری اقدام کریں ورنہ اگر ان کی زیر نگرانی ہونے والے انتخابات کی بنیاد ہی ٹیڑھی ہو تو یہ دیوار آخر تک ٹیڑھی رہے گی۔ اور جداگانہ انتخاب ایک بے مقصد چیز بن کر رہ جائے گا۔ (افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۰/اکتوبر ۱۹۷۸ء)

زبانی جمع خرچ نہیں عملی جدوجہد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جنرل ضیاالحق صاحب نے منیٰ میں ایک ضیافت کے دوران خطاب کرتے ہوئے فرمایا: فلسطین کا مسئلہ تمام عالم اسلام کا اپنا مسئلہ ہے اور اس میں صرف بیان دے دینے یا قرارداد پاس کر لینے سے کچھ حاصل نہ ہوگا، اس کے لئے عملی جد و جہد کی ضرورت ہے اور سب سے پہلے ہمیں اپنی اقتصادی حالت کو بہتر بنا کر فوجی تیاری مکمل کرنا ہوگی اور انتشار کو چھوڑ کر اتحاد کو اپنانا ہوگا۔ اور اپنے قول و فعل کے تضادات کو ختم کرنا ہوگا۔ اور جدید دور کے چیلنج سے مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں اسلام کے دامن میں پناہ لینی ہوگی۔ جناب صدر ضیاالحق نے وہ بات آج مجمع عام میں کہی جو کہ ہر مسلمان اپنے دل میں محسوس کرتا تھا۔ مسلمانوں کی بہت بد قسمتی ہے کہ انکی ایک مقدس جگہ قبلہ اول عرصہ ہوا دشمن کے ہاتھوں میں ہے اور مسلمان غفلت کی نیند سوئے ہوئے ہیں اور انہوں نے اپنے آپ کو بیان دینے تک یا قرارداد پاس کرنے تک محدود کر لیا ہے، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس سانحہ کے بعد ہر مسلمان غفلت کی نیند سے جاگ جاتا اور اس تیاری میں لگ جاتا کہ کسی طرح اپنے اس مقدس مقام کو دشمن سے چھڑا لیا جائے اور اس کے لئے مال و جان اور ہر طرح کی قربانی دے کر اپنی طاقت کو مضبوط کیا جاتا۔ انتشار اور افتراق کی پالیسی سے ہٹ کر اتحاد امت کے لئے ہر ایک ایثار کے جذبہ سے سرشار ہو کر اس سلسلہ میں کوشاں ہوتا، لیکن اس کے برعکس مسلمان آپس میں دست

وگریباں ہیں، ایک دوسرے کے خلاف اپنی طاقتوں کو ضائع کر رہے ہیں اور مشترکہ دشمن کو آزاد چھوڑا ہوا ہے جس کا نتیجہ ہے کہ وہ مشترکہ دشمن جو کہ بہت ہی قلیل تعداد میں ہے وہ ہم پر مسلط ہے، اسی چیز کو محسوس کرتے ہوئے صدر ضیاء الحق صاحب نے اسلام کے ایک مقدس مقام میں عالم اسلام کے رہنماؤں سے اپیل کی کہ زبانی جمع خرچ کو ختم کیجئے اور عملی جد وجہد کو تیز کیجئے اور اپنے آپ کو اقتصادی اور دفاعی طور پر اتنا مضبوط کیجئے کہ ہمارے مقدس مقامات پر دشمن کو نظر اٹھانے کی بھی ہمت نہ ہو، ہمیں امید ہے کہ عالم اسلام کے رہنما اس چیز کو محسوس کریں گے اور اپنے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کرنے کے لئے عملی جد وجہد شروع کریں گے انشاء اللہ، پھر اللہ تعالیٰ بھی امداد فرمائیں گے۔ دوسری بات صدر صاحب نے یہ بھی فرمائی کہ اسوقت اگر ہمیں کہیں پناہ مل سکتی ہے تو وہ اسلام کا دامن ہے، اس سلسلے میں ہماری گزارش یہی ہے کہ جس طرح جہاد کے معاملہ میں زبانی بیانات سے کام نہیں چلتا، بلکہ عملی جد وجہد کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح اسلام کے دامن میں پناہ لینے کے بیان سے بھی کچھ حاصل نہ ہوگا جب تک عملی طور پر اسلامی نظام کو نافذ نہ کریں، جب اسلامی نظام نافذ کردیں گے تو ہر شخص اس کی افادیت کو محسوس کر کے اس کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوگا، نبی اکرم ﷺ نے جب اسلام کے نظام کو پیش کیا تو لوگوں نے مخالفت کے ساتھ مقابلہ بھی کیا لیکن جب اسکی افادیت اور رحمت کو محسوس کیا تو ہر شخص اسکا شیدائی بن کر اس کی پناہ میں آگیا، اللہ ہمیں اسلامی نظام کے نفاذ کی توفیق عطا فرمائے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۷رنومبر ۱۹۷۸ء)

اتوار کی تعطیل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر محمد ضیاء الحق نے سال نو کے آغاز کی تقریر میں تعطیل جمعہ اور نماز جمعہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ سرکاری اداروں میں تو تعطیل جمعہ کو ہوتی ہے، مگر دیگر کاروباری اداروں کے لئے شاید یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ اپنی اپنی چھٹی کا اس طرح اہتمام کریں کہ سارا ہفتہ کاروبار زندگی جاری رہے، لیکن جب نماز جمعہ کا وقت ہوجائے تو تمام دکانیں اور ادارے اسلامی حکم کے مطابق نماز جمعہ کے لئے بند ہوجائیں۔

صدر کے یہ ارشادات اسلامی ذہن کی عکاسی کرتے ہیں، لیکن بعض حضرات نے جناب صدر کی اس خواہش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جمعہ کی تعطیل کو منسوخ کرنے اور اس کے بجائے اتوار کی تعطیل بحال کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ مطالبہ سراسر غلط اور ملّی غیرت کے خلاف ہے، یہودیوں کے لئے ہفتہ کا دن اور نصاریٰ کے لئے اتوار کا دن جس قدر مقدس اور لائق تعظیم ہیں اس سے کہیں بڑھ کر اسلام میں جمعہ کے دن کو شرف و تقدس حاصل ہے، اس کی عظمت کا تقاضا یہ تھا کہ جس طرح یہودیوں کے لئے ہفتہ کے دن کاروبار ممنوع ہے، ہمارے لئے جمعہ کے دن کو صرف عبادت کے لئے مخصوص کردیا جاتا، اور زندگی کے دوسرے تمام مشاغل ممنوع قرار پاتے، لیکن ہمارے دین فطرت میں انسانی ضرورتوں

اور تقاضوں کی بھی پوری پوری رعایت رکھی گئی ہے، اس لئے جمعہ کے دن کاروبار زندگی پر پابندی عائد نہیں کی گئی، البتہ اذان جمعہ کے بعد کام کاج کو ممنوع اور حرام قرار دیا گیا ہے، اور نماز جمعہ کے بعد کاروبار کی اجازت دی گئی ہے۔

لیکن اس اجازت کے یہ معنیٰ نہیں کہ اسلام میں جمعہ کے دن کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی، بلکہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اسلام میں جمعہ کے دن کو جو شرف و تقدس حاصل ہے وہ یہودیوں کے ہفتہ اور نصاریٰ کے اتوار سے کہیں بڑھ کر ہے، لہٰذا مسلمانوں کی قومی و ملی تعطیل کا دن اگر ہوسکتا ہے تو صرف جمعہ کا دن۔

ہونا یہ چاہئے کہ مسلمان ہفتہ میں کسی دن بھی چھٹی نہ کریں، بلکہ سرکاری دفاتر سمیت تمام کاروباری اداروں میں سارا ہفتہ کاروبار جاری رہے، صرف نماز کے اوقات خصوصاً نماز جمعہ کے لئے وقفہ کیا جائے، اور تمام سرکاری و غیر سرکاری اداروں میں کام کرنے والے کارکنوں کی ہفتہ وار چھٹی کے لئے ایسا نظام وضع کیا جائے کہ ہر کارکن کو ہفتہ میں ایک چھٹی ہو، مگر دفاتر اوز اداروں میں کام سارا ہفتہ جاری رہے، لیکن اگر ہفتہ میں ایک دن قومی سطح پر چھٹی کرنا ہی فرض و واجب ہے، تو اس کے لئے صرف جمعہ کا دن ہی موزوں ہے، قومی تعطیل کے لئے جمعہ کے بجائے اتوار کا دن تجویز کرنا قطعاً غلط ہے۔

مسلمانوں نے جس طرح تہذیب و تمدن کے دائروں میں شعوری یا لاشعوری طور پر یہود و نصاریٰ کو اپنا پیشوا بنا رکھا ہے، جو ان کے احساس کمتری کی چغلی کھاتا ہے۔

اتوار کی چھٹی عیسائیوں کے لئے محض ایک ہفتہ وار تعطیل کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ ان کے مذہبی شعار اور عبادت کی حیثیت رکھتی ہے، مسلمانوں کو نصرانی شعار

کے اپنانے کی دعوت دینا لائق فخر نہیں بلکہ افسوسناک تجویز ہے، صد حیف! کہ جس قوم کو اقوام عالم کی زمام قیادت سپرد کی گئی تھی وہ رجعت قہقری کرتے ہوئے آج یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اغیار کے خاکوں میں رنگ بھرنا ہی معراج ترقی و کمال سمجھتی ہے:

غنی ! روز سیاہ ماہ کنعان را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

(اسلامی صفحہ روزنامہ جنگ ۱۵/ دسمبر ۱۹۷۸ء)

خواتین کا بنیادی حق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب وزیر تعلیم صاحب نے ترمیم شدہ تعلیمی پالیسی کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ آئندہ سال تک خواتین کی دو یونیورسٹیاں کراچی اور لاہور میں کام شروع کردیں گی۔ یہ اعلان اتنا مستحسن اقدام ہے کہ جس کا ہر ذی العقل اور ہوش مند شخص نے خیر مقدم کیا ہے اور اسے قابل تحسین قرار دیا ہے تعلیم انسان کی بنیادی ضرورت اور حق ہے اور اسلام نے تعلیم کی بہت زیادہ اہمیت بتلائی ہے۔ ایک تعلیم یافتہ شخص اور غیر تعلیم یافتہ شخص کے مرتبے اور مقام میں بہت زیادہ فرق ہے، اور تعلیم یافتہ شخص کو نہ صرف معاشرہ عزت اور وقار کی نگاہ سے دیکھتا ہے بلکہ اسلام نے بھی اسے ایک قابل اعزاز ہستی تسلیم کیا ہے، اسلامی تاریخ پر آپ نظر ڈالیں تو آپ محسوس کریں گے کہ تعلیم یافتہ علمائے کرام اور دانشوران قوم کے سامنے بڑے بڑے بادشاہ گھٹنے ٹیکا کرتے تھے، حضرت نافع رحمۃ اللہ جو کہ حضرت ابن عمر کے غلام تھے مگر علم کی وجہ سے آج ان کا مرتبہ اسلام کے ائمہ اور حدیث کے مستند اشخاص میں ہوتا ہے، پھر اسلام نے اس تعلیم کو صرف مردوں تک ہی محدود نہیں کیا بلکہ مرد اور عورت کو اس میدان میں برابر کا حق دار قرار دیا ہے، اس کی دلیل اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوجاتی ہے کہ حضور

ﷺ نے فرمایا علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے، اس حدیث کے بعد اگر آپ نبی کریم ﷺ کی زندگی پر نظر ڈالیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ جہاں نبی کریم ﷺ نے مردوں کی تعلیم کا بندوبست اور انتظام فرمایا وہیں آپؐ نے عورتوں کی تعلیم کا بھی خاطر خواہ انتظام فرمایا تھا۔ نبی کریم ﷺ کی کثیر شادیوں کا بھی یہی مقصد تھا کہ ازواج مطہرات کو تعلیم کے اتنے اعلیٰ معیار تک پہنچا دیا جائے کہ وہ امت کی عورتوں کے لئے معلمات کے فرائض انجام دے سکیں، اس کے علاوہ ہفتہ میں ایک بار آپؐ عورتوں کے اجتماع سے خطاب فرماتے تھے اور ان کو درس قرآن و حدیث دیا کرتے تھے، اس کے علاوہ اکثر صحابیات نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات سے تعلیم حاصل کرنے تشریف لاتی تھیں اور پانچوں وقت نمازوں میں نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے پردہ کے اندر بہرہ ور ہوتی تھیں، اس تمام تفصیل سے یہ معلوم ہوگیا کہ تعلیم کا حصول جس طرح مرد کا حق ہے اسی طرح عورت کا بھی حق ہے، مگر کیا اس حق کے حصول کے لئے ہم اسلام کے دوسرے اصولوں کو پس پشت ڈال دیں؟ ہرگز نہیں، اسلام نے اپنے ہر اصول کو اپنی اپنی جگہ متعین کر دیا ہے، اگر مسلمان ان تمام اصولوں کو اپنے اپنے مقامات پر رکھ کر عمل کریں تو وہ نہ صرف کامیابی حاصل کریں گے بلکہ دنیاوی زندگی میں بھی وہ تمام قوموں کے ساتھ شانہ بشانہ چل سکیں گے، اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے اسلامی اصولوں سے انحراف کرنا شروع کر دیا، نتیجہ یہ نکلا کہ ہم ناکام و نامراد بھی ہوئے اور دنیاوی معاملہ میں بھی پیچھے ہوتے چلے گئے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ پاکستان بننے کے بعد ہی ہم اس مسئلہ پر توجہ دیتے اور عورتوں کے جس طرح دیگر مسائل حل کئے گئے ہیں، اس طرح ہم ان کی تعلیم کی بھی فکر کرتے اور ان کے لئے علیحدہ یونیورسٹیاں اور الگ الگ درسگاہیں قائم کرتے، تاکہ ملک کی ہر عورت اور لڑکی

کوتعلیم کے اسی طرح مواقع میسر ہوتے جس طرح مردوں اور لڑکوں کو تعلیم کے مواقع میسر ہیں، مگر افسوس صد افسوس کہ ہم نے اس مسئلہ کو کوئی مسئلہ ہی نہیں سمجھا، جس سے ایک نقصان تو یہ ہوا کہ ہماری اسی فیصد خواتین تعلیم سے محروم ہوگئیں اور جو بیس فیصد خواتین حصول تعلیم میں لگیں انہیں اپنی عزت اور عصمت کو خطرہ میں ڈالنا پڑا۔ بلکہ مخلوط تعلیم کی وجہ سے اسلامی خواتین کا جو حیاءٔ کا زیور تھا اسے بھی اتار پھینکنا پڑا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نئی نسل میں بے حیائی اور عریانی عام ہوگئی، جس کی بنا پر معاشرہ میں ایسا فساد پھیلا کہ ملک کی فضا اسلامی نظام کے نام سے ڈرنے لگی اور اسے غلامی کی زنجیر سمجھنے لگی، شکر ہے کہ صدر جنرل ضیاءالحق صاحب نے جہاں دوسرے اچھے کاموں کی طرف توجہ دی اور ملک کو اسلامی نظام کی نوید سنائی وہاں اس مسئلہ کو بھی حل فرمایا اور فی الحال سر دست دو یونیورسٹیوں کے قیام کا اعلان فرمایا ہے، خدا کرے اس اعلان پر جلد عملدر آمد ہوجائے اور یہ اعلان بھی لادین طبقے اور نوکر شاہی کی بھینٹ چڑھ کر کہیں فائلوں کی نظر نہ ہوجائے، ہم اس اعلان پر حکومت پاکستان اور وزارت تعلیم کو اور ملک کی تمام خواتین کو مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ ان کا دیرینہ مطالبہ آخر کار پورا ہوا اور ان کو بھی تعلیم کے مواقع میسر آگئے، ہمیں امید ہے کہ اب ملک کے وہ شریف آدمی جو کہ پہلے بے حیائی اور بے پردگی کے خوف سے اپنی لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم سے محروم کردیتے تھے اور ان کی خواہشات کے باوجود ان پر پابندی لگادیتے تھے اب اس خطرہ سے نکل جائیں گے اور اپنی لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دلاسکیں گے، اس اعلان کا جہاں حد سے زیادہ خیر مقدم کیا گیا ہے، وہاں چند بے دین لوگوں نے مخالفت بھی کی ہے اور فرماتے ہیں کہ خواتین کی علیحدہ یونیورسٹی کے قیام سے مسائل میں اضافہ ہوگا، ہمیں انکی اس ذہنیت پر بہت ہی افسوس ہے کہ اپنی ذاتی اغراض اور منافع کے لئے قوم کی لڑکیوں کو

بھینٹ چڑھا دیا جائے۔ قوم کی لڑکیاں قوم کی امانت ہیں ان کی عزت اور حفاظت ہمارا مذہبی، اخلاقی اور قومی فرض ہے اور ان کی ذلت، تمام قوم کی ذلت ہے اگر قوم کی خواتین اور لڑکیاں صحیح خطوط پر اپنی زندگی ڈھالیں گی تو اس کا تمام اثر ہماری آئندہ نسل پر پڑے گا کیونکہ ان ہی خواتین اور لڑکیوں نے آگے قوم کی اولاد کی تربیت کرنی ہے، اگر ان کو اسلامی تعلیمات اور اصولوں کے مطابق باپردہ تعلیم دی گئی تو ان کی اولاد کی صحیح تربیت ہوگی اور ایک مثالی معاشرہ کا قیام عمل میں آئے گا ورنہ قوم جس طرح آج تباہی کے دروازے پر کھڑی ہے، اسلامی اصولوں سے اور زیادہ انحراف کی بنا پر تباہی کے گڑھے میں ایسی گرے گی کہ پھر اس کا نام ونشان تاریخ میں مٹ جائے گا، ہم اس بے دین طبقہ سے گذارش کریں گے کہ وہ ہر سطح پر اسلام کی مخالفت ترک کردیں اور پاکستان کی سالمیت کے لئے اسلامی اصولوں کو اپنالیں۔ اسلام خواتین کے تعلیمی حق کو پردہ کی شرط کے ساتھ تسلیم کرتا ہے اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم خواتین کے اس حق کو پردہ کی شرط ساتھ تسلیم کرتے ہوئے ان کے لئے علیحدہ غیر مخلوط اداروں کی تشکیل دیں اور ان کی تعلیمی ضروریات کو پورا کریں۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۵/جنوری ۱۹۷۹ء)

خواتین ہاکی میچ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کراچی میں آج کل قومی ویمنز ہاکی چیمپین شپ شروع ہے جس میں کراچی کے علاوہ ملک بھر کی خواتین کی ٹیمیں حصہ لے رہی ہیں۔ جناب بھٹو صاحب کے دور کی جہاں بہت سی اسلام دشمن چیزیں تھیں ان میں ایک چیز خواتین کو کھیل کے میدان میں لاکر لوگوں کے سامنے تماشہ بنانا تھا۔ اسلام جائز کھیل کود سے منع نہیں کرتا، مگر اس کے لئے چند شرائط اور حدود ہیں، اگر ان شرائط اور حدود کو مدنظر رکھ کر ان کھیلوں کو اپنایا جائے تو وہ کھیل تو صحیح اور درست ہیں، مگر جب ان کھیل کود کی بناء پر اسلام کے کسی اصول کو توڑنا پڑے تو اسلام اس کھیل کود کو لہو ولعب قرار دیتا ہے۔ اور وہ خدا تعالیٰ کے عذاب کا ذریعہ قرار پاتا ہے۔ اسلام میں مرد اور عورت کے الگ الگ حدود زندگی مقرر کر دیئے گئے ہیں، اور ان کے اصولوں اور طرز عمل کی مکمل وضاحت کر دی ہے، اگر ان اصولوں کو مرد اور عورتیں اپنائیں تو اس طرز کو اسلامی طرز کہا جائے گا، اور اگر اس طرز زندگی کو مرد اور عورتیں ترک کر دیں تو وہ غیر اسلامی اور غیر فطری طرز زندگی کہلائے گا۔ اسلام نے مرد کی فطرت چونکہ سخت اور محنت برداشت کرنے والی بنائی ہے اس لئے اس کے فرائض بھی اسی طرح مقرر کر دیئے ہیں، طلب معاش، جفاکش زندگی، جنگ

اور لڑائی میں حصہ لینا وغیرہ، اور عورت کی فطرت میں چونکہ اللہ تعالیٰ نے کمزوری اور نرمی رکھی ہے، اس لئے اس کے طرز زندگی میں ان سخت کاموں کو نہیں رکھا، بلکہ اس کے لئے گھر کی ذمہ داریوں اور بچوں کی نگہداشت وغیرہ مقرر کی ہے، اور اس کی فطرت ہی اسی طرح بنادی ہے۔ کھیل اور ورزش وغیرہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ اصول مقرر کردیئے ہیں چونکہ اسلام ضیاع وقت کا بہت مخالف ہے اور وہ انسان کو ہر وقت مقصد زندگی کی یاد دلاتا ہے اور غفلت اور تماشہ سے منع کرتا ہے، اس لئے کھیل کود میں بھی اس کا معیار یہی رہا کہ ایسے کھیل اور ورزش کے طریقے اپنائے جائیں جن میں ملک یا قوم کا مفاد ملحوظ رہے۔ اسی لئے گھڑ سواری، نیزہ بازی، تلوار بازی وغیرہ کی اسلام نے بہت حوصلہ افزائی کی ہے مگر ان تمام چیزوں کو اسلام نے مردوں کے لئے پسند کیا ہے، عورتوں کو اس سے پرہیز کرنے اور دور رہنے کے لئے فرمایا ہے کیونکہ یہ تمام چیزیں عورت کی فطرت اور نسوانیت کے خلاف ہیں، اس لئے اگر ہم کو اسلامی نظام اپنانا ہے اور اس کے فوائد حاصل کرنے ہیں تو ہمیں عورت اور مرد کے جو حدود زندگی اسلام نے متعین کئے ہیں انہیں اپنانا ہوگا اور خلاف فطرت اور خلاف اسلام طرز زندگی کو ختم کرنا ہوگا، اس لئے موجودہ ہاکی میچ جو کہ قومی سطح پر خواتین کے منعقد کئے گئے ہیں، یہ اسلام کی طرز زندگی کے بالکل خلاف ہیں کیونکہ ایک تو یہ عورت کی فطرت کے خلاف ہے اور دوسرا قوم کی معزز خواتین کو سر عام میدان میں تماشہ بنانا ہے جو اس سے زیادہ قبیح فعل ہے۔ تیسرا اس میں اسلام کے سب سے اہم اصول (عورتوں کا پردہ) کی خلاف ورزی لازم آتی ہے، اس میں نہ صرف بے پردگی بلکہ عورتوں کی عریانیت کا تماشہ ہوتا ہے جس کو ہزارہا مرد دیکھتے ہیں۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ اسلام کی مقدس بیٹیاں جن کا ایک بال بھی غیر مرد کی نگاہ میں نہیں آتا تھا آج

عریاں ہوکر مردوں کے بیچ میں تماشہ کی چیز بن گئی ہیں، یہ تمام سازش عیاشی پسند مرد کی ہے۔ جس نے اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے عورت کو آزادی اور مساوات کا فریب سکھا کر کھیل کود کا سامان بنادیا، اگر آپ پاکستان بھر کی عورتوں کا سروے کریں تو آپ کو ۹۹ فیصد عورتیں ایسی ملیں گی جو کہ اس کھیل کود کو برا سمجھتی ہوں گی۔ ہم حکومت پاکستان سے اپیل کریں گے کہ اس غیراسلامی فعل اور غیر اسلامی طرز زندگی پر پابندی لگائیں اور عورتوں کو ایسے کھیل کود سے روکیں، کتنے افسوس کی بات ہے کہ ۲۸ سال تک تو کوئی حکومت ایسا قدم نہ اٹھا سکی تھی مگر بھٹو صاحب نے یہ غلط قدم اٹھایا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جنرل صاحب کی اسلامی حکومت آنے کے بعد اس غلط روش کو ختم کردیا جاتا مگر افسوس کہ اس میں اضافہ کیا گیا اور اب اس کو قومی سطح پر پھیلا کر غیرممالک تک لے جایا جارہا ہے۔ یہ طریقہ کم از کم مسلمان عورتوں کے لئے مناسب نہیں کیونکہ اس میں مسلمان عورتوں کی پوری دنیا میں بے پردگی ہوگی، ہم یہ نہیں کہتے کہ عورتوں کو قید کردیا جائے اور ان کو کھیل کود سے بالکل ہی پابند کردیا جائے۔ اس کے لئے کھیل بہت سارے ایسے ہیں جس میں ان کی تفریح اور ورزش کا بھی سامان ہوسکتا ہے اور بے پردگی اور عریانیت سے بھی ان کی حفاظت ہوسکتی ہے، مثلاً ان ڈور گیمز بہت سارے ایسے ہیں جو کہ ورزش کے اعتبار سے بھی مفید ہیں اور کمروں اور ہال کے اندر کھیلے جاتے ہیں، اس لئے ہاکی اور ایسے کھیل جو کہ کھلے میدانوں میں اور عریاں لباس میں کھیلے جاتے ہیں وہی کیوں ضروری ہیں؟ کم از کم ایسے کھیلوں پر تو ضرور پابندی لگنی چاہئے۔

اور اگر حکومت کو عورتوں کے ناراض ہونے کا خطرہ ہو اور محسوس کرتی ہو کہ اس پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی تو کم از کم یہ تو کرسکتی ہے کہ اس کھیل کو پردہ کی حدود

میں محدود کردیا جائے اور ان میدانوں میں جہاں لڑکیوں کے کھیل ہو رہے ہوں وہاں مردوں کے داخلہ پر پابندی لگائی جائے۔ اخبارات اور ٹی وی میں ان کی تصاویر نہ دی جائیں ان کے ایمپائر اور دیگر ماہرین میں بھی عورتوں کا تقرر کیا جائے، اگر اتنا بھی ہوگیا تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ انشاءاللہ اگر یہ کھیل ختم نہ ہوئے تو کم از کم محدود ضرور ہوجائیں گے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۵/جنوری ۱۹۷۹ء)

خواتین کے کھیل

چند اصلاح طلب امور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے پچھلے دنوں ایک تقریر کے دوران فرمایا کہ آئندہ خواتین کے کھیلوں میں مرد حضرات کے داخلہ پر پابندی ہوگی اور خواتین کھیل کے دوران ایسا لباس نہیں پہن سکیں گی جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہو، بلکہ ان کا لباس اسلامی احکامات کے مطابق شلوار قمیض ہی ہوگا۔

ہم ان ہی صفحات کے ذریعہ خواتین ہاکی میچ کے شروع ہوتے ہی یہ مطالبہ کر چکے ہیں کہ ہم خواتین کے کھیلوں کے مخالف نہیں بلکہ ہم کھیلوں کو کھیل کے حدود ہی میں دیکھنا چاہتے ہیں جن کی بنا پر نہ تو خواتین کی حق تلفی ہو اور نہ ہی ان کھیلوں کے ذریعے معاشرے میں فساد پھیلنے کا اندیشہ ہو، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ صدر محترم نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور آخر کار ان کھیلوں میں مردوں کے داخلہ پر پابندی عائد کر دی اور خواتین کے لباس کو بھی اسلامی لباس سے منسلک کر دیا۔

صدر محترم کا یہ اقدام نہایت مستحسن ہے اور ہمیں امید ہے کہ اس اقدام سے معاشرے پر یقیناً اچھا اثر پڑے گا اور یہ اقدام معاشرہ میں پھیلنے والے فساد کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوگا مگر یہ اقدام اپنی جگہ مستحسن ہونے کے باوجود اب بھی تشنہ ہے اور اس میں اضافہ کی ضرورت ہے اور وہ اضافہ ایسا ہے جس سے خواتین کی حق تلفی بھی نہیں ہوگی اور معاشرہ کو صحیح راہ پر لگانے میں بھی مدد ملے گی۔

ہم اس سے قبل بھی لکھ چکے ہیں کہ نہ تو ہم خواتین کے کھیلوں کے مخالف

ہیں اور نہ ہی ہم خواتین کی ترقی کے مخالف، مگر ترقی اور حق رسی اسی وقت اچھی ثابت ہوتی ہے جس سے گھر کا چمن نہ اجڑے، اگر گھر کے چمن کو ترقی کی وجہ سے آگ لگتی ہے تو ایسی ترقی کو نام نہاد ترقی ہی کہا جاسکتا ہے، اہل دانش اس کو تباہی کہیں گے ترقی نہیں کہیں گے، اس لئے ہماری صدر محترم سے درخواست ہے کہ جہاں انہوں نے یہ اقدام کیا ہے وہاں اس میں تھوڑا سا یہ اضافہ بھی کر دیں کہ خواتین کھیلوں میں حصہ لینے والی خواتین کی فوٹو نہ تو ٹی وی پر آئیں اور نہ ہی وہ اخبارات کی زینت بنائے جائیں اور نہ ہی ان کھیلوں کو ٹیلی ویژن کے ذریعہ براہ راست دکھایا جائے اگر یہ اقدامات بھی کر لئے جائیں تو سابقہ اقدامات کا اچھا اثر ہوگا ورنہ یہ غیر موثر ہو کر رہ جائیں گے کیونکہ جو مرد خواتین کے کھیلوں کو براہ راست کھیل کے میدانوں میں جا کر نہیں دیکھ سکیں گے وہ اپنے جذبات کی تسکین کے لئے اور معاشرے میں فساد پھیلانے کے لئے ٹیلی ویژن کا سہارا لیں گے جس کی بنا پر معاشرے میں فساد پھیلنے کا جو اندیشہ تھا وہ ختم نہیں ہو سکے گا، پھر ایک اور گزارش اس سلسلے میں یہ بھی ہے کہ چونکہ غیر ممالک میں ان اقدامات کو روبہ عمل نہ لایا جائے گا اس لئے پاکستانی خواتین کو باہر ممالک میں کھیلنے کے لئے نہ بھیجا جائے کہ اس طرح ممالک غیر میں ان کی بے حرمتی نہ ہو سکے۔

عورت کو اسلام نے بہت محترم ہستی بنایا ہے اور اسلام کسی صورت میں اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ عورت کو اشتہار اور شہرت کا ذریعہ بنایا جائے، اسلامی اصولوں کے مطابق عورت ایک باوقار اور محترم ہستی ہے اس لئے اس کی بے حرمتی کسی غیرت مند مسلمان کے لئے قابل برداشت نہیں، دوسرے ان خواتین کھیلوں کے سلسلے میں ایک افسوسناک خبر یہ بھی ہے کہ سندھ ہائی کورٹ کے شریعت بنچ نے اس مسئلہ میں یہ کہہ کر اپنی معذوری ظاہر کر دی کہ یہ مسئلہ اس کے دائرہ کار میں داخل نہیں اس لئے وہ

اس مسئلے پر کسی قسم کا فیصلہ دینے کا مجاز نہیں، ہم نے پہلے بھی اس سلسلے میں لکھا تھا کہ شریعت بنچ جب تشکیل دیا جائے تو اسے مکمل اختیارات اور آزادی دی جائے تا کہ وہ غیر اسلامی یا غیر فطری مسائل پر اپنی رائے کھل کر ظاہر کرسکیں اور ہمارے معاشرے میں کوئی مسئلہ بھی غیر اسلامی نہ رہ سکے، مگر اب تک اس سلسلے میں کوئی کاروائی نہیں کی گئی، ہم صدر مملکت سے دوبارہ گزارش کریں گے کہ وہ شریعت بنچوں کے دائرہ کار اور اختیارات میں اضافہ کریں تا کہ شریعت بنچوں کا قیام معاشرے میں اچھے اثرات مرتب کرسکے۔

صدر محترم نے جہاں خواتین کے کھیلوں میں مردوں کے داخلہ پر پابندی عائد کی ہے وہیں ہم ان سے ایک اور گزارش کرنے کی بھی جسارت کریں گے کہ مردوں کے کھیلوں میں اور مردوں کی تقریبات میں بھی خواتین کے داخلے پر پابندی عائد کی جائے تا کہ مردوں کو شکایت نہ ہو کہ ہمارے ساتھ ناانصافی ہورہی ہے، اس فیصلے سے بھی معاشرہ کے اصلاح کی طرف مزید پیش رفت ہوگی کیونکہ بات تو ایک ہی ہے، چاہے عورتیں مردوں کے میچ دیکھیں یا مرد عورتوں کے میچ دیکھیں، پردہ صرف عورت ہی کے لئے نہیں ہے یہ تو مرد اور عورت دونوں کے لئے ہے، جس طرح مرد کا عورت کو دیکھنا صحیح نہیں اسی طرح عورت کا بھی مرد کو دیکھنا صحیح نہیں، ہمیں امید ہے کہ جناب صدر اور ارباب حکومت ہماری ان گزارشات پر غور کریں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۵/اپریل ۱۹۸۰ء)

آزادیٔ زبان وقلم کی حدود

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بحری جہاز پر سفر کرنے والوں کو اپنے کیبن سے نکلنے، جہاز پر چلنے پھرنے، اور اس قسم کے دوسرے تصرفات کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ اس پر اگر پابندی لگائی جائے تو بلاشبہ اسے زیادتی کہا جائیگا۔لیکن ان کو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ جہاز میں سوراخ کرنے لگیں، آزادی کے نشہ میں اسکی مشین کو نقصان پہنچائیں۔ جس عمارت میں آپ رہتے ہیں اس سے ہر قسم کے انتفاع کا آپ کو یقیناً حق حاصل ہے، مگر مالک مکان اور متولی آپ کو اتنی آزادی تو نہیں دے سکتا کہ آپ اس کی بنیاد پر ہتھوڑا چلائیں، اسی طرح کسی نظریاتی مملکت میں کسی شہری کو اس کی آزادی نہیں دی جاسکتی کہ وہ اس نظریہ پر ہی تیشہ چلائے جو اس مملکت کی بنیاد ہے، اسے یہ اجازت نہیں کہ مملکت کی نظریاتی بنیادوں کو منہدم کر کے اس مملکت ہی کو ختم کرنے کی سازش کرے۔

مملکت پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے، جو اسلام کے نام پر وجود میں آئی ہے اور اسلامی نظام کا قیام ہی اس کا وہ سنگ بنیاد ہے جس پر یہ عمارت قائم ہے۔ اس لئے پاکستان کے کسی شہری کو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ اسلام کو استہزا اور تمسخر کا نشانہ بنائے یا اسلامی نظام کی مخالفت کر کے اس کی بنیاد کو منہدم کرنے کی کوشش کرے۔

حکومت نے جوش صاحب کے خلاف جو کاروائی کی ہے اسے اگر آپ اس روشنی میں دیکھیں تو وہ بالکل بجا اور درست ہے۔ جوش صاحب نے شعائر اسلام کا مضحکہ اڑا کر نہ صرف بزرگان دین بلکہ حق تعالیٰ شانہ کی کھلی گستاخیاں کر کے عامۃ المسلمین کے دلوں کو بار بار مجروح کیا ہے۔ اس کی اصل سزا تو انہیں آخرت ہی میں ملے گی، حکومت نے جو طریقہ ان کے ساتھ روا رکھا ہے اسے ان کے جرم کی سزا تو نہیں کہا جاسکتا، تاہم وہ بالکل درست ہے۔ درحقیقت اس بارے میں حکومت نے نرمی برتی تو اس کی مسلمانوں کو شکایت ہونی چاہیئے، اور ہے۔ کیونکہ جوش صاحب کی قماش کے دوسرے افراد اس سے شدید تر اور عبرتناک سزا کے مستحق ہیں۔ چند افراد جو جوش صاحب کی حمایت کررہے ہیں، ان کی روش غلط ضرور ہے مگر تعجب خیز نہیں۔ اسلئے کہ وہ خود بھی جوش صاحب اور ان کے شریکِ جرم ہیں۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۲ رجنوری ۱۹۷۹ء)

عالمِ اسلام کے خلاف سازشیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کچھ عرصہ سے دنیا دو بلاکوں کے زیر تسلط ہے ایک طرف کمیونسٹ بلاک، جس کی قیادت روس کر رہا ہے، اور دوسری طرف مغربی بلاک، جس کی قیادت پہلے برطانیہ کے ہاتھ میں تھی، برطانوی زوال کے بعد امریکہ اس کا چوہدری ہے۔

ان دونوں عالمی قوتوں کا ہر چیز میں نظریاتی اختلاف ہے، لیکن اسلام سے عداوت و بغض اور عالم اسلام کو انتشار و خلفشار کی آگ میں جھونکنا دونوں کا متفقہ مشن ہے۔ ادھر عالم اسلام خواب غفلت سے بیدار ہو کر انگڑائی لینے اور ایک نئی عالمی قوت کی شکل میں ابھرنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن اعدائے اسلام نے اسلامی ممالک کو بے شمار سازشی منصوبوں میں ایسا جکڑ رکھا ہے کہ ان کی تمام قوتیں آپس میں ٹکرا ٹکرا کر مفلوج ہوتی جا رہی ہیں، مسلمان برسوں تک تو ان خوفناک منصوبوں کو سمجھ ہی نہیں پاتے، اور جب انہیں ان منصوبوں کا علم ہوتا ہے تو ان کی قوت مفلوج ہو چکی ہوتی ہے اور اگر ہمت کر کے کسی جال کو توڑنے میں کامیاب بھی ہو جائیں تو ایک نیا جال ان کے لئے پہلے سے تیار ہوتا ہے۔

اقتصادی میدان کو لیجئے، آج مغرب کی مشینیں عالم عرب کے شیوخ کے

سرمائے سے چل رہی ہیں، اگر یہ سارا روپیہ مغرب کے بینکوں سے نکال لیا جائے تو مغربی صنعت کا پہیہ جام ہوکر رہ جائے۔ لیکن کیا مسلمانوں کو اس کا کبھی خیال بھی آسکتا ہے کہ ان کا روپیہ انہیں کے خلاف اسلحہ پر خرچ ہو رہا ہے؟ نہیں! بلکہ اس کے برعکس ہو یہ رہا ہے کہ اسلامی ممالک کے بڑے بڑے ''صاحب بہادر'' اپنی ذاتی جائیدادیں بھی مغرب میں دھڑا دھڑ خرید رہے ہیں۔ (شاہ ایران کی دو کھرب دولت اس کی ایک مثال ہے) گویا مسلمانوں کی دولت سے مغرب میں اسلحہ تیار ہوتا ہے جو مسلمانوں ہی کو موت کے گھاٹ اتارنے میں صرف ہوتا ہے، مگر مسلمانوں کو ہوش ہی نہیں کہ ہمیں کس طرح خود ہمارے ہاتھوں ذبح کیا جارہا ہے۔

مغرب کی فیکٹریوں اور کارخانوں سے کھربوں روپے کا سامان تعیش بن بن کر اسلامی ممالک میں آتا ہے، لیکن مسلمانوں کو اس کی خبر ہی نہیں کہ یہ بھی عالم اسلام کے خلاف یہود و نصاریٰ کی ایک سازش ہے۔ آج ہمارے گھر مغرب کے سامان تعیش سے سجے ہوئے ہیں، لیکن ہمیں خیال نہیں آتا کہ ہم یہ سامان درآمد کرکے عالم اسلام کے خلاف دشمن کو رسد پہنچا رہے ہیں۔

سیاسی حیثیت کو دیکھئے، اگر اسلامی ممالک برادرانہ اخوت کے ساتھ ایک سیاسی وحدت میں ڈھل جائیں تو وہ آج بھی دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہیں، لیکن استاذ مغرب ان کے اتحاد کو کیسے برداشت کرسکتا ہے، اس نے نہ صرف بین الاقوامی سیاست میں بلکہ خود اسلامی ممالک کے باشندوں کے درمیان بغض و نفرت کے ایسے کانٹے بو رکھے ہیں کہ وہ آپس میں ہمیشہ کٹتے مرتے رہیں، اور شکایتوں کا پشتارہ لے کر ہر ملک نیویارک (اقوام متحدہ) کا طواف کرتا رہے۔ مشرق وسطیٰ، پاکستان، ایران اور افغانستان کے بحران کس سیاست کی کرشمہ کاریاں ہیں؟

نظریاتی میدان کو لیجئے ایک طرف مستشرقین کے ذریعہ نئی نسل کو اسلام سے برگشتہ کرنے اور انہیں الحاد و بے راہ روی کی راہ پر ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج یورپ کے سائنسدانوں کی طرف سے کوئی نظریہ پیش کیا جائے تو کسی مسلمان کو اس کی صداقت میں شبہ نہیں ہوتا لیکن سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا کوئی ارشاد سامنے آئے تو اس کے لئے دلیل و برہان کا مطالبہ خود مسلمانوں کی طرف سے کیا جاتا ہے۔

دوسری طرف خود مسلمانوں کے اندر ہی بے شمار جماعتیں کھڑی کی گئیں، جنھوں نے اسلام کے اصل سر چشموں پر ضرب لگانے کے ساتھ ساتھ ''اسلامی خدمت'' کے بھیس میں مسلمانوں کی جاسوسی کی، قادیانیت اسکی نمایاں ترین مثال ہے، لیکن مدت تک اسلامی ممالک اس سازش کو سمجھ ہی نہ سکے، اور سمجھنے کے بعد بھی اس کا مؤثر توڑ کرنے کی ضرورت انھوں نے محسوس نہیں کی ۔

تیسری طرف عیسائی مشنریوں کا جال پھیلایا گیا، ان پر مغرب کی دولت کے دہانے کھول دئے گئے، اور انھوں نے ہر ترغیب و تحریص سے کام لے کر مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کیا، لیکن کیا آج تک کسی اسلامی ملک نے سرکاری طور پر ان کے مؤثر دفاع میں کوئی دلچسپی لی؟

ان ساری سازشوں اور منصوبوں پر بھی مغرب کو قناعت نہیں، وہ مسلمانوں کو اس سے بڑھ کر خوفناک سازشوں میں الجھانے اور ان کی رہی سہی قوت کو کچلنے کے لئے بے تاب نظر آتا ہے۔ یہ خبر قارئین کرام کی نظر سے گذری ہوگی کہ امریکی صدر کارٹر نے عالم اسلام کی اسلامی تحریکوں کا ازسرنو مطالعہ کرنے کا حکم دیا ہے، اسی کے ساتھ عیسائی مشنریوں کو ازسرنو منظم کرنے کا حسب ذیل منصوبہ بھی ملاحظہ فرمایئے:

''کراچی ۲رجنوری (رپورٹ عارف الحق عارف)

امریکہ میں نئے سال کے آغاز سے بین الاقوامی سطح پر مختلف ممالک میں غیر عیسائی عوام کو عیسائی بنانے کی ایک پانچ سالہ مہم شروع کرنے کا پروگرام بنایا ہے، جس کو ایک ارب ڈالر کی مہم کا نام دیا گیا ہے، اس مہم کا منصوبہ ''یہاں زندگی ہے'' کے نام سے امریکہ میں حال ہی میں قائم شدہ ایک تنظیم نے بنایا ہے اس کے بین الاقوامی چیئر مین مسٹر ویلیس ای جانسن ہیں، انہوں نے یہ منصوبہ جینوا سے ورلڈ کونسل آف چرچز کے نمائندوں کے سامنے پیش کیا ہے، جو عیسائی مشینری کی اب تک کی تاریخ میں ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک مینیکل پریس سروس کے مطابق اس مہم کے ذریعے عیسائی مذہب کا پیغام اور عیسائی چرچز کی سرگرمیوں کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچانا ہے، اس پروگرام پر کامیابی کے ساتھ عملدر آمد کے لئے تربیت یافتہ پادریوں کو جدید ترین تکنیک کے ساتھ کام کرنے کو کہا جائے گا، یہ پادری اور ہر ملک کے قومی چرچ، دیگر عیسائی تنظیموں کے تعاون سے اس پروگرام کو عملی جامہ پہنائیں گے، یہ حکمت عملی اس قسم کی ایک پہلے سے موجودہ عالمی عیسائی تنظیم ''کیمپس کروسیڈ فار کرائسٹ انٹرنیشنل'' کے طریقہ کار سے مماثلت رکھتی ہے۔ جس کی شاخیں دنیا کے ایک سو ممالک میں ہیں اور جس کے مستقل عملے کی تعداد ٦ ہزار سے زیادہ ہے۔ ایک ارب ڈالر کی اس تازہ مہم کو شروع

کرنے کے لئے ایک کروڑ ڈالر (١٠کروڑ پاکستانی روپیہ) کی ضرورت ہوگی۔ جس کا ایک تہائی امریکہ کے صنعت کاروں، مذہبی تنظیموں اور نجی طور پر عیسائی مخیّر افراد کی جانب سے جمع کیا جاچکا ہے۔" (روزنامہ جنگ کراچی ٣/جنوری ١٩٧٩ء)

ہمیں اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر یقین ہے کہ اعدائے اسلام کی تمام سازشیں بالآخر ناکام ہوں گی، لیکن ہم اسلامی ممالک کے سربراہوں اور موثر شخصیتوں سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا اس نئی سازش کا توڑ کرنے کے سلسلہ میں ان پر بھی کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ٢٦/جنوری ١٩٧٩ء)

ناچ گانے اور نفاذ اسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کا چرچہ ہے، خوشخبریاں سنائی جارہی ہیں کہ پاکستان میں ۱۲ ربیع الاول کو اسلامی نظام کا آفتاب طلوع ہوگا، لیکن بصد ندامت عرض کرنا پڑتا ہے کہ ارباب حل وعقد، معاشرے کے قافلے کو جس سمت لے جارہے ہیں، وہ ان کے بلند بانگ دعوؤں پر اعتماد کو متزلزل کردیتا ہے۔ نظام کے نفاذ کے لئے اولین شرط یہ ہے کہ آپ معاشرے کو اسلامی آداب وتہذیب کے لئے ذہنی طور پر تیار کریں، لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہاں ''گنگا'' الٹی بہہ رہی ہے، عریانی وفحاشی کے انسداد کے لئے نہ صرف یہ کہ اب تک کوئی تدبیر نہیں کی گئی، بلکہ صنف نازک کی اُچھل کود اور لڑکیوں کو نچانے کی باقاعدہ سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔ اخباری اطلاع کے مطابق گزشتہ دنوں روس سے ایک ثقافتی طائفہ درآمد کیا گیا، جس کے کئی ''فنی مظاہروں'' اور نیم برہنہ رقص سے اہل ہوس محظوظ ہوئے۔ ریڈیو، ٹیلیویژن، سینماؤں اور کلبوں میں جو کچھ ہورہا ہے اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ اگر واقعی اس ملک میں اسلام کا آفتاب طلوع ہونے والا ہے، تو ہم یہ سمجھنے سے معذور ہیں کہ یہ کیا ہورہا ہے؟ کیا یہ ثقافتی طائفے، یہ رقص وسرود کے مناظر، یہ عریانی وفحاشی کے نظارے، یہ لڑکیوں کو اُچھلنے، تھرکنے کی تربیت سب کچھ اسلام کے نفاذ کی تیاریاں ہیں؟

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۶ رجنوری ۱۹۷۹ء)

اسکول کی طالبات کی تصویر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ کراچی نے دسویں کلاس کی طالبات کو پاسپورٹ سائز کے دو عدد فوٹو جمع کرانے کا حکم جاری کیا ہے۔ زیر تعلیم لڑکیوں کا ایک ایک فوٹو بورڈ کے دفتر میں محفوظ رہے گا، اور ایک فوٹو سرٹیفکیٹ پر چسپاں کر کے طالبہ کو واپس کردیا جائیگا۔

یہ حکم غیور اور شریف والدین کے لئے بے حد ذہنی اذیت اور پریشانی کا باعث ہے اور اس سے جو قباحتیں جنم لیں گی ان کا تصور بھی روح فرسا ہے۔ افسوس ہے کہ حکومت کے بعض افسران مختلف حیلوں بہانوں سے عریانی و فحاشی کی ترویج کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ ہم اس حکم کو صنف نازک کی تذلیل کا ایک نیا بہانہ قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف سخت احتجاج کرتے ہیں، دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حکم فی الفور واپس لیا جائے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲رفروری ۱۹۷۹ء)

عورتوں کا عالمی دن ... اسلامی حقوق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گزشتہ دنوں خواتین کا عالمی دن منایا گیا، اور سربراہان مملکت اور دیگر چیدہ افراد نے اس موقع پر پیغامات بھیجے۔

موجودہ دور میں خاص طبقوں کے ''دن'' اور ''سال'' منانے کی ایک رسم سی بن گئی ہے، مثلاً مزدوروں کا عالمی دن، بچوں کا عالمی دن، خواتین کا عالمی دن یہ تو ظاہر ہے کہ کسی طبقہ کا دن منانے سے مقصود اس کے تحفظ کی آواز اٹھانا اور اسے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے ابھارنا ہوسکتا ہے، لیکن المیہ یہ ہے کہ جدید دور میں جہاں ''دن'' منانے کا اہتمام بڑے تزک و احتشام سے کیا جاتا ہے اور اس کے لئے بڑی مجالس منعقد کی جاتی ہیں، جلسے ہوتے ہیں، جلوس نکلتے ہیں اور ریڈیو پر ان کی تشہیر کی جاتی ہے، وہاں عملی طور پر حقوق کو پامال کرنا بھی دور جدید کی خاص روایت ہے، مزدوروں کے حقوق کے لئے گلا پھاڑ پھاڑ کر آواز بلند کی جاتی ہے، مگر مزدوروں کے حقوق جس قدر پامال کئے جاتے ہیں شاید قبل از تاریخ کے دور میں بھی نہیں کئے جاتے ہوں گے، بچوں کا ''دن'' منایا جاتا ہے، لیکن بچوں کی اخلاقی، جسمانی اور روحانی تعلیم و تربیت اور نگہداشت سے اس زمانے میں جو پہلو تہی اختیار کی جاتی ہے وہ شاید پہلے کبھی نہیں کی گئی۔

عورتوں کے سال اور دن منائے جاتے ہیں اور ان کے حقوق کے لئے آواز بلند کی جاتی ہے لیکن عملی طور پر اس جدید دور میں عورت کی جس قدر تذلیل کی گئی پہلے

زمانوں میں اس کا تصور بھی نہیں تھا، اس صورتِ حال پر نظر کرتے ہوئے شاید یہ کہنا صحیح ہے کہ دور جدید کا انسان ـــــ خواہ وہ مرد ہو یا عورت ـــــ یہ فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ عورتوں کے حقوق دراصل کیا ہیں؟ عورت کی فطرت اور اس کی نفسیات کے کیا تقاضے ہیں؟ دور جدید ''مرد و زن کی مساوات'' کا نعرہ لگاتا ہے، مگر اس ''مساوات'' کا مفہوم اور اس کے حدود کے تعین سے قاصر ہے، وہ عورت کی طرف سے آواز ضرور اٹھاتا ہے، مگر وہ فطرت و وجدان کی آواز پر کان دھرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، یہی وجہ ہے کہ آج کے دور میں طبقۂ خواتین بے چین و مضطرب نظر آتا ہے۔

عورتوں کی حقوق سے محرومی، ان کی ذات، ان کے حقوق کی پامالی اور ان کے لئے بے چینی آج ہمارے سامنے ہے کچھ یہی نقشہ قبل از اسلام بھی تھا۔ اسلام نے ان کی فطرت کی آواز کو سنا، اسنے اس کا صحیح مقام دلایا اور حقوق کا تحفظ کیا، مردوں اور عورتوں کی الگ الگ ذمہ داریاں اور دونوں کے دائرہ کار کا ٹھیک ٹھیک تعین کیا، اس نے بتایا ذمہ داریاں عورتوں پر ڈالنا غیر فطری ہے، اس طرح صحیح انسانی نظام رائج کیا جس میں کوئی فرد کسی فرد کے اور کوئی طبقہ کسی طبقہ کے حقوق غصب نہ کرسکے۔

مغرب نے کوشش کی ہے کہ کھانے کمانے کا بوجھ عورت پر ڈال کر وہ خود آزاد ہو جائے، لیکن اسلام نے اس کا راستہ بھی بند کردیا، اور عورت کے معاشی بوجھ کی ذمہ داری مرد پر ڈالی، اور عورتوں کو اپنے گھر اور اپنے بال بچوں کی دیکھ بھال کے لئے فارغ کرایا۔

مغرب نے کوشش کی کہ عورت گھر سے نکل کر زینت خانہ کے بجائے شمع محفل بنے اور اس کی دزدیدہ نظروں کی تسکین کا سامان فراہم کرے، لیکن اسلام نے

عورت کی اس تذلیل کو برداشت نہیں کیا بلکہ اسے سختی سے ہدایت فرمائی:

"وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰی۔"

ترجمہ:...... "اور ٹک کر بیٹھو اور اس طرح بن سنور کر مت نکلو جس طرح پہلی جاہلیت میں نکلا کرتی تھیں۔"

جاہلیت جدیدہ نے پہلی جاہلیت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بھولی بھالی عورت کو بہکایا، اور اس پر وہی ظلم وستم روا رکھا جو "پہلی جاہلیت" میں روا رکھا جاتا تھا، یہ عورت کی انتہائی تذلیل و اہانت ہے، جسے دور جدید نے رواج دیا، اور جس کا راستہ اسلام نے بند کردیا تھا، آیئے یہ دیکھیں کہ عورت اس دور میں مطمئن تھی جب چاند بھی اسے دیکھنے سے شرماتا تھا یا اب مطمئن ہے جب کہ وہ بازاروں میں، دفتروں میں، کھیل کے میدانوں میں دوڑتی نظر آتی ہے، اور ہر بوالہوس کی نظر کا شکار ہے؟ ہم ان کے حقوق کے لئے لڑنے والوں اور ان کا خاص دن منانے والوں سے عرض کریں گے کہ وہ عورت کی فطرت وضمیر کی آواز سننے کی کوشش کریں، جو صرف اسلام کے مرکز اطلاعات ـــــ قرآن کریم اور وحی ربانی ـــــ سے سنی جاسکتی ہے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۶/مارچ ۱۹۷۹ء)

اسلامی فوج میں شرمناک قانون

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک مراسلہ نگار نے لکھا ہے کہ پاک فوج میں داخلے کے لئے جو معائنہ کیا جاتا ہے وہ پوشیدہ اعضاء کو برہنہ کر کے کیا جاتا ہے، جن حضرات کی اسلامی تعلیمات پر کچھ بھی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ اسلام برہنگی کو کس قدر شرمناک قرار دیتا ہے اور اس کے خلاف کس قدر احتجاج کرتا ہے، حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ: "اللہ تعالیٰ کی لعنت دیکھنے والے پر بھی اور دکھانے والے پر۔"

ہمارے یہاں اب تک ہر شعبے اور محکمے میں تقریباً وہی دستور چلا آتا تھا جسے انگریز نے دین و فطرت انسانی سے آنکھیں بند کر کے وضع کیا تھا ـــــ اب ملک پاکستان میں اسلام کا احیاء ہو رہا ہے، ہم صدر مملکت سے یہ درخواست کرنے میں حق بجانب ہیں کہ اس ناروا طریقہ کو بدلا جائے، آج ایسے آلات ایجاد ہو چکے ہیں کہ جن کی مدد سے خفیہ امراض کا پتہ بآسانی چلایا جا سکتا ہے، لہٰذا طبی معائنہ کے لئے برہنگی کی یہ بری رسم باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۶ر مارچ ۱۹۷۹ء)

قائدینِ قوم

جہیز کی لعنت کو ختم کر سکتے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اخباری اطلاعات کے مطابق حکومت جہیز اور شادی کے تحائف پر پابندی کا قانون از سرنو مرتب کر رہی ہے، کیونکہ موجودہ قانون کے بارے میں عوام کو مشکلات کا سامنا ہے، یہ معلوم نہیں کہ جہیز پر پابندی کا قانون کس پالیسی کو سامنے رکھ کر وضع کیا جائے گا؟ اور اس میں عوام کی مشکلات پر قابو پانے کی صلاحیت کس حد تک ہوگی؟

جہاں تک اسلام کی دعوت اور اس کے مزاج کا تعلق ہے وہ زندگی کے دیگر معاملات کے ساتھ ساتھ شادی بیاہ میں بھی وقار اور سادگی کی دعوت دیتا ہے، اور ان عجمی تکلفات اور نمود و نمائش کے ان سارے راستوں کو بند کرنا چاہتا ہے جو فخر و دکھاوا اور مال و دولت کی بدمستی کی پیداوار ہیں، اسلام ایک طرف بدکاری اور جنسی بے راہ روی کے ایک ایک سوراخ کو بند کرتا ہے اور دوسری طرف نکاح و ازدواج کو اتنا آسان اور سہل بنا دینا چاہتا ہے کہ ایک غریب سے غریب آدمی بھی بڑی آسانی کے ساتھ اپنی بچی کا ڈولا گھر سے اٹھا سکے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس کے اخراجات سب سے کم ہوں۔'' آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ: ''تین چیزوں میں کبھی تاخیر نہ کرو، جب نماز کا وقت آجائے، جب جنازہ آجائے، اور جب کوئی موزوں رشتہ مل جائے۔''

پھر آنحضرت ﷺ نے خود عملی نمونہ بھی امت کے سامنے پیش فرمایا،

خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کا عقد ہوتا ہے، تاریخ و سیرت کی کتابوں میں ان چیزوں کی فہرست پر نظر ڈالو جو آنحضرت ﷺ نے ان کو جہیز کے طور پر دیں تو معلوم ہوگا کہ غریب سے غریب آدمی بھی اپنی بچی کو اس سے زیادہ دے سکتا ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادیوں کے عقد کیے، اور خود آپ کا عقد امہات المؤمنین سے ہوا، پھر صحابہ کرامؓ کے عقد ہوئے، ایک نظر اس معاشرے پر ڈالنے سے ایسا لگتا ہے کہ جہیز کا کوئی بکھیڑا ہی سرے سے نہیں تھا، بلکہ جب بھی ضرورت پیش آتی اور موزوں رشتہ مل جاتا کسی سج دھج کے بغیر عقد مسنون کر دیا جاتا، یہ ہے اسلام کی دعوت اور اس کا وہ مزاج جو مسلمانوں کے لئے لائق تقلید ہے، اس کے برعکس ہمارے معاشرے نے بدکاری کی آسانی کے لئے تو وہ سارے راستے چوپٹ کھول دیئے ہیں جن کو اسلام نے بند کیا تھا، اور نکاح اور عقد مسنون کے گرد وہ ساری بندھنیں ڈال دی ہیں جنہیں اسلام نے کاٹ پھینکا تھا۔

گزشتہ حکومتیں بھی ممانعت جہیز کے قانون بناتی توڑتی رہی ہیں اور موجودہ حکومت بھی اس پر نئے سرے سے غور کر رہی ہے، مگر ہمارے خیال میں یہ چیز قانون سے زیادہ سماج اور معاشرے کے دائرے کی چیز ہے، اور اس کے لئے معاشرہ میں ذہنی تبدیلی لانے کی ضرورت ہے، جس کی ذمہ داری قانون سے زیادہ معاشرہ کے سربرآوردہ افراد پر عائد ہوتی ہے (جن کو مروجہ اصطلاح میں اونچی سوسائٹی کے لوگ کہا جاتا ہے) سرکاری افسران، قائدین قوم اور دیگر چیدہ افراد، جو کسی حیثیت سے معاشرہ میں اپنا مؤثر مقام رکھتے ہوں، سب عہد کرلیں کہ وہ کسی تکلف اور نمود و نمائش کے بغیر مختصر سے نوٹس پر چند احباب کو بلا کر عقد مسنون کیا کریں گے، اور بری، جہیز، برات وغیرہ کی نمائشوں کو یک لخت ترک کر دیں گے تو ان شاءاللہ کچھ ہی عرصہ کے بعد پسماندہ

طبقہ کی یہ شکایت دور ہو جائے گی کہ وہ اپنی بچیوں کا عقد اس لئے نہیں کر سکتے کہ وہ جہیز دینے سے قاصر ہیں، لوگ شادی بیاہ کے موقعوں پر ایسے نمائشی مظاہروں کو اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے بڑے لوگوں نے ان کے سامنے غلط نمونہ پیش کیا ہے، اور وہ اسی کو فخر و مباہات کی چیز سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ نمونہ بجائے خود غلط ہے اور یہ بڑائی نہیں بلکہ برائی ہے، اس برائی کو معاشرے سے اکھاڑ پھینکنا حکومت کے علاوہ قوم کے قائدین کا فرض ہے، ایک گاؤں کا نمبردار، ایک محلے کا چودھری، ایک علاقے کا افسر اگر سادگی اور وقار کے ساتھ مسنون طریقہ پر شادی کرے اور کسی قسم کے تکلفات اور نمائش کو ملحوظ نہ رکھے تو یقیناً دوسرے لوگ بھی اس کی تقلید کریں گے اور قوم کو ایک شدید ترین مصیبت سے نجات مل جائے گی۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۳/مارچ ۱۹۷۹ء)

عریانی و فحاشی

اجتماعی خودکشی کے مترادف ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اہل نظر محسوس کرتے ہوں گے کہ ہمارے معاشرے میں عریانی و فحاشی اور جنسی بے راہ روی کی رفتار میں اضافہ ہو رہا ہے ——— حکومت اور عوام کی طرف سے اس کے انسداد کی کوئی مؤثر تدبیر نہیں کی جا رہی، بلکہ شاید یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔

عریانی و فحاشی کا سیلاب مغرب سے آیا ہے، اور مغرب اس کا خمیازہ بھگت چکا ہے، وہاں سماجی بندھن ٹوٹ چکے ہیں، ازدواجی نظام تلپٹ ہو چکا ہے، شرم و حیا، عفت و عصمت اور طہارت و پاکدامنی کے الفاظ بے معنیٰ سے ہو کر رہ گئے ہیں، کنواری ماؤں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، بن باپ کے بچوں کی پیدائش روز افزوں ہے، اور ان کی پرورش ایک مسئلہ بن گیا ہے، بن بیاہے جوڑوں کا اختلاط کوئی سماجی عیب نہیں رہا اور شادی شدہ جوڑوں میں سے کوئی شاذ ہی خوش قسمت ایسا ہوگا جس کا ازدواجی رشتہ خوشگوار اور کامیاب ہو ——— اس نظام کے درہم ہونے سے وہاں کا انسان سکون و اطمینان کی دولت کھو بیٹھا ہے اور نفسیاتی امراض عام ہو رہے ہیں۔

افسوس ہے کہ مشرق نے مغرب کی اس تباہی سے عبرت نہیں پکڑی، بلکہ جس زہر کو کھا کر مغرب نے خودکشی کی تھی ایک عرصہ سے مشرق بھی اس کا تجربہ کر رہا ہے، ہمارا دین و مذہب، ہماری اخلاقی اقدار و روایات اور ہمارا سماجی و تہذیبی ماحول

اب تک اس زہر کے مقابلے میں تریاق مہیا کرتا رہا ہے، اس لئے عریانی و فحاشی کا جو سیلاب مغرب کے پورے معاشرے کو بہا لے گیا تھا خدا کا شکر ہے کہ ہماری حالت وہ نہیں ہوئی، لیکن سیلاب کا دباؤ مسلسل بڑھ رہا ہے اس کو دیکھتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ خدانخواستہ ہمارا معاشرہ بھی اسی عذاب الیم کی لپیٹ میں نہ آجائے۔

سینماؤں میں جو عریاں یا نیم عریاں فلمیں دکھائی جاتی ہیں وہی ہماری نئی نسل کو اپاہج بنانے کے لئے کیا کم تھیں کہ اب کچھ عرصہ سے گھر اور بازار میں جگہ جگہ ٹیلی ویژن فلموں نے آفت برپا کر رکھی ہے اور مختلف طریقوں سے یہ زہر ہماری نئی نسل کو اس کثرت سے پلایا جا رہا ہے کہ وہ اس سے جانبر نہیں ہو سکے گی۔ اگر ہمارے نوجوانوں کی صحت کا سروے کیا جائے تو خوفناک نتائج کا انکشاف ہوگا، جب چاروں طرف عریانی و فحاشی اور جنسی بے راہ روی کا سیلاب امڈ رہا ہو تو نوخیز نسل کے جذبات میں ہیجان و تلاطم کیوں برپا نہیں ہوگا؟ یہ ایک ہولناک صورت حال ہے جس پر ہماری حکومت اور ناخدایان قوم کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے، اور نئی نسل کو اس طوفان بلاخیز سے بچانے کے لئے صحیح اور مؤثر تدابیر کرنی چاہئیں، یہ ذمہ داری حکومت اور عوام دونوں پر عائد ہوتی ہے، خصوصاً جب کہ ملک میں ''اسلامی نظام'' کا غلغلہ بلند ہے، اور حیا سوز جرائم پر اسلام کی مقرر کردہ تعزیرات نافذ کی جا رہی ہیں، یہ فرض اور بھی شدت اختیار کر لیتا ہے، عریانی اور فحاشی ایک اجتماعی خودکشی ہے جس کا انسداد فی الفور کرنا ضروری ہے۔

عالمِ اسلام کے قائدین
خاموش کیوں؟

نمائندہ جنگ کی رپورٹ کے مطابق ۱۲ربیع الاول کی شب امریکی ٹیلی ویژن کے ''ہوائی فائیواز'' نامی شو میں ایک پالتو کتا دکھایا گیا جس کا نام (نعوذ باللہ) پیغمبر کے نام پر رکھا گیا، اس کے اگلے اتوار کو ایک پروگرام میں جس کا نام ''معراج نامہ'' رکھا گیا، سی بی ایس اسٹیشنوں نے کارٹون جیسی رنگین تصویریں دکھائیں جن میں انہوں نے ایک کا نام ایسا ہی رکھا تھا، اور دوسرے کا نام جبرئیل فرشتہ، ان تصویروں کے ساتھ جو کہانی درج تھی، اس میں کھلم کھلا اسلام کا مذاق اڑایا گیا، وغیرہ وغیرہ۔

یہ کوئی نیا سانحہ نہیں جو پہلی بار پیش آیا ہو، بلکہ تہذیب جدید کے امام امریکہ صاحب بہادر کی طرف سے بدتمیزی کے ایسے واقعات وقتاً فوقتاً ہمیشہ دہرائے جاتے رہتے ہیں، دنیا جانتی ہے کہ مغرب خصوصاً امریکہ کے ذرائع ابلاغ پر یہود کا تسلط ہے، اور بدقسمتی سے جدید عیسائیت بھی یہود کے نقش قدم پر چلنے میں فخر محسوس کرتی ہے، ان لوگوں کے دل میں خود اپنے مسلمہ بزرگوں اور انبیاءؑ کرام کی جو عظمت ہے وہ بائبل کے مطالعہ سے واضح ہے، پھر یہودیوں کی انسانیت سے عداوت بھی ضرب المثل ہے، اس لئے اگر وہ انبیاءؑ کرام علیہم السلام کے خلاف یا خدا تعالیٰ کے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف زہر افشانی کریں تو یہودی نفسیات کے عین مطابق ہے، وہ اپنے دین کی ایک ایک چیز خود اپنے ہاتھوں دفن کر چکے ہیں اور چند مسخ شدہ

رسوم کے سوا ان کے پاس کوئی چیز محفوظ نہیں، اسلام ان کی نظر میں سب سے بڑا کانٹا اس لئے بھی ہے کہ وہ آج تک جوں کا توں کیوں محفوظ چلا آرہا ہے؟ اور دنیا بھر کے مسخ شدہ نظاموں کو کیوں للکار رہا ہے؟ ان کی خواہش ہے کہ جس طرح وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے دین کو قتل کر چکے ہیں، مسلمان بھی اپنے مقدس دین کا اعتماد کھو بیٹھیں، جس طرح وہ خود انبیاء کرام کے مقدس خون سے اپنے ہاتھ رنگ چکے ہیں مسلمان بھی انبیاء کرام علیہم السلام سے بیزار ہوجائیں، اس لئے وہ کبھی اسلامی احکام، کو جو عقل و فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں، استہزاء و تمسخر کا نشانہ بناتے ہیں اور کبھی انبیاء کرام کی عزت و ناموس سے کھیلتے ہیں، اس لئے ہمیں امریکی ٹیلی ویژن کے کارپردازوں پر کوئی تعجب نہیں، البتہ ہمیں اسلامی ممالک کے سربراہان مملکت اور عالم اسلام کے اعیان و اکابر سے یہ شکایت ضرور ہے کہ وہ تہذیب و ثقافت کے مدعی امریکہ صاحب بہادر کی ایسی ناشائستہ حرکت کا کیوں نوٹس نہیں لیتے؟ اور اسلامی دنیا کی اس دل آزاری کے خلاف صدائے احتجاج کیوں بلند نہیں کرتے؟ ——— ہمیں افسوس ہے کہ اس خبر پر سرکاری سطح پر احتجاج کیا گیا ہے اور نہ عوامی سطح پر۔

اصحابِ اقتدار کی

قانون سے بالاتری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام، مخلوق خدا پر رحم کرنے کا سب سے بڑا داعی ہے اور اس کا ایک ایک حکم سراپا رحمت ہے اور وہ ارحم الراحمین کا نازل کردہ دین ہے، اور حضرت رحمۃ للعالمین ﷺ اس دین کو لے کر آئے ہیں، اسلام کے نظریۂ رحمت کا ایک عام منشور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے:

> ''رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔''

اسلام کی رحمت عامہ کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ تمام افراد جو اسلامی حکومت کے زیر سایہ ہوں، ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی مکمل ضمانت دیتا ہے، اور کسی بڑے سے بڑے اور جبار کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ کسی کمزور سے کمزور فرد پر دست درازی کرے، امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے خطبوں میں فرمایا کرتے تھے:

> ''میری شدت اور سختی صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو مسلمانوں پر ظلم و تعدی کا ہاتھ لمبا کریں گے، ورنہ اہل دین اور پسندیدہ لوگوں کے سامنے میں تم سب سے زیادہ کمزور اور رحمدل ہوں، اور اگر مجھے کوئی ایسا شخص ملا جو کسی پر ظلم و تعدی کرتا

ہے تو میں اس کے ایک گال کو زمین پر رکھ کر اس کے دوسرے
گال پر اپنا پاؤں رکھوں گا، یہاں تک کہ اسے حق کے سامنے
جھکنا پڑے گا۔"

اسلام ان فرعونوں کو کسی رحم کا مستحق نہیں سمجھتا جو لوگوں کی جان و مال سے کھیلتے ہیں جو عصمتوں کو اپنی بہیمیت کا نشانہ بناتے ہیں اور جو بے گناہ خون سے خدا کی زمین کو رنگین بناتے ہیں، بلکہ اسلام ان لوگوں پر رحم کرنا ضروری سمجھتا ہے جو ان ظلم پیشہ مست لوگوں کے پاؤں تلے کچلے جاتے ہیں، وہ قاتل سے مقتول کا بدلہ لے کر اعلان کرتا ہے:

"وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّا اُولِي الْاَلْبَابِ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ."

"اور تمہارے لئے بدلہ لینے میں زندگی ہے، اے
عقلمندو! کہ اسی کے ذریعہ خون ناحق سے بچ سکو گے۔"

اسلام، خدا کی زمین میں کسی کو فتنہ و فساد پھیلانے کی اجازت نہیں دیتا اور جو شخص اس کا مرتکب ہو اس کو کیفر کردار تک پہنچانا عین تقاضائے رحمت سمجھتا ہے، کیونکہ:

نکوئی بابداں کردن چناں است
کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

خون ناحق کا معاملہ تو اسلام کے نزدیک ایسا سنگین ہے کہ ایک فرد کا ناحق قتل گویا ساری امت کو قتل کرنے کے مترادف ہے، تاہم اسلام اولیائے مقتول کو یہ حق دیتا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اس پر رحم کرتے ہوئے اس کی جان بخشی کر سکتے ہیں، مگر یہ

بھی اس صورت میں ہے کہ اگر قتل سادہ شکل میں وقوع پذیر ہوا ہو، لیکن اگر قتل بر سر عام منظم شکل میں ہوا ہو تو اسلام کی نظر میں ڈکیتی اور رہزنی ہے، اس صورت میں معاف کرنے کا حق مقتول کے ورثاء کو بھی حاصل نہیں۔

اسلام، جرم و سزا کے معاملے میں امیر و غریب، شریف و رذیل اور بڑے چھوٹے کی تفریق کا روادار نہیں، اس کی نظر میں اعلیٰ و ادنیٰ سب برابر ہیں، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

"تم سے پہلی قومیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ اگر کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تھا تو اسے معاف کر دیتے تھے، اور اگر چھوٹا آدمی جرم کا مرتکب ہوتا تو اس پر سزا جاری کر دیتے تھے۔"

قاتل کو معاف کرنے کے سلسلہ میں بعض لوگوں کی طرف سے یہ نظیر پیش کی جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے قتل کے شبہ میں ان کے صاحبزادے نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان صاحبزادے سے قصاص نہیں لیا، بلکہ اپنے پاس سے مقتول کی دیت بیت المال کو ادا کر دی، یہ نظیر پیش کرنے والے حضرات اس واقعہ سے یہ سمجھے ہیں کہ امیر المؤمنین کو قاتل کی جان بخشی کا ہر حال میں حق ہے، مگر یہ نتیجہ سراسر غلط ہے، اس واقعہ میں مقتول کا کوئی نسبی وارث موجود نہیں تھا، اور امیر المؤمنین ہی ولایت عامہ کی بنا پر اس کے ولی تھے، اس لئے انہوں نے بحیثیت ولی مقتول کے قاتل کو معاف کر کے اس کی دیت خود ادا فرمائی تھی، اس لئے اس نظیر کا اطلاق ان مقتولوں پر نہیں ہوتا جن کے وارث موجود ہوں۔ اور نہ ان مقتولوں پر ہوتا ہے جن کو ڈکیتی اور رہزنی کا نشانہ بنایا گیا ہو۔ بعض لوگوں کی طرف سے سیاسی حالات کے حوالے سے "قاتل پر رحم" کی اپیلیں کی جاتی ہیں، مگر اسلام کی نظر میں سیاسی

حالات میں بگاڑ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اسلامی حکومت مظلوم کو ظالم سے بدلہ دلانے میں ناکام رہے، اور ظالموں کو یہ اطمینان ہو کہ وہ مخلوق خدا پر ظلم و تعدی کے پہاڑ توڑنے کے بعد بھی سیاسی حالات بگاڑ کر سزا سے بچ رہیں گے۔

اسلام مظلوموں کی حمایت کو تقاضائے رحمت سمجھتا ہے، اور ظالموں اور قاتلوں کی حمایت کو ''جذبۂ رحم'' نہیں بلکہ ''جذبۂ شقاوت'' تصور کرتا ہے، وہ لوگوں کو متنبہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

''وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً.''

''اور اس فتنے سے ڈرو جو تم میں سے صرف ظالموں تک محدود نہیں رہے گا (بلکہ دوسرے لوگ بھی اس کی لپیٹ میں آجائیں گے)۔''

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۶ راپریل ۱۹۷۹ء)

طلبائے ہنگامے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیز طلبہ ملک وقوم کا قیمتی سرمایہ اور ملت کے معمار ہیں، زندہ قومیں ان کی تعلیم وتربیت کا بطور خاص انتظام کرتی ہیں۔ یہ شعبہ سب سے اہم سمجھا جاتا ہے، تمام عقلائ اس بات پر متفق ہیں کہ ملک وقوم کے لئے وہی طالب علم موزوں ہوتے ہیں جو دوران تعلیم اپنی تمام تر صلاحیتیں علم کے حصول پر مرکوز رکھتے ہیں، اور جن کے اندر، علم میں ساری دنیا سے آگے نکل جانے کا جذبہ موجزن ہو۔ اس کے برعکس جو طالب علم اپنے قیمتی اوقات غیر ضروری امور یا بے مقصد مشاغل میں برباد کرنے کے عادی ہوجائیں، وہ نہ صرف یہ کہ ملک وقوم کے لئے مفید ثابت نہیں ہوتے بلکہ خود اپنی زندگی کی گاڑی کھینچنے سے بھی قاصر رہتے ہیں۔ علم وآگہی کے حصول کے لئے پرسکون فضا، شفیق اساتذہ، یکسوئی اور انہماک اولین شرط ہے، اور شور وشغب، ہاؤ، ہو اور ہنگامہ آرائی تعلیم کا سب سے بڑا دشمن ہے۔

پاکستان میں سیاسی عدم استحکام اور ملی یکجہتی کے فقدان نے جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں کو متاثر کیا ہے وہاں تعلیمی شعبہ غالباً سب سے زیادہ متاثر ہوا ہے۔ قیام پاکستان سے لے کر اب تک کے حالات پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں تعلیم کے لئے مناسب ماحول اور پر امن فضا بنانے کا اہتمام کبھی نہیں کیا گیا۔ اور اب تو نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ ہماری تعلیم گاہیں، دانشکدوں کے

بجائے دنگل کے اکھاڑوں کا منظر پیش کر رہی ہیں، کہیں طلبہ کی ٹولیاں آپس میں معرکہ آرا ہیں، کہیں اساتذہ کا گریبان طلباء کے ہاتھوں تار تار ہے۔ کہیں شیخ الجامعہ کی مسند پر عزیز طلبہ تشریف فرما ہیں، کہیں وہ یونیورسٹی کے نظم و نسق کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہیں۔ کہیں بازاروں اور سڑکوں میں پولیس اور طلباء کے درمیان میدان کارزار گرم ہے۔ تعلیمی ادارے مسلسل مہینوں تک بند رہتے ہیں اور جب کبھی کھلتے ہیں تو چند دن بعد پھر غیر معین مدت کے لئے بند کر دئے جاتے ہیں اور یہ "کھیل" ہماری تعلیمی زندگی کا گویا ایک لازمہ بن کر رہ گیا ہے، ارباب بست و کشاد نے اس "تعلیمی سرطان" کا ایک ہی حل سوچا ہے اور وہ ہے تعلیم اور تعلیم گاہوں کی بندش۔

یہ مکروہ ترین صورت حال جس قدر ملک و قوم کی بدنامی و رسوائی کی موجب ہے اور اس سے عزیز طلبہ کی زندگیاں جس طرح تباہ ہو رہی ہیں اس سے نہ صرف والدین کو تشویش ہے، بلکہ اس نے تمام حساس ادارے بھی پریشان ہیں۔

ہمارے ہاں آئے دن تعلیمی پالیسیاں بنتی بگڑتی ہیں مگر آج تک اس مرض پر قابو نہیں پایا جا سکا، بلکہ اس سلسلہ میں جو اقدامات بھی کئے جاتے ہیں ان کی حیثیت صرف دفع الوقتی کی ہوتی ہے۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ہمارے ارباب بست و کشاد آج اس بیمار کے اسباب و علل کی صحیح تشخیص ہی نہیں کر پائے؛ یا وہ صحیح علاج کی صلاحیت سے محروم ہیں؟

ہمارے نزدیک یہ صورت حال یکا یک نہیں ابھر آئی۔ بلکہ یہ ہمارے بتیس سالہ طرز عمل کا نتیجہ ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ قیام پاکستان سے لے کر اب تک ہمارا نظام تعلیم وہی ہے جو برٹش گورنمنٹ سے ہمیں ورثہ میں ملا۔ جزوی تبدیلیوں کے سوا اس میں کوئی انقلابی اور نظریاتی تبدیلی نہیں کی گئی، یہ نظام تعلیم طالب علموں کو

سب کچھ بنا سکتا ہوگا مگر انہیں اچھے انسان اور اچھے مسلمان نہیں بناتا۔ نہ بنا سکتا ہے۔ یہ ان کے اخلاق و اعمال اور عقائد و نظریات کو بگاڑ تو سکتا ہے مگر سنوارنے سے قاصر ہے اور سب جانتے ہیں کہ اخلاقی تربیت کے بغیر تعلیم وہی نتائج پیدا کرسکتی ہے جو آج ہمارے سامنے ہیں۔

پھر ستم بالائے ستم یہ کہ تعلیم کے شعبہ میں ان لادین عناصر کی بھرتی کی گئی ہے جو دین و مذہب کی حدود و قید ہی سے آزاد ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے اساتذہ سے تعلیم پانے کے بعد کسی اچھے نتیجے کی توقع ہی غلط ہے۔ ایک بڑا ظلم ملک کی سیاسی جماعتوں نے ڈھایا کہ ہر سیاسی جماعت نے طلباء میں اپنے اپنے گروپ بنالئے، اور اس کی وجہ سے تعلیمی ادارے سیاسی اکھاڑے بن کر رہ گئے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جو جماعت اقتدار سے محروم ہو وہ طلباء کو استعمال کرتی ہے اور جب وہی برسر اقتدار آتی ہے تو اس کی پہلی تلقین یہ ہوتی ہے۔ کہ طلباء کو اپنی توجہ تعلیم پر مرکوز رکھنی چاہئے۔ طلباء کو سیاسیات میں حصہ نہیں لینا چاہئے۔ علاوہ ازیں طلباء میں مختلف جماعتوں کی تشکیل اور ان کے انتخابات کے ہنگاموں نے بھی تعلیمی فضا کو مسموم کرنے میں مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ تجربہ یہ ہے کہ اس قسم کی گروپ بندیاں، طلباء برادری میں تصادم اور ٹکراؤ پیدا کرنے کے سوا کوئی مثبت نتیجہ نہیں رکھتیں، اگر ہمیں تعلیمی معیار کو صحیح نہج پر لانا ہے تو ان ساری خرابیوں کی اصلاح کرنا ہوگی۔ ورنہ ان ہنگاموں سے نجات نہیں مل سکتی۔

(افتتاحیہ صفحہ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۸ر جون ۱۹۷۹ء)

انتظامیہ عوام کو احتجاج پر مجبور نہ کرے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہڑتال اور تالہ بندی کا جو رواج شروع ہوا تھا، فوجی حکومت کے برسر اقتدار آنے کے بعد ختم ہو گیا تھا اور عوام نے سکھ کا سانس لیا تھا، مگر اب پھر سے یہ سلسلہ چل نکلا ہے۔ ٹرانسپورٹ کی ہڑتال، محکمہ ڈاک کی ہڑتال، ریلوے کی ہڑتال وغیرہ وغیرہ، قومی اتحاد کی اپیل پر بجٹ کے خلاف کاروبار کی ہڑتال بھی ہوئی۔

یہ سلسلہ کسی طرح بھی ملک کے لئے نیک فال نہیں ہے۔ اس لئے ہم انتظامیہ خصوصاً سیاسی راہنماؤں سے اپیل کریں گے کہ خدارا ملک میں امن و امان کو مکدر کرنے کی کوشش نہ کی جائے، خدانخواستہ یہ سلسلہ چل نکلا تو اس پر قابو پانا مشکل ہوگا۔ انتخابات کی تاریخ قریب سے قریب تر آ رہی ہے، اس لئے ہماری سب سے گزارش یہ ہے کہ ملک کے نظم و نسق میں کوئی معمولی سے معمولی رکاوٹ بھی پیدا نہ کریں تاکہ سکون و اطمینان کی فضا میں انتخابات کا مرحلہ طے ہو سکے۔ ورنہ خدانخواستہ اگر امن درہم برہم ہوا تو نہ صرف انتخابات ملتوی ہو سکتے ہیں بلکہ ملکی سالمیت کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، اس لئے ہر محب وطن شہری کا فرض ہے کہ احتجاج وغیرہ کے معروف راستوں سے گریز کرے اور ہم انتظامیہ سے بھی گزارش کریں گے کہ کارکنوں کے جائز مطالبات کو ہمدردی سے سنیں اور مطالبات منوانے کیلئے غیر فطری راستوں کے اختیار کرنے پر مجبور نہ کریں۔

قادیانی ''قصرِ خلافت'' اور ہماری بے حسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ خبر اخبارات میں شائع ہوچکی ہے کہ قادیانی گروہ کے پیشوا جناب مرزا ناصر احمد صاحب، اسلام آباد کے ''قصر خلافت'' میں فروکش ہیں، ان کی جماعت انہیں ''امیر المؤمنین'' اور ''خلیفۃ المسلمین'' کے القاب سے یاد کرتی ہے۔ اور بیرونی ممالک سے جو ڈاک ان کے نام آتی ہے اس میں ''امیر المؤمنین'' کا لقب خاص لکھا جاتا ہے۔ اگر یہ خبر واقعی حقیقت پر مبنی ہے تو اسلام آباد جو پاکستان کا ''دارالخلافت'' ہے، وہاں ''قصر خلافت'' کا موجود ہونا اور ''امیر المؤمنین'' کا اس میں فروکش ہونا بڑا ذو معنی ہے۔ اس سے بیرونی دنیا میں تاثر یہ پیدا ہوگا کہ ''دارالخلافت'' میں ''امیر المؤمنین و خلیفۃ المسلمین'' مرزا ناصر احمد صاحب ہی کی ''خلافت'' ہے، اس لئے وہی پاکستان کے ''خلیفہ'' ہیں اور جنرل محمد ضیاء الحق (یا کوئی صدرِ مملکت جو ان کی جگہ لے گا) ''خلیفۃ المسلمین'' مرزا ناصر احمد صاحب کے نمائندے کی حیثیت سے حکومت چلارہے ہیں۔

مرزا صاحب کو اطمینان ہے کہ پاکستان کا قانون اور یہاں کے حکمران بہت ہی شریف ہیں، کوئی شخص اگر معمولی کانسٹیبل کی جعلی وردی پہن لے اس کو تو قانون کے شکنجے میں کس دیا جاتا ہے، مگر نبوت و رسالت کا جعلی لبادہ اوڑھنے والوں کو ہمارا قانون اور ہمارے شریف حکمران کچھ نہیں کہتے۔ حکومت کے متوازی اگر کوئی محکمہ قائم

کرلیا جائے تو حکومت دھوکہ دہی اور جعل سازی کے الزام میں اسے فوراً دھر لیتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص یا گروہ مسجد نبویؐ یا ''بیت اللہ'' کے نام پر کوئی مکان تعمیر کرکے وہاں حج و زیارت کرنے لگے تو قانون کی شرافت اس سے چشم پوشی کرتی ہے، اور پاکستان کے شریف حکمران اپنی آنکھوں سے دیکھ کر نہ صرف برداشت کرلیتے ہیں بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں کہ ہم نے سب کو آزادی دے رکھی ہے۔ کوئی کسی کو خدا بنائے قانوناً جائز ہے، رسول اور نبی بنائے قانوناً جائز ہے، بیت اللہ، بیت المقدس، مدینہ منورہ، مسجد اقصیٰ وغیرہ وغیرہ اپنے گھر ہی بنالیا جائے قانوناً درست ہے، ہمارے قانون کی اسی شرافت اور ہمارے حکمرانوں کے اس رویہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عزت مآب مرزا ناصر احمد صاحب تمام اسلامی اصطلاحات کو بے دریغ اور بے روک ٹوک استعمال فرماتے ہیں۔ وہ اپنے دادا کو ''محمد رسول اللہ'' کہتے ہیں، ان کے رفقاء کو ''صحابہ کرام'' کہتے ہیں، ان کی اہلیہ کو ''ام المؤمنین'' کہتے ہیں، ان کی آل اولاد کو ''اہل بیت'' کہتے ہیں، ان کے الہامات کے مجموعہ کو قرآن کریم کہتے ہیں، ان کی بستی کو ''بیت المقدس'' کہتے ہیں، ان کی مسجد کو ''مسجد اقصیٰ'' کہتے ہیں (جس کا قرآن کریم میں ذکر آیا ہے)، قادیان کو ''حرم پاک'' کہتے ہیں اور ان کی قبر کو ''روضۂ اطہر'' کہتے ہیں، اور اپنی جماعت کی عبادت گاہوں کو ''مسجد'' کہتے ہیں، الغرض وہ (دائرۂ اسلام اور ملت اسلامیہ سے خارج ہونے کے باوجود) تمام دینی اصطلاحات اور اسلامی شعائر کو اپنے دادا مرزا غلام احمد صاحب کے ارد گرد گھماتے ہیں، یہ سب کچھ کیوں ہے؟ اس لئے کہ ان کو اطمینان ہے کہ پاکستان کا قانون بہت شریف ہے، یہاں کے عوام بڑے امن پسند ہیں، اور یہاں کے حکمران بھی بہت ہی شریف ہیں، یہ دنیا کے معاملہ میں معمولی سی جعل سازی تو برداشت نہیں کرتے، مگر خدا و رسول اور مذہب اور اسلامی

شعائر کے معاملے میں ان کی شرافت کا یہ عالم ہے کہ کوئی شخص ''رب العالمین'' کہلائے، ''محمد رسول اللہ'' اور ''رحمۃ للعالمین'' بنتا پھرے، بیت اللہ تعمیر کر کے اس کا طواف و حج کرتا رہے، بیت الخلاء کا نام ''مسجد'' رکھتا پھرے، ہمارے قانون اور ہمارے شریف حکمرانوں کو اس سے کوئی سروکار نہیں، بقول اکبر الٰہ آبادی:

گورنمنٹ کی یارو خیر مناؤ
انا الحق کہو اور سولی نہ پاؤ

ہمارے قانون اور ہمارے حکمرانوں کی اسی ضرورت سے زیادہ شرافت کا نتیجہ ہے کہ پاکستان کے ''دارالخلافت'' میں ''قصر خلافت'' تعمیر کر کے جناب مرزا صاحب ''امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین'' کا ڈنکا بجا رہے ہیں ـــــ ''بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست'' بلاشبہ پاکستان کے شریف قانون کی رو سے جناب مرزا ناصر احمد صاحب کو پاکستان کے دارالخلافہ میں ''قصر خلافت'' تعمیر کرنے اور ''امیر المؤمنین'' و ''خلیفۃ المسلمین'' کہلانے کا شوق پورا کرنے کا حق حاصل ہے، نہ ملک کا قانون انہیں اس حرکت سے باز رہنے کی اپیل کرے گا، نہ یہاں کے شریف حکمران ان کے اس شوق کا نوٹس لیں گے، اس کے باوجود مرزا صاحب کی خدمت میں نہایت ادب و احترام سے عرض کریں گے کہ خدارا یہ راستہ اختیار نہ کیجئے، اس لئے کہ یہ بات مسلمانوں کی ایمانی و مذہبی غیرت کے لئے چیلنج ہے۔ ''خلافت'' اور ''خلیفہ'' مسلمانوں کی مقدس مذہبی اصطلاح ہے، ازراہِ کرم مسلمانوں کی مذہبی اصطلاحات استعمال نہ فرمایا کریں، اس سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں، جس طرح کوئی باغیرت آدمی اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص جعلی طور پر اس کا باپ بن بیٹھے، اسی طرح مسلمان کی غیرت اس بات کو بھی برداشت نہیں کرتی کہ کسی ابوجہل یا

مسیلمہ کذاب کو "محمد رسول اللہ" کا نام دیا جائے، کسی دارالکفر کا نام "بیت اللہ" یا "مسجد" رکھا جائے، یا کسی غیر مسلم اور مرتد گروہ کا پیشوا پاکستان کے "دارالخلافہ" میں "قصر خلافت" تعمیر کر کے "امیر المؤمنین و خلیفۃ المسلمین" کہلایا کرے۔ آپ نے یا آپ کے باپ دادا نے اب تک جو کچھ کیا وہ مذہبی آڑ میں کیا، مگر خلیفہ، خلافت، قصر خلافت اور دارالخلافت کے الفاظ صرف مذہبی کھیل نہیں، ان کی معاشرتی و انتظامی حیثیت بھی ہے، ایسا نہ ہو کہ اسلامی شعائر سے یہ مذاق، مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت ہو جائے، اور مسلمانوں کو آپ کے "قصر خلافت" کے ساتھ وہی سلوک کرنا پڑے جو مدینہ طیبہ میں آنحضرت ﷺ نے "مسجد ضرار" کے ساتھ کیا تھا۔ خدا کے لئے مسلمانوں کی قوت برداشت کا مزید امتحان نہ لیجئے، ہم اپنے ملک کے شریف قانون اور یہاں کے شریف حکمرانوں کے ضمیر پر بھی دستک دیں گے، اور ان سے یہ دریافت کریں گے کہ اگر اس ملک میں پولیس کانسٹیبل کی وردی پہن کر کسی کو دھوکہ دینے کی اجازت نہیں، کوئی غیر فوجی، فوجی افسر کی وردی پہن کر ممنوعہ علاقے میں گھس آئے تو اسے جاسوس تصور کیا جاتا ہے، تو خدا تعالیٰ نے، محمد رسول اللہ ﷺ نے، اسلام نے، اسلامی شعائر نے اس ملک کا کیا بگاڑا ہے کہ ان کے نام کی کوئی حرمت نہیں اور انہیں کوئی تحفظ حاصل نہیں؟ کیا ہمارے قانون کی آنکھ اس وقت کھلے گی جب پانی سر سے گزر جائے گا؟ ہمیں امید ہے کہ جناب مرزا ناصر احمد صاحب اور ہمارے ارباب اقتدار ہماری ان مخلصانہ گزارشات پر توجہ فرمائیں گے۔

(افتتاحیہ صفحہ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۳ر جولائی ۱۹۷۹ء)

ہدایت نہیں، جرأت مندانہ عمل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گزشتہ دنوں کابینہ نے (جس کا اجلاس صدر پاکستان کی صدارت میں ہوا) یہ طے کیا کہ عصمت فروشی کی لعنت کو ختم کرنے کے لئے زنا آرڈی نینس مجریہ ۱۹۷۹ء نافذ کیا جائے۔ خصوصاً ان افراد کے لئے جو اس کاروباری لعنت کو فروغ دینے کے لئے عصمت فروشی کرتے ہیں۔ کابینہ نے مزید طے کیا کہ عصمت فروشی میں مدد دینے، اس کی حوصلہ افزائی کرنے اور اس سے تعاون کرنے والے اداروں اور سرکاری ملازموں کے خلاف کاروائی کی جائے۔ کابینہ میں یہ بھی طے پایا ہے کہ بلدیاتی اداروں کی تشکیل کے بعد عصمت فروشی کے انسداد کے لئے باقاعدہ مہم چلائی جائے گی۔

عصمت فروشی کے انسداد کے لئے کابینہ کی یہ "ہدایت" جہاں صدر محمد ضیاء الحق اور ان کی کابینہ کے نیک جذبات کی مظہر ہے وہاں اس اصل مسئلہ کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔ جسے ساری بیماریوں کی جڑ، علت العلل یا ام الامراض کہا جاسکتا ہے۔

مسلمانوں کی زبوں حالی و نکبت، ان کی غربت و پسماندگی، ان کی ذلت و خفت، ان کی ہوا خیزی و رسوائی (جس کی وجہ سے دین و دنیا دونوں کے اعتبار سے دن بدن پھسڈی ہوتے جارہے ہیں) کا اصل سبب دریافت کیا جائے تو ہم اس کا جواب ایک لفظ میں دے سکتے ہیں۔ یعنی "قول و فعل کا تضاد" ـــــ وہ اسلام کا نام لیتے ہیں

مگر اس پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ وہ قانون بناتے ہیں مگر خود اپنے بنائے ہوئے قانون کو نافذ نہیں کر سکتے، وہ ''ہدایت'' جاری کرتے ہیں، مگر ان کی سب ''ہدایات'' فضا میں تحلیل ہو کر رہ جاتی ہیں، وہ فلاح و کامرانی کی منزل پر پہنچنا چاہتے ہیں، مگر خواہشات اور ذاتی منفعت کی بیڑیاں اس قدر بوجھل ہیں کہ وہ ایک قدم آگے بڑھانے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔

جیسا کہ کابینہ کی ''ہدایت'' میں بتایا گیا ہے کہ عصمت فروشی کے انسداد کے لئے قانون نافذ ہو چکا ہے، مگر کابینہ کو شکایت ہے کہ اس پر عمل درآمد نہیں ہو رہا، بلکہ بعض سرکاری افسران اور اہل کار ہی اس ملعون کاروبار کی پشت پناہی کر کے قانون کی دھجیاں اڑا رہے ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عصمت فروشی سے زیادہ گھناؤنا کاروبار اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور جب خود سرکاری افسران اور اہلکار ہی اس گندے تالاب میں ناک تک ڈوبے ہوئے ہوں تو معاشرے سے اس برائی کے قلع قمع کی توقع کیا ہو سکتی ہے؟ــــ اور پھر کابینہ کی یہ ''ہدایت'' جاری بھی انہی لوگوں کے نام کی جا رہی ہے جو باغبان کے بھیس میں صیاد کا کردار ادا کر رہے ہیں، اس ''ہدایت'' کا نتیجہ بظاہر یہ ہوگا کہ جو لوگ اس گندگی میں ملوث ہیں وہ ذرا اور محتاط ہو جائیں گے، اور جو افسر اور اہل کار، ان کے پشت پناہ اور دلال ہیں وہ اپنا اثر و رسوخ مزید بڑھائیں گے۔ اور کچھ عرصہ تک وہ احتیاطی تدابیر پر ''سختی سے عمل کریں گے''ــــ یہ محض مفروضہ نہیں بلکہ تیس سالہ تجربہ اس کا گواہ ہے، ہمارے سامنے بہت سی برائیوں کی مثالیں ہیں جن کے انسداد کے لئے حکومت نے سخت سے سخت قوانین بھی جاری کئے اور ہدایات پر ہدایات بھی دیں۔ مگر جس رفتار سے حکومت کے قانون میں شدت بڑھتی گئی اور سختی سے اس پر عمل کرنے کی ہدایات کا زور پڑتا گیا اسی رفتار سے ان جرائم میں بھی اضافہ ہوتا

گیا۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ قانون خود قانون نافذ کرنے والوں کے ہاتھوں بے بس ہے۔ اور حکومت صرف قانون جاری کردینا اور اس کے لئے وقتاً فوقتاً ''واعظانہ ہدایات'' دیتے رہنا جانتی ہے، مگر قانون کو قانون کی حیثیت سے نافذ کرنے سے وہ قاصر رہتی ہے یہ ہے قول وفعل کا وہ تضاد، جس نے قانون کو اپاہج اور قانون نافذ کرنے والوں کو لا ابالی بلکہ بدعنوان بنادیا ہے۔

حکومت نے ''ہدایت'' علانیہ جاری کی ہے۔ اس کے بجائے اگر ان بدعنوان افسروں اور اہلکاروں کو کیفر کردار تک پہنچایا جاتا جو معاشرے میں اس گندگی کی حوصلہ افزائی کرکے اپنے نذرانے وصول کررہے ہیں، اور ان کے اثر ورسوخ کے جال کو توڑ دیا جاتا تو اس گندگی سے معاشرے کو پاک کیا جاسکتا تھا۔ ان چند کالی بھیڑوں کے ناپاک وجود کو ختم کرکے اگر قانون کا احترام بحال کیا جاسکے اور قوم کو اس لعنت سے نجات دلائی جاسکے۔ اور دوسرے افسروں اور اہل کاروں کے لئے سامان صد عبرت مہیا کیا جاسکے تو کیا یہ سودا مہنگا ہے؟ مگر اس کے لئے ''ہدایات'' کی نہیں ''جرأتمندانہ عمل'' کی ضرورت ہے۔

(صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۰ رجولائی ۱۹۷۹ء)

سعودی عرب کا ایک اسلامی قدم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اخباری اطلاعات کے مطابق سعودی حکومت نے ایک حکم جاری کیا ہے جس کے تحت مجسموں، سامان آرائش کی پبلسٹی اور اشتہار بازی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، اس طرح درزیوں کے لئے ٹرائیل رومز کے قیام پر بھی پابندی عائد کر دی ہے، اور انہیں اپنی دکانیں اس انداز میں بنانے کا حکم دیا ہے کہ ان میں خفیہ میٹنگ کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ حکومت سعودی عرب کے اس حکم کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے، اسلام دراصل ان تمام اسباب کا سدباب کرتا ہے جو کہ فحاشی اور برائی کی طرف جاتے ہوں، کیونکہ اصل خرابی تو اسباب کی بنا پر ہی ہوتی ہے اگر ماحول اور معاشرے کو ایسے اسباب اور ذرائع سے پاک کر دیا جائے جو لوگوں کے جنسی ابھار کا باعث بنتے ہوں تو یقیناً لوگوں کے جذبات اور ذہن پاک و صاف رہیں گے، اور معاشرے میں برائی بھی نہیں پھیلے گی اور نہ کسی سزا اور حد کی ضرورت ہی باقی رہے گی، اگر معاشرے میں ایسے اسباب اور ذرائع کی بھرمار ہو جو جنسی انارکی اور ابھار کا باعث بن جائیں تو چاہے کسی قسم کی بھی تعزیرات اور حدود نافذ کر دی جائیں ان کا کوئی فائدہ برآمد نہیں ہوگا، اس لئے اسلام نے ایسا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جہاں پر برائی کا تصور ہی سرے

سے ناپید ہو، سعودی عرب کی حکومت اکثر و بیشتر ان اسلامی احکام کی تجدید کرتی رہتی ہے جس سے معاشرے سے جنسی آلودگی دور ہو، اور یہ جو تازہ قدم اٹھایا گیا یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، مجسمہ سازی اور اس کے ذریعہ اشتہار بازی تو اسلام ویسے بھی قطعاً ممنوع قرار دیتا ہے، اسی طرح اسلام، عورتوں اور مردوں کے بے جا اختلاط کی بھی اجازت نہیں دیتا اور سعودی حکومت نے اپنے تازہ قانون میں انہی دونوں چیزوں کا اچھی طرح سدباب کر دیا ہے انشاءاللہ اس قانون کے بعد امید ہے کہ حیاسوزی اور بے حیائی کے جو اکا دکا واقعات سعودی دور حکومت میں پیش آئے تھے ان کا بھی، انشاءاللہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سدباب ہو جائے گا، اور ہمیں پاکستان میں بھی سعودی حکومت کے ان تازہ احکامات کی تقلید کرنی چاہئے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۷ راگست ۱۹۷۹ء)

عالمی اسلامی عدالت کا قیام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پی پی آئی کی طرف سے آمدہ خبر (جو کہ ایک مقامی اخبار میں ۲۰ راگست ۱۹۷۹ء کو چھپی) کے مطابق اسلامی دنیا کے ماہرین قانون کا ایک کمیشن قائم کرنے اور مسلم ممالک کے درمیان مصالحت اور ثالثی کے لئے ایک اسلامی عدالت کی تشکیل پر غور وخوض کیا جارہا ہے، اور اسلامی ماہرین قانون کی ایک کمیٹی اس سلسلے میں اپنی رپورٹ اسلامی وزرائے خارجہ کی کانفرنس میں پیش کرے گی جو آئندہ سال پاکستان میں ہورہی ہے۔

اگر یہ خبر واقعی حقیقت پر مبنی ہے اور اس سلسلہ میں واقعی عملی کاروائی اور کام ہورہا ہے تو یہ بہت ہی خوش آئند خبر ہے اور ایک اچھا اقدام ہے، اختلاف اور غلط فہمیاں ہونا ایک فطری اور خلقی عمل ہے جو انسانی جبلت کا ایک لازمی امر ہے اور اس سے گریز ممکن نہیں، مگر اسلامی تعلیمات میں ان اختلافات اور غلط فہمیوں کو ختم کرنے کے اسباب اور طریقے بتائے گئے ہیں جن پر عمل کرنے سے ان اختلافات کا وجود تک اسلامی معاشرے میں باقی نہیں رہتا، اسلام اول تو ایک معاشرہ کی تشکیل پر زور دیتا ہے اور اس معاشرے سے تقاضا کرتا ہے کہ ان پر نیک نیتی اور اخلاص سے عمل کیا

جائے، تو فطرتی اختلاف اور غلط فہمیوں کے لئے کوئی جگہ ہی باقی نہیں رہتی، کیونکہ اسلامی تعلیمات تمام کی تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہیں، اور خدا تعالیٰ تمام انسانوں کا خالق ہے، اس نے احکام کے نفاذ کے سلسلہ میں فطرت انسانی کے تمام تقاضوں کو اس طرح ملحوظ رکھا ہے کہ ان پر عمل کے بعد کسی فریق کو کسی فریق سے شکایت ہی نہیں پیدا ہوسکتی، لیکن اگر اس کے باوجود کسی بھی وجہ سے افراد یا جماعتوں کے درمیان اختلاف ہوجائے تو اسلام نے مصالحت کے طریقۂ کار کی مکمل وضاحت کردی ہے، قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا. فَاِنْ بَغَتْ اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرىٰ فَقَاتِلُوْا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰىٓ اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَ تْ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ. اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ." (الحجرات:۹،۱۰)

ترجمہ:......"اگر دو جماعت مسلمانوں میں سے لڑیں آپس میں تو ان دونوں کے درمیان تم صلح کرادو، پس اگر سرکشی کرے ایک جماعت دوسرے پر، پس تم ان سے لڑو جو کہ سرکشی کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف واپس آجائیں تو ان کے درمیان صلح کرادو، عدل و انصاف کے تقاضے کے مطابق، اور اس صلح میں انصاف کا پہلو ملحوظ رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف پسند کرنے والے ہیں، بیشک مسلمان آپس میں

بھائی بھائی ہیں پس اصلاح کرو دو بھائیوں کے درمیان تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“

ان آیات کریمہ میں خدا تعالیٰ نے جماعتوں اور قبیلہ اور افراد کے درمیان اختلاف کی صورت میں اس گروہ، جماعت اور فرد کی حمایت کی تلقین کی ہے جو خدا کے حکم کے مطابق ہے اور اس سے روگردانی نہیں کرتا اور اس جماعت، گروہ اور فرد کی مخالفت کی تلقین کی گئی ہے جو خدا کے حکم سے روگردانی کرتا ہے، تو اختلافات کو دور کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ نص قرآن حکم خدا وندی ہوا کہ جو فرد اور جماعت خدا کے حکم کے مطابق ہے، دوسرے فریق کو اس بات پر مجبور کرنا چاہئے کہ وہ بھی خدا کے حکم سے روگردانی نہ کرے اور اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو جائے، تا کہ اختلاف ختم ہو جائے، اور پھر جب دونوں جماعتیں خدا کے حکم کے مطابق فیصلہ کرانے پر تیار ہو جائیں تو اس کے بعد ثالثی کونسل یا اسلامی عدالت یا کسی تیسرے مسلمانوں کی جماعت کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ ان دونوں جماعتوں کے درمیان انصاف اور عدل اور اسلامی تعلیمات کے مطابق صحیح فیصلے کرادے اور ان کے اختلافات کو ختم کردے، اسی طرح ایک جگہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

”فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ.“

(النسآ:۵۹)

ترجمہ:......”آپس میں اے مسلمانو! اگر تمہارا کسی معاملے میں اختلاف یا تنازع ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔“

ان دونوں آیات کی رو سے ہمیں اپنے اختلافات کی صورت میں خدا اور رسول ﷺ کی طرف رجوع کا حکم ہے، اور یہ بات لازمی ہے کہ جب بھی کوئی جماعت یا افراد آپس میں اختلاف کریں گے تو ہر جماعت یا فرد اپنے آپ کو حق اور اسلامی تعلیمات کے مطابق بتائے گا، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ کوئی جماعت یا ادارہ ایسا ہونا چاہئے کہ جو ان جماعتوں یا افراد کے اختلاف کے حل کے لئے ثالثی کے فرائض انجام دے سکے، اب تک افراد کے اختلافات کو دور کرنے کے لئے تو عدالتیں قائم تھیں اور شرعی عدالتیں بھی قائم ہوگئیں، مگر جماعتی اختلافات اور قبیلے اور حکومتوں کے اختلافات کو دور کرنے کے لئے مسلمانوں کا اپنا کوئی ادارہ یا جماعت نہ تھی، اور موجودہ دور میں جب کہ اختلافات مسلمانوں کا ایک لازمی حصہ بن گئے ہیں اور پوری دنیائے اسلام آپس میں دست و گریباں ہے اور دشمن مسلمانوں کو اس انداز سے کھوکھلا کر رہا ہے، ایک ثالثی کونسل یا ثالثی جماعت کا ہونا ایک ضروری امر تھا، مگر مسلمان جس طرح دیگر دنیاوی چیزوں سے غافل تھے اس طرف بھی انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی تھی، خدا کا شکر ہے کہ اس طرف اب کچھ عملی قدم اٹھایا گیا ہے اور یہ موجودہ خبر اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، خدا کرے کہ اس کام میں زیادہ تاخیر نہ کی جائے اور جلد از جلد اس ادارے کا قیام عمل میں لایا جائے تا کہ مسلمانوں کے آپس کے نزاعات اس ادارے کے ذریعہ جلد از جلد ختم کر دیئے جائیں اور عالم اسلام متحد و متفق ہو کر دنیا میں ایک قوت کے طور پر ابھر کر اپنا مقام پیدا کر سکے۔

(افتتاحیہ صفحہ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۴/اگست ۱۹۷۹ء)

جوا اور عریاں رقص کے برسرعام مظاہر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۸ اگست کو جنگ کراچی میں اسٹاف رپورٹر کے حوالے سے ایک خبر شائع ہوئی کہ کلفٹن میں عید میلہ کے دوران چار اسٹال عریاں رقص کے، اور آٹھ اسٹال جوئے کے کھولے گئے، جس میں برسر عام رقص کیا گیا اور باقاعدہ طور پر چرخی کے ذریعہ جوا کھیلا گیا اور جوئے میں جیتی ہوئی رقم ادا نہ کرنے کی بناء پر ایک جواری اور اسٹال کے مالک کے درمیان جھگڑا ہوگیا، جس میں چاقو نکالنے تک کی نوبت آئی اور یہ تمام کارنامہ نہ صرف برسرعام ہوا بلکہ پولیس بھی اس میں خاموش تماشائی کی حیثیت سے شامل رہی، یہ خبر انتہائی افسوسناک اور نظام اسلام کے نافذ کرنے کے دعویداروں کے منہ پر ایک طمانچہ کی حیثیت رکھتی ہے، صدر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کے برسر اقتدار آنے کے بعد ملک میں شراب اور جوئے کی لعنت کو ختم کرنے کے لئے ان امور پر مکمل پابندی لگادی گئی تھی اور ملک کے تمام شراب خانے، جوئے خانے اور نائٹ کلب وغیرہ کو سیل کردیا گیا تھا، قوم نے اس وقت سکھ کا سانس لیا تھا کہ چلو خدا کا شکر ہے کہ ام الخبائث اور جوئے جیسی منحوس چیز کا ملک سے آخرکار خاتمہ ہوا، مگر چند روز بعد ملک کے چند بڑے ہوٹلوں اور غیر ملکیوں کو اس پابندی سے آزاد کردیا گیا، ہم نے

اسی وقت ان سطور کے ذریعہ خبردار کیا تھا کہ یہ ایک چور دروازہ ہے اگر اس کو بند نہ کیا گیا تو شراب اور جوئے کی پابندی کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، مگر ہماری اس تحریر پر کوئی مؤثر کاروائی نہیں کی گئی، اس کے بعد اسلامی نظریاتی کونسل کی تجویز کردہ سزائیں نافذ کی گئیں اس پر قوم کو اطمینان ہوا کہ اب ان کڑی سزاؤں کے بعد ان چور دروازوں سے بھی کسی کو شراب پینے یا جوا کھیلنے کی جرأت نہ ہوگی، مگر ان اسلامی سزاؤں کا جو مذاق اس کے نفاذ کے بعد اڑایا گیا وہ غالبًا کسی عرب اور اسلامی مملکت میں بھی نہیں اڑایا گیا، اور آخرکار اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بجائے اس کے کہ ان سزاؤں کے نفاذ سے ان جرائم میں کمی واقع ہوتی اور قوم ان برے افعال سے محفوظ ہوتی اس میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا اور آخرکار نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ اس عید کو کلفٹن میلہ میں کھلے عام جوا اور عریاں رقص کے مظاہرے پیش کئے گئے اور پولیس خاموش تماشائی بنی دیکھتی رہی، یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ملک کا سربراہ اپنی عید کی تقریر میں یہ اعلان کرے کہ ملک میں اسلامی نظام کی بعض اہم دفعات نافذ ہیں اور قوم کو تلقین کرے کہ وہ آئندہ چند ماہ صبر وتحمل اور اسلامی جذبہ کے ساتھ گزارے اور دوسری طرف ملک میں لاقانونیت کا بدستور دور دورہ رہے، ٹیلی ویژن اور فلمیں لوگوں کو فحاشی کی دعوت دیتی رہیں اور جوئے اور عریاں رقص کے کھلے عام اسٹال لگے ہوئے ہوں، تو قوم اس اسلامی نظام یا نظام مصطفیٰ کو کس طرح قبول کرے گی؟ آج کے نظام اسلام والے ماحول اور کل کے لادینی نظام میں کیا فرق باقی رہ گیا ہے؟ کل بھی یہ چیزیں آزاد تھیں اور آج بھی یہ چیزیں آزاد ہیں، کیا یہی اسلامی نظام ہے اور کیا یہی نظام مصطفیٰ ہے؟ اگر اسی کو اسلامی نظام اور نظام مصطفیٰ کہتے ہیں تو قوم کو اس نظام کی کوئی ضرورت نہیں، قوم اس سے قبل والے نظام سے زیادہ مطمئن تھی کہ کم از کم اس نظام میں نظام اسلام

کے ساتھ اور نظام مصطفیٰ کے ساتھ تمسخر اور مذاق کا پہلو تو نہ تھا، اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائے اور ہمارے اس توہین آمیز رویہ کی بنا پر پاکستان پر عذاب مسلط نہ کرے اور ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۳۱ راگست ۱۹۷۹ء)

ہمارا تعلیمی مشن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے جی ایچ کیو لیکچر ہال میں ملک کی مختلف چھاؤنیوں کے تعلیمی اداروں کے اساتذہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر اساتذہ ایک مشن کے تحت اپنا کام انجام دیں تو وہ ایک مشنری نسل تعمیر کر سکتے ہیں، جو ملک کے روشن مستقبل کی ضامن ہوگی۔ اگر اساتذہ موثر طریقہ پر اپنا اثر استعمال کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ تعلیمی اداروں سے بدنظمی اور غنڈہ گردی کا خاتمہ نہ ہو، صدر نے کہا اگر کوئی استاد یہ سمجھتا ہے کہ وہ طلبہ پر اپنا کوئی اثر نہیں رکھتا تو میرے نزدیک وہ بالکل ناکام اور نا اہل استاد ہے اور اپنے تعلیمی ادارے اور معاشرے کے لئے اس کا کوئی مصرف نہیں۔ جناب صدر نے تعلیمی انحطاط کی اصلاح اور تعلیمی اداروں مین غنڈہ گردی کے خاتمہ کے سلسلہ میں جن بلیغ الفاظ میں اساتذہ کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی ہے، اسے ہر صاحب فکر کے دل کی آواز تصور کرنا چاہئے۔ دراصل تعلیم ہی وہ میدان ہے جہاں کسی قوم کی ذہنی فتح و شکست کا فیصلہ ہوتا ہے۔ جس پر کسی قوم کے بننے اور بگڑنے کا انحصار ہے، جس سے مستقبل کی امیدیں اور اندیشے وابستہ کئے جاتے ہیں اور یہ نسل جدید کی تعمیر و تخریب میں سب سے قوی اور موثر عامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باشعور قومیں اپنے تعلیمی نظام کو اپنے فلسفۂ حیات پر استوار کرتی ہیں، اساتذہ کے سلسلہ میں نہایت احتیاط اور بیدار مغزی سے کام لیتی ہیں اور طلبہ کی تعلیم و تربیت کے

بہترین اسلوب اور پیمانے وضع کرتی ہیں۔ بدقسمتی سے عالم اسلام کے راہنماؤں کو اس طرف توجہ نہیں اور ان کا نہ کوئی تعلیمی مشن ہے، نہ تعلیمی معیار، اور نہ تعلیم و تربیت کا کوئی خاص اہم اسلوب۔

اشتراکی ممالک میں کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ نظریہ اشتراکیت سے منحرف اساتذہ کے ہاتھ میں تعلیمی نکیل تھمادی گئی ہو۔ اور وہ جن افکار و نظریات کی چاہیں تبلیغ کرتے پھریں، اور سرمایہ دار ممالک میں اشتراکی نظریات کے حامل اساتذہ کا تقرر نہیں ہوتا۔ لیکن اسلامی ممالک (جن میں پاکستان سرفہرست ہے) میں سرے سے یہ تمیز ہی نہیں رکھی جاتی کہ نسل جدید کی تعلیم و تربیت جن اساتذہ کے سپرد کی جارہی ہے وہ مسلمان ہیں یا غیر مسلم؟ دیندار ہیں یا بددین؟ نظریہ پاکستان پر یقین رکھتے ہیں یا اکھنڈ بھارت کے مذہبی نوشتوں پر ایمان رکھتے ہیں؟ جناب صدر، اساتذہ کو ایک مشن کے طور پر اپنا کام کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ لیکن گستاخی معاف! پاکستان کا کوئی مشن ہے بھی؟ اگر ہے تو ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کیا ہے؟ اور یہ کہ اس کے لئے جن افراد کا انتخاب کیا گیا ہے کہ کیا وہ اس مقدس مشن پر ایمان بھی رکھتے ہیں؟ جب تک پاکستان کا تعلیمی مشن متعین اور جب تک اس کے لئے موزوں اور لائق افراد کا انتخاب نہ کیا جائے۔ جب تک نصاب تعلیم اور نظام تعلیم کو اس مشن کے مقاصد کے مطابق نہ ڈھالا جائے ہم اساتذہ سے یہ توقع کیا کرسکتے ہیں کہ وہ ایک مشن کے طور پر تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیں؟ کیا ہماری وزارت تعلیم کے ارباب اقتدار لوگ اس اہم ترین نکتہ پر توجہ فرمائیں گے؟

جناب صدر نے ایسے اساتذہ کو نالائق اور نااہل قرار دیا ہے جو طلبہ پر اثر انداز نہیں ہوتے، بلاشبہ کسی استاد کی لیاقت و اہلیت کا سب سے بڑا معیار یہی ہوسکتا

ہے کہ طلبہ اس کی قدر اور شخصیت سے متاثر ہوں، وہ اپنے اخلاق و کردار اور اپنی ہمدردی کے ذریعہ طلبہ کے دل کی دھڑکن بن جائے، اور اس کے علم وحلم و وقار اور اخلاص و دیانت کی بنا پر اس کی عظمت کا سکہ طلبہ کے دلوں میں جم جائے، لیکن ان ہونہار طلبہ کے بارے میں کیا کہا جائے جو شیخ الجامعہ کو پیٹ کر اس کی مسند پر خود جا بیٹھیں۔

تعلیمی ہیولیٰ پانچ عناصر سے تیار ہوتا ہے، اور ان میں سے کسی ایک میں بھی بگاڑ آجانے سے سارا تعلیمی ڈھانچہ بگڑ جاتا ہے، وہ تعلیمی عناصر یہ ہیں: تعلیمی ادارے، والدین، اساتذہ، طلبہ، معاشرہ۔ ہماری نسل جدید کی بدقسمتی یہ ہے کہ ان میں سے ایک بھی صحیح طور پر کام نہیں کر رہا۔ حکومت کے کارندے دانستہ طور پر ایسے قواعد وضع کرتے ہیں جو "تعلیمی مشن" سے مطابقت نہیں رکھتے۔ تعلیمی اداروں اور ان کے اساتذہ وطلبہ کے مسائل و مشکلات پر ہمدردانہ توجہ نہیں دی جاتی، والدین کی اکثریت اصلاح و تربیت کے تقاضوں ہی سے ناآشنا ہے، ان کا اہم مطمح نظر یہی ہے کہ صاحبزادے کو بھاری بھرکم ڈگریاں میسر آجائیں، اور وہ کسی اونچی نوکری پر لگ جائے، ہمارا معاشرہ خود اس قدر اپاہج اور بانجھ ہو چکا ہے کہ اس میں کسی نوجوان کا نہ بگڑنا بجائے خود ایک معجزہ وکرامت سے خالی نہیں۔ اساتذہ کرام کی اکثریت تعلیم برائے تعلیم یا تعلیم برائے تنخواہ کی قائل ہے، ان کا نہ کوئی مشن ہے، نہ تعلیم کے لئے صحیح فضا ہے، اسلئے ان میں سے جو نئی نسل کی صحیح تعلیم وتربیت کے خواہش مند ہیں وہ اپنے آپ کو اس ماحول میں اجنبی اور تنہا محسوس کرتے ہیں۔ باقی عزیز طلبہ کی تو بات ہی کیا ہے وہ جس ماحول کی پیداوار ہیں اور جس طرح ان کی نشو ونما ہو رہی ہے وہ اسی کو مقصد زندگی تصور کرتے ہیں، تعلیم کی اہمیت اس لئے ہے کہ امتحانات اور ڈگریوں کے بغیر ملازمت کا

حصول ممکن نہیں۔ مختصر خاکہ جو ہمارے تعلیمی بگاڑ اور تعلیمی اداروں میں غنڈہ گردی کے خاتمہ کا قوی ذریعہ بن سکتا ہے یہ ہے کہ اس کے لئے ایمان راسخ، یقین محکم، مجتہدانہ بصیرت اور وسیع کے ساتھ تعلیمی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔

(صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۱/ستمبر ۱۹۷۹ء)

بچوں کا قاتل کون؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے بچوں کے عالمی دن کے موقع پر ایک پیغام میں فرمایا ہے کہ بچوں کو صرف خوراک اور کپڑوں کی ضرورت نہیں بلکہ انہیں جدید علم حاصل کرنے کے لئے سہولتوں اور مواقع کی بھی ضرورت ہے، ایسا ماحول ہونا چاہیئے جہاں ان کا علم بڑھے، جہاں انہیں کھیلوں میں حصہ لینے کے کافی مواقع حاصل ہوں۔ انہوں نے کہا کہ بچے معاشرے کے کمزور اور بے بس رکن ہیں، بڑے افسوس کی بات ہے کہ بہت سے بالخصوص ترقی پذیر ممالک میں، پانچ سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے بھوک میں کمی، اسہال اور دوسری کئی بیماریوں کا شکار ہوجاتے ہیں، دوسرے لاکھوں بچے بیماری اور نفسیاتی تناؤ کا شکار ہیں، اب وقت آگیا ہے کہ ہم بچوں کے حقوق کے دن کو یاد کریں اور انہیں عملی جامہ پہنانے کی کوششوں کو دوچند کردیں۔

بچوں کی فلاح و بہبود ان کی نمو و پرداخت، ان کی صحیح نشو و نما اور ان کی تعلیم و تربیت پر گھر کی سطح سے لے کر بین الاقوامی سطح تک کوششیں ہورہی ہیں، اس کے لئے بین الاقوامی ادارے قائم ہیں، کانفرنسیں ہوتی ہیں، اعداد و شمار جمع ہوتے ہیں، تحقیقی مقالے پیش کئے جاتے ہیں، اور ہر سال ”بچون کے حقوق“ کا غلغلہ بلند ہوتا ہے، لیکن مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ بچوں کی جسمانی و اخلاقی اور تعلیمی سطح روز بروز گرتی جارہی ہے، جس کو دنیا بھر کے ادارے، والدین، اساتذہ اور ارباب حل و عقد بڑی

بے چینی سے محسوس کررہے ہیں، جو عالمگیر وبائی مرض تپ دق کی طرح بچوں کی ذہنی و اخلاقی صحت کو چاٹے جارہا ہے اس کے مداوا کے لئے بے حد فکر مند نظر آتے ہیں لیکن محسوس ہوتا ہے کہ ان کی ساری تگ و دو اور ان کی ساری تدابیر و مساعی نہ صرف یہ کہ اس بین الاقوامی ''تپ دق'' پر قابو پانے سے قاصر ہیں بلکہ ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' کا مصداق ہیں، ان بین الاقوامی بزرجمہروں اور افلاطونوں کی ناکامی سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے نہ تو مرض کے اسباب کی صحیح تشخیص کی ہے اور نہ اس کے لئے مناسب علاج و پرہیز تجویز کیا ہے، یہ دانشور، مرض، اسباب مرض اور علاج مرض پر تو بحث کرتے ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ ''بچوں کا قاتل'' وہ معاشرتی ماحول ہے جس کی قیادت آج مغرب کررہا ہے، جس نے شرم و حیا، عفت و عصمت اور انسانیت کی تمام قدروں کو پاؤں تلے روند ڈالا ہے، جس نے مرد و عورت کے اختلاط، حیوانی و نفسانی محرکات کی فراوانی، جنسی تجربات اور شہوت انگیز مناظر اور تماشوں کو رواج دے کر انسان کو جنسی تجربات کی مشین بنادیا ہے، اس نے تعلیمی ادارے ضرور قائم کئے، مگر ان کے رویہ کو دیکھ کر ہمارے، بالغ نظر اور درد مند شاعر کو کہنا پڑا:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اُدھر تہذیب جدید کے اس امام اعظم نے بچوں کے قتل کے لئے ریڈیو، ٹیلی ویژن، فلم، سینما، ڈرامہ، جنسی تصاویر ایسے مہلک آلات تیار کئے، جنہوں نے نسل جدید کو زندہ درگور اور خدا کی زمین پر اپاہج بنا کر رکھ دیا۔

بے شمار بچوں کے خطوط موصول ہوئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ بے رحم معاشرہ اور دور جدید کے ''آلات قتل'' نے بچوں کو نیم بسمل بنادیا ہے،

یہاں ہم والدین، دانشوروں اور صدر مملکت کی چشم عبرت وا کرنے کے لئے ایک خط کا اقتباس نقل کرنے پر مجبور ہیں:

''چچا جان! حقیقت میں مَیں ایک دکھی لڑکا ہوں، میرا ایک مسئلہ ہے جو میری زندگی کا سب سے اہم مسئلہ بن گیا ہے وہ یہ ہے کہ اس سے پہلے میں آپ کو اپنی عمر بتادوں، میں نویں جماعت کا طالب علم ہوں، اور میری عمر تقریباً ساڑھے تیرہ سال ہے، مسئلہ یہ ہے کہ میں جب بھی سوتا ہوں تو مجھے غسل کی حاجت پیش آتی ہے، دراصل آج سے تقریباً ایک سال پہلے میں نے ایک فحش فلم دیکھی جس میں مرد اور عورت کا آپس میں ملاپ اور ننگی عورت اور اس کے سارے حصے ننگے دکھائے گئے، اس فلم کو دیکھنے کے بعد میں نے خلاف فطرت اور قبل از وقت وہ کام شروع کر دیئے جو کہ میری عمر کے قابل نہ تھے، اور ایسی فلمیں صرف مجھے ایک بچے کو ہی نہیں لاکھوں بچوں کو تباہ کر رہی ہیں، میں نے جو فلم دیکھی تھی وہ کوئی انگریزی یا غیر ملکی فلم نہیں تھی بلکہ وہ مسلمانوں اور پاکستانیوں کی بنائی ہوئی پاکستانی پنجابی فلم تھی، مجھے افسوس ہے کہ یہ ملک تو اسلامی ہے لیکن یہاں کیسی کیسی فلمیں بنتی ہیں آپ، فحش، انگریزی، اردو، پنجابی فلموں کے خلاف ایک بھرپور فیچر لکھئے، اور حکومت سے درخواست کیجئے کہ وہ یہ فلمیں بند کرائے۔

میں خط لکھ رہا ہوں تو میرے آنسو نکل رہے ہیں۔''

یہ ایک دکھی بچے کا خط ہے، خدا جانے کتنے لاکھ بچے ان قاتلوں کے ہاتھ سے ذبح ہوتے ہوں گے، ہمیں افسوس ہے کہ موجودہ حکومت اور جناب صدر کی نظر بھی بچوں کے روٹی، کپڑے، کھیل، تفریح اور تعلیم کی طرف تو جاتی ہے مگر کسی بندۂ خدا کی نظر اس طرف نہیں جاتی کہ یہ فلمیں، یہ سینما، یہ گانے بجانے کا طوفان، یہ ٹیلی ویژن پر فلموں کی نمائش، یہ لڑکوں، لڑکیوں کا میل جول اور عہد و پیمان محبت، یہ جنسی انارکی کی گرم بازاری، جن بچوں کو قتل کررہی ہے، کھیلوں اور تفریحوں، لکچروں اور پیغاموں کے ذریعے ان کی جان کیسے بچائی جاسکتی ہے؟ ہماری رائے میں بچوں اور عورتوں کا طبقہ سب سے زیادہ مظلوم ہے، جسے مغرب کے سفاک معاشرے نے جنسیت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا ہے، ہم والدین سے، دانشوروں سے، ارباب اقتدار سے، بالخصوص صدر مملکت سے گزارش کریں گے کہ خدارا بچوں کا یہ قتل عمد بند کیا جائے، لڑکوں، لڑکیوں کے اختلاط سے احتراز کیا جائے، فلموں کی نمائش ممنوع قرار دی جائے، ریڈیو اور ٹیلی ویژن اور صنف نازک کی نمائش کے دیگر ذرائع کی اصلاح کی جائے، یہ ساری چیزیں نہ صرف یہ کہ شرعاً گناہ ہیں بلکہ ان کے ذریعہ نسل جدید کی تباہی و بربادی کا جو طوفان امڈ رہا ہے وہ بے حد ہولناک ہے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۵/اکتوبر ۱۹۷۹ء)

طلبأ۔ منفی رجحانات کی شکایت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وفاقی وزیر تعلیم جناب محمد علی خان ہوتی نے ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ موجودہ حکومت درس گاہوں اور کتب خانوں کی توسیع کو بہت زیادہ اہمیت دیتی ہے، تاکہ طلبأ اور اساتذہ ان کتب خانوں سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرسکیں، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ طلبأ اور اساتذہ کتابوں کے مطالعہ سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے، انہوں نے کہا کہ طلبہ میں اس منفی رجحان کے خاتمے کے لئے ان کی مناسب راہنمائی کی جائے، اور یہ فریضہ والدین اور اساتذہ مشترکہ جدوجہد سے ادا کریں۔

ہمارے ہاں تعلیمی انحطاط اور طلبہ کی اصلاح پر زبانی کلامی اظہار خیال کرنا تو ایک عام روایت بن چکی ہے، لیکن ان ''مواعظ حسنہ'' پر عمل کی ضرورت شاذ و نادر ہی محسوس کی جاتی ہے۔

جناب وزیر تعلیم نے طلبہ کی مطالعہ سے عدم دلچسپی اور ان میں بڑھتے ہوئے منفی رجحانات پر اظہار افسوس کرتے ہوئے والدین اور اساتذہ کو مشترکہ جدوجہد کا جو مشورہ دیا ہے وہ ہم سب کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔

سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ منفی رجحانات کہاں سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کا منبع کیا ہے؟ پھر اس پر غور کرنا ہوگا کہ نئی نسل کے معصوم ذہنوں کو ان زہریلے جراثیم سے کیسے محفوظ رکھا جائے؟ موجودہ فضا نے ذہنی تخریب اور انسانیت کشی کے اتنے ذرائع پیدا کردیئے ہیں کہ نئی نسل کے ذہن میں منفی رجحانات کا نہ ابھرنا ایک معجزہ ہی ہوسکتا ہے۔ مخلوط تعلیم، بے پردگی وعریانی، سینما، پکچر، ڈرامے، ثقافتی شو اور ناول، افسانے، جاسوسی اور جنسی لٹریچر کا جو سیلاب چاروں طرف امڈ رہا ہے اس میں ایک معصوم اور ناپختہ ذہن کا پھسل جانا ایک منطقی بات ہے، اس پر ستم یہ کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے گھر گھر کو رقص وسرود کی محفل اور سینما ہال میں تبدیل کردیا ہے، والدین ایک طرف خود یہ زہر خرید کر اپنی اولاد کے ذہنوں میں انڈیلتے ہیں، اور پھر اولاد کی آوارگی، نافرمانی اور بگاڑ کی شکایت کرتے ہیں، رہی سہی کسر کھیل تماشوں کے جنونی دوروں نے پوری کردی ہے، جب دیکھو صاحبزادے وقت بے وقت گیند بلا تھامے عالمی مقابلے جیتنے کی مشق کررہے ہیں، نہ دین کا ہوش ہے، نہ دنیا کا، نہ علم سے کوئی مناسبت ہے، نہ کتابوں سے، جس قوم کی نئی نسل کی تربیت اس نہج پر ہو رہی ہو، اس کے مستقبل کے بارے میں آسانی سے پیش گوئی کی جاسکتی ہے۔

تعلیم کا حال یہ ہے کہ کوئی گھر ایسا نہیں ہوگا جہاں ٹیوشن پر حضرات اساتذہ کی خدمات حاصل نہ کی جاتی ہوں، اگر تعلیم گاہوں کا تعلیمی معیار صحیح ہو اور وہاں صحیح تعلیمی فضا قائم ہو، تو والدین کو اس کی ضرورت کیوں پیش آئے؟ ستم یہ ہے کہ اسکول اور کالج کی فیس، کتابوں کے مصارف، صاحبزادے کا جیب خرچ اور ٹیوٹر کی فیس وغیرہ تمام اخراجات والدین برداشت کرتے ہیں مگر صاحبزادے ان سب کے باوجود اپنے تعلیمی خلاء کو پر نہیں کرسکتے، اور امتحان میں فیل ہوتے ہیں ــــ اگر ہماری تعلیم گاہیں

واقعتاً تعلیم گاہیں ہوں، اور اساتذہ کرام اور عزیز طلبہ، تعلیم کو تعلیم سمجھیں تو کیا ملک میں تعلیم کا دردناک نقشہ وہی ہو جو ہمارے سامنے ہے؟

یہ تو مادی اور دنیوی تعلیم کا حال ہے جہاں تک دینی و مذہبی تعلیم کا سوال ہے اس کی ضرورت نہ والدین کے ذہنوں میں ہے، نہ اساتذہ کے، نہ ہمارے ارباب بست وکشاد کو اس طرف توجہ ہے، آج لوگ ناظرہ قرآن پڑھے بغیر مجتہد بنے ہوئے ہیں، اور دین قیم کے دقیق سے دقیق مسائل پر نہ صرف اظہار خیال فرمارہے ہیں، بلکہ اہل علم، اہل دین اور اہل تقویٰ کے فہم کی تغلیط بھی فرماتے ہیں، دراصل ہماری نئی نسل کے منفی رجحانات کا حقیقی سبب یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی لائی ہوئی ہدایات و ارشادات کے مطابق نئی نسل کی صحیح تربیت ہی نہیں ہورہی، غلط ماحول، غلط تعلیم، اور غلط انداز تربیت نے صحیح تربیت کی ضرورت کا احساس بھی ختم کردیا ہے، مسلمانوں کی تعلیم وثقافت کا مرکز مسجد ہے، لیکن ہمارے بچوں کی تربیت اسکولوں، سینماؤں، کلبوں اور کھیل کے میدانوں میں ہورہی ہے۔

''ببین تفاوت را، از کجا است تا بکجا''

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۸/فروری ۱۹۸۰ء)

موجودہ حالات
خطرے کا الارم ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رواں صدی کے آخری سال کے پہلے دن حرم شریف کا جو ہوش ربا سانحہ پیش آیا' وہ اہل بصیرت کے لئے خطرہ کا الارم تھا۔ حرم شریف' جس کے بارے میں قرآن کریم نے "من دخلہ کان آمنا" کا اعلان فرمایا ہے' اس کا مسلسل دو ہفتوں تک میدان جنگ بنے رہنا اور وہاں جمعہ' جماعت اور طواف ومناسک کا بند رہنا پوری دنیا کے لئے خطرہ کا الارم تھا۔ چنانچہ ان خطرات کا ظہور ہوچکا ہے۔ ایک طرف حرمین شریفین میں ہر داڑھی والے کو "ایں ہم بچہ شتراست" سمجھا جانے لگا' جس کا سلسلہ تادم تحریر جاری ہے اور نہیں کہا جاسکتا کہ انجام کیا ہوگا۔

دوسری طرف ایران امریکہ بحران نے نازک ترین صورت اختیار کرلی ہے۔ اور مغربی اتحاد ایران کے خلاف طبل جنگ بجاتا نظر آتا ہے۔ خدانخواستہ یہ آگ بھڑک اٹھی تو نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے شعلے اسلامی دنیا کے کس کس ملک کو پھونک ڈالیں گے۔

تیسری طرف افغانستان کی صورت حال بگڑتے بگڑتے اس حد تک آ پہنچی ہے کہ آج وہاں روس کا مکمل تسلط ہے' جس سے نہ صرف ہمسایہ ممالک کا وجود خطرے میں ہے۔ بلکہ اس سے مغربی دنیا بھی لرزہ بر اندام ہے۔ اور ع "جب تنگ کیا بتوں نے تو خدا یاد آیا" کے مطابق اب مغربی پریس اور امریکہ کے صدر کارٹر کو خیال آیا ہے کہ پاکستان کو اسلحہ کی سپلائی بہت ضروری ہے۔ خدانخواستہ روس "انا ربکم الاعلیٰ" کے جنون پر مصر رہا تو تیسری جنگ عظیم شروع ہوسکتی ہے اور بڑی طاقتوں نے ایٹمی اسلحوں کے جو انبار

لگا رکھے ہیں ان سے انسانی آبادی کا بیشتر حصہ بھک سے اڑ سکتا ہے۔ حالات جس تیزی سے بگڑ رہے ہیں' اور سانحات کا دھارا جس رخ بہہ رہا ہے اس سے اس اندیشہ کو تقویت ملتی ہے کہ سال نو کے پہلے دن حرم شریف کا سانحہ انسانیت کے لئے خطرہ کی گھنٹی تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس سانحہ سے کوئی عبرت نہیں ہوئی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم میں وہ نظر بصیرت ہی نہیں جو اس درس عبرت کو پڑھنے کی استعداد رکھتی ہو۔ وہ کان باقی نہیں رہے جو خدائی نقارہ کی چوٹ کی آواز کو سن سکیں۔ وہ عقل و شعور نہیں رہا جو فطرت کے اشاروں کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ امراء عیش و عشرت میں مگن ہیں' غریب کو دال روٹی کے دھندوں سے فرصت نہیں۔ حکام کو کار مملکت نے پریشان کر رکھا ہے۔ الغرض ہر طبقہ اپنے اپنے راستہ پر گامزن ہے۔ توبہ وانابت اور رجوع الی اللہ کا خیال کسی طرف نظر نہیں آتا۔

روس کا سیلاب پاکستان کی دیواروں سے ٹکرا رہا ہے' اور اس امر کا قوی اندیشہ ہے کہ کسی لمحہ بھی یہ بند ٹوٹ جائے اور یہ سیلاب پاکستان کی طرف بہنا شروع ہو جائے بلکہ بلوچستان میں اس بند کے ٹوٹنے کے آثار نظر آرہے ہیں۔ ہر چند کہ اس سیلاب کے سامنے ہماری حیثیت ایک تنکے کی بھی نہیں' لیکن ممکنہ خطرات سے بچاؤ اور ملک و ملت کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرنا ہمارا دینی و ملی اور قومی فرض ہے یہ سوال اس قدر اہم ہے کہ اس پر ملک کے ایک ایک فرد کو غور کرنا اور اپنی حالت کا جائزہ لینا چاہئے۔ ہماری تجویز یہ ہے کہ دو باتوں کا فوری طور پر اہتمام کرنا چاہئے' ایک یہ کہ ملک کی تمام موثر شخصیتوں کو جمع کر کے صورت حال کا جائزہ لیا جائے اور پوری قوم کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد اور ناقابل تسخیر بنایا جائے۔ دوسرے یہ کہ جاسوسوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔ خاص طور سے اسلام اور وطن کے ان غداروں پر کڑی نگرانی کی ضرورت ہے جن کا دائمی پیشہ غیروں کے لئے مسلمانوں کی منظم جاسوسی رہا ہے۔

دفاعِ پاکستان اور اس کے تقاضے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افغانستان میں روسی مداخلت پر پوری دنیا سراپا احتجاج ہے، جو احتجاجی بیانات اخبارات و رسائل میں آئے ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ روس کی افغانستان میں مداخلت جنوبی ایشیاء کے لئے خطرہ ہے، وہ اس کی مداخلت سے متاثر ہو سکتے ہیں خصوصاً ایشیا کو روس کی سمندری تعدیوں کے بارے میں تشویش لاحق ہے، اسی طرح پاکستان کے ساحل سے پاکستان کو روس سے فکر مند ہونا ایک فطری عمل ہے، مگر پاکستان کے دفاع کے لئے صرف فکر و تشویش کا اظہار کافی نہیں، بلکہ اس کے لئے موثر عملی تدابیر کا اختیار کرنا بھی ناگزیر ہے، کچھ تدابیر تو ایسی ہیں جن میں کافر و مسلم کا کوئی امتیاز نہیں، مثلاً اسلحہ کا حصول، اخلاقی و مادی مدد کا حصول، بین الاسلامی اور بین الاقوامی سطح پر قوموں سے حلف و معاہدے، جدید جنگی تکنیک میں مہارت، صحیح منصوبہ بندی اور لائحہ عمل مرتب کرنا وغیرہ، ان تدابیر سے ہمارے ارباب بست و کشاد کبھی غافل نہیں ہوئے، بلکہ وہ مقدور بھر مادی اسباب کی فراہمی میں کوشاں نظر آتے ہیں۔

ان کے علاوہ دفاع پاکستان کے کچھ تقاضے ایسے ہیں جو کسی غیر مسلم دماغ کو نصیب نہیں ہو سکتے، ان تدابیر کو صرف مسلمان ہی اختیار کر سکتا ہے، ان میں سب سے پہلی بات اعتماد علی اللہ ہے، یعنی تمام ظاہری و مادی وسائل اور تدابیر بروئے کار لانے

کے باوجود اعتماد اور بھروسہ ان وسائل اور ان تدابیر پر نہ ہو، بلکہ صرف اور صرف حق تعالیٰ شانہ کی نصرت و مدد پر بھروسہ کیا جائے، قرآن کریم میں صاف صاف فرمایا گیا ہے:

"اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَالَّذِىْ يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ." (آل عمران:۱۶۰)

ترجمہ:...... "اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا، اور اگر وہ تمہاری مدد سے ہاتھ کھینچ لے تو پھر اس کے سوا دوسرا کون ہے جو تمہاری مدد کرسکے اور اہل ایمان کو صرف اللہ ہی پر بھروسہ چاہئے۔"

اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان کبھی اپنی کثرت تعداد، اسلحہ کی فراوانی اور جنگی مہارت کی بنا پر غالب نہیں آئے، بلکہ انہیں جب بھی ان چیزوں پر ناز ہوا منہ کی کھائی، اس لئے جہاں ظاہری تدابیر مادی وسائل اور دفاعی قوت کا زیادہ سے زیادہ فراہم کرنا ضروری ہے وہاں اعتماد علی اللہ کی قوت بڑھانا اس سے بڑھ کر ضروری ہے۔

"خدا پر بھروسہ" ایک قلبی کیفیت ہے جس کا اظہار زبان سے نہیں بلکہ عمل سے ہونا ضروری ہے، کسی پر بھروسہ اور اعتماد اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ اس کے ساتھ ہمارا رابطہ استوار اور ہمارے تعلقات خوشگوار ہوں۔ پس "خدا پر بھروسہ" کی قوت بڑھانے کے لئے خدا تعالیٰ سے رابطہ و تعلق کا درست کرنا ضروری ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ اس کے احکام کی تعمیل کی جائے، اور اس کے ممنوعات سے پرہیز کیا جائے، اس کی مرضیات کی تلاش کی جائے، اور جو چیزیں اس کی ناراضی کی موجب

ہیں ان سے اجتناب کیا جائے، اسی کا دوسرا عنوان دین اسلام کی پابندی ہے۔ جو قوم فرائض الٰہیہ کی تارک ہو، محرمات کی مرتکب ہو، شعائر اسلامی کی تحقیر کرتی ہو، خدا کے دشمنوں سے پیار کرتی ہو، اور خدا کے دوستوں کو بنظر حقارت دیکھتی ہو اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہے، اور یہ کہ اسے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ ہے، تو اس کا یہ دعویٰ نہ صرف غلط، بلکہ شرمناک ہوگا۔

اسی کے ساتھ توبہ و استغفار اور دعاء و انابت کی بھی ضرورت ہے، جنگ بدر میں ـــــ جو اسلام اور کفر کی سب سے پہلی جنگ تھی ـــــ آنحضرت ﷺ کس طرح گڑگڑا کر ساری رات دعا فرماتے رہے؟ آنحضرت ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے اس حقیقت کبریٰ کا انکشاف کرتا ہے کہ مسلمانوں کی فتح و نصرت کا اصل راز حق تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانے اور بلبلانے میں ہے، اس قدر الحاح وزاری، عجز و نیاز اور بندگی و اضطرار کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں اسلام اور مسلمانوں کی فتح و نصرت کی دعا کی جائے کہ آسمان والوں کو زمین والوں پر ترس آنے لگے، اور آسمان پر ان کی فتح و نصرت کے فیصلے کردیئے جائیں۔

اور دعا کی قبولیت کے لئے لازم ہے کہ ہم ایک دوسرے کے حقوق ادا کردیں اور ہم میں کوئی شخص دوسروں پر ظلم کرنے والا نہ ہو، کیونکہ ظالم نہ صرف خود فتح و نصرت سے محروم رہتا ہے، بلکہ وہ جس قوم میں شامل ہو وہ بھی محروم ہوجاتی ہے۔

اسی کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ ہمارا جو وقت، جو روپیہ، جو قوتیں لایعنی، فضول اور بے مقصد کھیل تماشوں جیسی چیزوں پر خرچ ہورہی ہیں وہ مفید اور ضروری چیزوں پر خرچ ہونے لگیں، یہ مختصر سا نقشہ ہے ہماری دفاعی تیاری کا، اور یہ دیکھنا ہم سب کا فرض ہے کہ کیا ہم نے اس رخ پر سوچنے کی کبھی ضرورت محسوس کی ہے، اللہ

تعالیٰ اس ملک کی حفاظت فرمائے، اس کو اپنے دین کا قلعہ بنائے اور ہمیں ایسے حکمران عطا فرمائے جو اس کے احکام کی بالادستی قائم کریں، ظالموں کا قلع قمع کریں اور حضرت خاتم النبیین ﷺ کی سنت کی پابندی کریں۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۵ ؍فروری ۱۹۸۰ء)

فتح و کامرانی کا معیار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

وطن عزیز کو ان دنوں جن خطرات و مشکلات کا سامنا ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں، افغانستان کی کٹھ پتلی حکومت کی جانب سے پاکستانی سرحدوں کی مسلسل خلاف ورزی ہو رہی ہے، افغانی بمبار طیارے وقتاً فوقتاً پاکستانی علاقے میں گھس کر آگ برسا جاتے ہیں، روس کی جانب سے نہ صرف پاکستان کو خفی و جلی انداز میں دھمکیاں دی جارہی ہیں، بلکہ پاکستانی سرحد پر روسی افواج کی بڑی تعداد جمع ہے، ادھر بھارت نے پاکستان کے خلاف، جارحیت جس کے مزاج میں داخل ہے، اپنی مسلح افواج پاکستانی سرحد پر لگارکھی ہیں، اور کشمیر سرحد پر تجرباتی فائرنگ کر کے پاکستان کو مشتعل کرنے میں مصروف ہے۔ اسی کے ساتھ پاکستان کی پرامن ایٹمی تنصیبات کو تباہ کرنے کے منصوبے سوچے جارہے ہیں، ان تمام اشتعال انگیز حالات و واقعات کے باوجود پاکستان کی طرف سے جس صبر و تحمل، امن پسندی و عاقبت اندیشی کا مظاہرہ کیا گیا، اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے، لیکن صبر و تحمل کے معنی بزدلی اور غفلت

کوشی کے نہیں ہیں، خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے پاکستان کے دفاعی ادارے اپنی ذمہ داریوں سے باخبر اور پیش آمدہ حالات سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ہمیں امید ہے کہ ان کا عمل اس ارشاد نبویؐ پر ہوگا:

"لا تتمنوا لقاء العدو، فاذا لقيتم فاثبتوا."

(جامع الاصول ج:۲ ص:۵۶۸، ۵۶۹)

ترجمہ:...... "دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو، لیکن جب مقابلہ آن پڑے تو میدان میں ڈٹ جاؤ۔"

ایسے نازک حالات میں ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہدایات کو اپنا لائحہ عمل بنائیں، خدا و رسول کی اطاعت کو لازم پکڑیں، ذکر الٰہی کی طرف متوجہ ہوں اور تمام اختلافات و نزاعات کو فراموش کر کے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْآ اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. وَاَطِيْعُوا اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْآ اِنَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ." (الانفال:۴۵، ۴۶)

ترجمہ:...... "اے ایمان والو! جب تم کو کسی جماعت سے مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو ثابت قدم رہو، اور اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو، امید ہے کہ تم کامیاب ہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو، اور نزاع مت کرو، ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

مسلمانوں کو یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ان کی فتح و کامرانی کا معیار محض ساز و سامان کی فراوانی اور ان کی تعداد کی کثرت پر نہیں، بلکہ حق تعالیٰ شانہ کی نصرت و معیت پر ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

”اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ بَعْدِہٖ، وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔“ (آل عمران:۱۶۰)

ترجمہ:.....”اگر حق تعالیٰ تمہارا ساتھ دیں تو تم سے کوئی نہیں جیت سکتا، اور اگر تمہارا ساتھ نہ دیں تو اس کے بعد کون ہے جو تمہارا ساتھ دے؟ اور صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان والوں کو توکل کرنا چاہئے۔“

حق تعالیٰ شانہ کی نصرت و معیت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اپنی غلطیوں کی اصلاح کی جائے، گناہوں سے سچی توبہ کی جائے، حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام کیا جائے، اور حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں دعا والتجا کی جائے۔

(ہفت روزہ ختم نبوت کراچی ج:۳ ش:۱۷)

فضائی شراب خانہ...
نفاذِ اسلام کے نعروں کا منہ چڑانے کے مترادف ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام میں ام الخبائث (شراب) کی حرمت تشریح کی محتاج نہیں۔ قرآن کریم نے اسے گندگی، نجاست اور شیطانی عمل قرار دے کر اس سے اجتناب کرنے کی پر زور تاکید فرمائی ہے، آنحضرت ﷺ کے ارشادات مبارکہ میں شراب نوشی کو ایسا سنگین جرم قرار دیا گیا ہے کہ پڑھ کر ایک مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"عن جابر...... قال کل مسکر حرام ان علی اللہ عهدًا لمن یشرب المسکر ان یسقیه من طینة الخبال، قال عرق اهل النار او عصارة اهل النار، رواه مسلم." (مشکوٰۃ ص:۳۱۷)

ترجمہ:...... "آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نشہ آور مشروب حرام ہے اور اللہ تعالیٰ نے عہد کر رکھا ہے کہ شراب پینے والوں کو دوزخیوں کے زخموں کی گندگی پلائی جائے گی۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

"عن عبدالله بن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من شرب الخمر لم يقبل الله له صلوٰة اربعين صباحًا، فان تاب تاب الله عليه، فان عاد لم يقبل الله له صلوٰة اربعين صباحًا، فان تاب تاب الله عليه، فان عاد في الرابعة لم يقبل لهٗ الله صلوٰة اربعين صباحًا، فان تاب لم يتب الله عليه وسقاه من نهر الخبال. رواه الترمذي والنسائي وابن ماجة والدارمي."

(مشکوٰۃ ص:۳۱۷)

ترجمہ:......"جو شخص ایک بار شراب پئے اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں فرمائیں گے، اگر وہ توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کرلی جائے گی، دوبارہ شراب پئے تو پھر چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں ہوگی اور توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیں گے، سہ بار شراب پئے تو پھر اس کی نماز چالیس دن تک قبول نہیں ہوگی اور توبہ کرلے تو توبہ قبول ہوگی، اور اگر چوتھی بار شراب نوشی کا مرتکب ہو تو پھر اس کی نماز چالیس دن تک قبول نہیں ہوگی اور اب اگر توبہ بھی کرنا چاہے تو اندیشہ ہے کہ اسکی توفیق نہ ہو، بلکہ اسی جرم پر اس کا خاتمہ ہو، اور اللہ تعالیٰ اسے "نہر خبال" سے (جس سے

دوزخیوں کی پیپ بہتی ہے) پلائیں گے۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ:-

"عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یدخل الجنة عاق ولا قمار ولا منان ولا مدمن خمر. رواہ الدارمی." (مشکوٰۃ ص:۳۱۸)

ترجمہ:......"چار شخصوں کا داخلہ جنت میں ممنوع ہے، والدین کا نافرمان، جوئے باز، صدقہ کرکے جتلانے والا، اور شرابی۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

"عن ابی امامة قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ بعثنی رحمةً للعالمین وھدًی للعالمین، وامرنی ربی بمحق المعازف والمزامیر والاوثان والصلب وامر الجاھلیة وحلف ربی عز وجل بعزتی ولا یشرب عبد من عبیدی جرعة من خمر الا سقیته من الصدید مثلھا ویترکھا من مخافتی الا سقیته من حیاض القدس. رواہ احمد." (مشکوٰۃ ص:۳۱۸)

ترجمہ:......"اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمۃ للعالمین اور جہانوں کا ہادی بناکر بھیجا ہے اور مجھے میرے رب نے گانے بجانے کے سامان، بتوں اور صلیبوں کے توڑنے اور امور جاہلیت کے مٹانے کا حکم فرمایا ہے اور میرے رب عزوجل نے

قسم کھائی ہے کہ مجھے اپنی عزت کی قسم! میرے بندوں میں سے جو بندہ شراب کا ایک گھونٹ پئے گا، میں اسی قدر اس کو پیپ پلاؤں گا اور جو بندہ اس کو میرے خوف سے چھوڑ دے گا میں اسے بارگاہ قدس کے حوضوں کا آب طہور پلاؤں گا۔“

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

”عن ابن عمر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ثلثة قد حرم الله علیهم الجنة، مدمن الخمر والعاق والدیوث الذی یقر فی اهله الخبث. رواه احمد والنسائی.“ (مشکوٰۃ ص:۳۱۸)

ترجمہ:...... ”اللہ تعالیٰ نے تین شخصوں پر جنت حرام کردی ہے شراب خور، والدین کا نافرمان، اور وہ دیوث، جو اپنے گھر میں گندگی کو برداشت کرتا ہے۔“

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

”عن دیلم الحمیری قال قلت لرسول الله صلی الله علیه وسلم: یا رسول الله! انا بارض باردة ونعالج فیها عملاً شدیدًا وانا نتخذ شرابًا من هٰذا القمح نتقوی به علیٰ اعمالنا وعلیٰ برد بلادنا، قال: هل یسکر؟ قلت: نعم! قال: فاجتنبوه. قلت: ان الناس غیر تارکیه. قال: ان لم یترکوه قاتلوهم. رواه ابو داؤد.“

(مشکوٰۃ ص:۳۱۸)

ترجمہ:...... ”ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگ سرد علاقے کے باشندے ہیں اور محنت بھی بہت کرتے ہیں، سردی اور مشقت کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم گیہوں سے ایک مشروب تیار کرکے استعمال کیا کرتے ہیں، فرمایا: کیا وہ نشہ آور ہوتی ہے؟ عرض کیا، جی ہاں! نشہ تو اس میں ہوتا ہے، فرمایا: تو پھر اس سے اجتناب لازم ہے، عرض کیا: لوگ تو اس کو ترک نہیں کریں گے، فرمایا: ایسے لوگوں سے جنگ کرو۔“

”عن وائل الحضرمی ان طارق بن سوید سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الخمر فنہاہ، فقال: انما اصنعھا للدواء! فقال: انہ لیس بدواء ولکنہ داء. رواہ مسلم.“ (مشکوٰۃ ص:۳۱۷)

ترجمہ:...... ”حضرت طارق بن سویدؓ نے آنحضرت ﷺ سے شراب کشید کرنے کی بات کی تو آپ ﷺ نے منع فرمایا، انہوں نے عرض کیا کہ میں صرف علاج معالجہ اور دوا دارو کے لئے کشید کرنا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا وہ دوا نہیں، وہ تو بیماری ہے۔“

قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کے ان صریح ارشادات کے بعد تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی مسلمان اس ام الخبائث کے قریب بھی جاسکتا ہے، لیکن کس قدر لائق شرم ہے یہ بات کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں شراب کے لائسنس حکومت کی طرف سے جاری کئے جاتے ہیں۔

مارشل لاء حکومت نے نہ صرف شد و مد سے اس کی بندش کا اعلان کیا ہے بلکہ شراب نوشی کی شرعی حد جاری کرنے کا بھی اعلان ہوا ہے، لیکن ہمارے علم میں نہیں کہ طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود شراب نوشی کی شرعی سزا پورے ملک میں ایک بار بھی جاری ہوئی ہو، اس کے برعکس شراب نوشی کے بہت سے چور دروازے اب بھی کھلے ہیں اور ام الخبائث کے مریض ان خفیہ ذرائع سے اپنے مرض کی تسکین کرتے رہتے ہیں۔ سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ پی آئی اے کی بیرون ملک پروازوں میں شراب کی باقاعدہ سپلائی کی جاتی ہے، جونہی طیارہ فضا میں بلند ہوتا ہے، مسافروں کو ایک مطبوعہ فہرست پیش کی جاتی ہے، جس میں آٹھ منتخب شرابوں کے نام درج ہیں، اور اس کے ساتھ یہ معذرت بھی تحریر ہے کہ:

> ''ہم نے دنیا بھر کی شرابوں میں سے مندرجہ فہرست شرابوں کا انتخاب کیا ہے اگر آپ ان کے علاوہ کسی اور شراب کو پسند فرماتے ہیں، تو ہم اس کے مہیا نہ کرنے پر معذرت خواہ ہیں۔''

پی آئی اے کی پروازوں میں ''ہوائی شراب خانے'' کا وجود ہمارے اسلامی نظام کے نعروں کی حقیقت واضح کرنے کے لئے کافی ہے، ہم ارباب اقتدار سے بصد ادب گزارش کریں گے کہ بندش شراب کے قانون کا احترام کرتے ہوئے پی آئی اے کے ہوائی شراب خانوں کو ختم کردیا جائے۔ اسلامی نظام اور فضائی شراب خانے دونوں ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۲ر فروری ۱۹۸۰ء)

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کا بورڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر مملکت جنرل محمد ضیاءالحق نے ''ادارۂ تحقیقات اسلامی'' اسلام آباد کے ''بورڈ آف گورنرز'' کی منظوری دے دی ہے، بورڈ کے چیئرمین وفاقی وزیر کے برابر ہوں گے، جب کہ ارکان میں مندرجہ ذیل حضرات گرامی ہیں:

۱:...... مسٹر جسٹس محمد افضل چیمہ، چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل۔

۲:...... مسٹر فضل الرحمٰن، سیکرٹری وزارت مذہبی امور۔

۳:...... مسٹر جسٹس کے ایم اے صمدانی۔

۴:...... مسٹر ایم اے قاضی، سیکرٹری وزارت تعلیمات۔

۵:...... ڈاکٹر عبدالواحد، ڈائریکٹر ادارۂ تحقیقات اسلامی۔

۶:...... ڈاکٹر احمد محی الدین، وائس چانسلر قائداعظم یونیورسٹی۔

۷:...... ڈاکٹر ایس ایم زمان، وائس چانسلر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی۔

۸:...... پروفیسر محمد زبیر، پشاور یونیورسٹی۔

۹:...... وزارت خزانہ کے ایڈیشنل سیکریٹری کے برابر کے عہدے کا افسر۔

ان کے علاوہ کچھ غیر سرکاری ارکان بھی مقرر کئے جائیں گے۔

اس سے قطع نظر کہ ''ادارۂ تحقیقات اسلامی'' کی ضرورت کیا ہے؟ اس کے

اغراض و مقاصد کیا ہیں؟ اور اس کا اب تک کا میزانیہ اور کارنامہ کیا ہے؟ اس امر سے بھی قطع نظر کہ اس ''بورڈ آف گورنرز'' کے فرائض کیا ہیں؟ ایک عام پاکستانی شہری کے لئے اس خبر کے دو پہلو خاصے دلچسپ ہیں:

ایک یہ کہ ادارہ ہے ''تحقیقات اسلامی'' کا، مگر اس کے فاضل ارکان کی وضع قطع، لباس و پوشاک، تمدن و معاشرت اور تعلیم و ثقافت، خالص انگریزی، اور اسی بنا پر اس کا نام بھی ''بورڈ آف گورنرز'' انگریزی ہی تجویز کیا گیا ہے۔

دوم یہ کہ یوں تو ماشاءاللہ پاکستان بہت ہی خوش قسمت ملک ہے، کسی زمانے میں ''دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت'' کہلاتا تھا، مگر اب بھی ''سب سے بڑی'' نہ سہی ''بڑی اسلامی سلطنت'' ضرور ہے، یہاں بحمداللہ دین اور دینداری کا چرچا بھی بہت ہے، دینی مدارس بھی بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر قرآن کریم حدیث نبوی اور دیگر اسلامی علوم وفنون کی تعلیم دے رہے ہیں، خیال تھا کہ ملک میں اعلیٰ پائے کے عالم، مفتی اور علوم دینیہ کے ماہرین بھی ضرور ہوں گے، مگر اس پوری فہرست میں کسی ایک بھی عالم دین کا نام نہ دیکھ کر یہ پہلی بار احساس ہوا کہ شاید پورے ملک میں ایک بھی عالم دین ایسا نہیں جسے ''دین کا دانائے راز'' سمجھ کر ادارۂ تحقیقات اسلامی کی رکنیت کا اہل تصور کیا جاتا، ورنہ جناب صدر اور فاضل ارکان اس کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کی سعادت ضرور حاصل کرتے، اور اس سلسلہ میں کسی بخل اور تنگ دلی سے کام نہ لیا جاتا، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس ملک میں علماءِ دین کا کتنا قحط ہے، اور ہوا کے اس رخ کو دیکھ کر یہ اندازہ کرنا بھی مشکل نہیں کہ اس ملک میں اسلام، اسلامی تحقیقات اور علمائے اسلام کا مستقبل کیا ہے؟

غنی روزہ سیاہ پیر کنعان را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

''اسلامی تحقیقات'' کا ایک عرصہ سے مغرب میں بھی بڑا زور ہے، اور یہودی وعیسائی مستشرقین کی کھیپ کی کھیپ اسلام پر ''تحقیقات'' کر رہی ہے، جس میں ان کی بوالعجبیاں بعض اوقات ایسی دلچسپ ہوتی ہیں کہ ایک حقیقت شناس کے لئے ہنسی ضبط کرنا مشکل ہوجاتا ہے اور چونکہ مشرق نے کافی عرصہ سے مغرب کی تقلید کی قسم کھا رکھی ہے اس لئے اسی نوعیت کی ''اسلامی تحقیقات'' کو اب مشرق کی اونچی سوسائٹی میں لائق فخر تصور کیا جاتا ہے اور ہماری جدید تعلیم گاہوں اور دانش کدوں میں یہی ذوق اور طرز فکر غالب ہے، اور بدقسمتی سے آج دنیا کی مارکیٹ میں اسی نمائشی سودے کی مانگ ہے، مگر اہل نظر جانتے ہیں کہ دین کا ایک مخصوص ذوق ایک خاص مزاج اور خاص رنگ ہے، جو آنحضرت ﷺ خلفائے راشدینؓ، صحابۂ کرامؓ کے وقت سے متوارث چلا آتا ہے، جب دین کو بحیثیت دین کے، اسی ذوق ومزاج کے مطابق نہ سمجھا جائے اس وقت تک معلومات کا پشتارہ ضرور لادا جاسکتا ہے، مگر آدمی میں خود دین نہیں آتا، نہ اس کا حال وقال دین کے رنگ سے رنگین ہوتا ہے، جہاں تک وسعت معلومات کا تعلق ہے یورپ کے مستشرقین بھی اس معاملہ میں کسی سے پیچھے نہیں، مگر انہوں نے دین کو چونکہ اہل دین کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرکے نہیں سیکھا، اس لئے اپنی وسعت معلومات کے باوصف وہ ''عالم دین'' تو کیا ہوتے، خود اسلام کے حلقہ بگوش بھی نہ ہوسکے اسی کو لسان العصر اکبر مرحوم نے کہا تھا:

نہ کالج سے نہ کتابوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

ہماری دعا ہے کہ ''ادارۂ تحقیقات اسلامی'' کا کل سرمایہ بھی بس یورپ کے مستشرقین کی سی ''اسلامی تحقیقات'' نہ ہو بلکہ خدا کرے کوئی ''اہل نظر'' بھی اسے میسر آجائے جس کے دم قدم سے ہمیں ''اسلامی تحقیقات'' کی نہیں بلکہ ''اسلام'' کی نعمت مل سکے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۴/ مارچ ۱۹۸۰ء)

پہلے نماز، باقی سب کچھ بعد میں

کا اصول رائج کیجئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''صدر مملکت چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاءالحق نے ''یوم پاکستان'' کے پیغام میں فرمایا ہے کہ ایک مسلمان اور ایک پاکستانی کی حیثیت سے ہمیں لازمی طور پر اپنے خیالات اور عمل کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسلام کے مؤقف کو فروغ دینے پر مرکوز کرنا چاہئے۔''

یہ بات ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا اور اس کے وجود و بقا، نشو و نما، سالمیت و حفاظت کا انحصار بھی صرف اور صرف اسلام پر ہے، خدانخواستہ اس کے جسم سے اسلام کی روح نکل گئی تو اس کا شیرازۂ زندگی منتشر ہو جائے گا اور مادیت کا کوئی انجکشن اس کی بحالی صحت کے لئے کارگر نہیں ہوگا، مقام شکر ہے کہ ہمارے قومی راہنما ہر موقع پر بار بار اس امر کی یاد دہانی ضروری سمجھتے ہیں کہ اسلام، پاکستان کے لئے لازمۂ حیات ہے، لیکن جب ہم اپنے عمل و کردار کا جائزہ لیتے ہیں تو ہماری حالت اس ''قول'' کے یکسر مختلف نظر آتی ہے، ہم زبان سے جس شدت و کثرت کے ساتھ اسلام کی گردان کرتے ہیں، عملی طور پر اسی شدت و کثرت سے اسلام کے صریح احکامات کو چیلنج کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر اسلام کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے حکم ''نماز'' کو

لیجئے، ہر شخص جانتا ہے کہ ''نماز اسلام کا ستون ہے۔'' آنحضرت ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کے زمانے میں کوئی شخص اس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ ایک شخص اسلام کا مدعی ہو، اور پھر وہ نماز کا تارک بھی ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلیٰ حکام کے نام گشتی فرمان جاری فرمایا تھا کہ ''میرے نزدیک تمہارے تمام فرائض میں سب سے اہم نماز ہے، جو شخص اس کی ٹھیک ٹھیک پابندی کرتا ہے وہ اپنے دوسرے فرائض بھی ضرور بجالائے گا، لیکن جو شخص اس میں کوتاہی کرتا ہے وہ دیگر فرائض کو بدرجۂ اولیٰ غارت کرے گا۔''

قرآن کریم اور حدیث نبوی میں نماز کی جس قدر تاکید اور اہمیت بیان کی گئی ہے اسے سامنے رکھ کر ''اسلامیہ جمہوریہ پاکستان'' کے اعلیٰ حکام اور یہاں کے فدایان اسلام عوام کی حالت کا جائزہ لیجئے کہ ان میں کتنے فیصد اسلام کے اس سب سے بڑے فریضہ کو بجالاتے ہیں؟ اور پھر اسی سے قیاس کیجئے کہ جب نماز کا یہ حال ہے تو یہ حضرات اسلام کے دیگر احکام پر کس حد تک عمل پیرا ہوں گے، جب ہمارا اسلام کے ساتھ یہ سلوک ہے تو ملک وملت کی بہی خواہی کی توقع ہم سے کب کی جاسکتی ہے؟ جو قوم ''خدائی فریضہ'' کو ٹال جاتی ہو وہ ''سرکاری فریضہ'' کس طرح بجالاسکتی ہے، اور جب ہمارے حکام عالی مقام اسلام کے ساتھ یہ سلوک روا رکھیں تو ''الناس علیٰ دین ملوکھم'' کے مطابق ہمارے عوام ان کی تقلید کیوں نہ کریں گے؟

حال ہی میں ہمیں ایک نوجوان کا خط موصول ہوا ہے جس سے ہمارے افسران بالا کی اسلام پسندی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، وہ صاحب لکھتے ہیں:

''ہمارے چند افسران بالا عموماً یہ کہہ دیتے ہیں کہ ''ڈیوٹی پہلے نماز بعد میں'' جبکہ ڈیوٹی بھی ایسی جو کہ زیادہ اہمیت

کی حامل نہیں ہوتی، مثال کے طور پر: ہاکی کا میچ ہو رہا ہے اس کو
دیکھنا سب کے لئے ضروری ہوتا ہے، چونکہ افسران بالا آئے
ہوتے ہیں جس کی وجہ سے کسی جوان کو اجازت نہیں کہ میچ کے
اختتام سے پہلے چلا جائے، اگر ہم جیسے گنہ گار بوقت نماز اصرار
کرتے ہیں اور اجازت طلب کرتے ہیں تو یہ کہا جاتا ہے کہ
''ڈیوٹی پہلے نماز بعد میں'' چاہے نماز قضا ہی کیوں نہ ہو جائے،
افسوس کی بات تو یہ ہے کہ یہ الفاظ ایک مسلمان کی زبان سے
نکلتے ہیں جس پر کافی صدمہ ہوتا ہے۔''

گویا ہمارے اعلیٰ افسران کے نزدیک کھیل تماشہ تو ''ڈیوٹی'' کی حیثیت رکھتے ہیں مگر نماز کی اہمیت ان کی نظر میں اتنی بھی نہیں جتنی کہ ہاکی کے کھیل کی، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ہم جناب صدر سے مؤدبانہ التماس کریں گے کہ اسلام کے موقف کو فروغ دینے کے لئے اسلام کے ستون (نماز) کو قائم کرنا ہمارا اولین فریضہ ہے، اس لئے تمام دفاتر میں نماز کا اہتمام سرکاری فرائض میں شمار ہونا چاہئے، ہماری زندگی میں ''ڈیوٹی پہلے، نماز بعد میں'' کا اصول نہیں بلکہ ''نماز پہلے، باقی سب کچھ بعد میں'' کا اصول رائج ہونا چاہئے، کھیل تماشے کو نماز پر ترجیح دینے کی شکایت بڑی سنگین شکایت ہے، ہم توقع کرتے ہیں کہ اس شکایت کے ازالہ کی طرف فوری توجہ کی جائے گی۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۸/ مارچ ۱۹۸۰ء)

تعلیم اور اسلامی اقدار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سپریم کورٹ کے چیف جسٹس ایس انوار الحق صاحب نے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ریلیشنز کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ملک کو درپیش خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے نصاب تعلیم میں اسلامی اقدار کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے، انہوں نے پڑوسی ملک کی صورت حال کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی ممالک متحد ہو جائیں۔

اس نوعیت کے پاکیزہ خیالات کا اظہار ہمارے ذمہ دار حضرات کی طرف سے وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے راہنماؤں کو جدید نسل میں بڑھتی ہوئی بے چینی کا احساس ہے، مگر صورت حال روز بروز قابو سے باہر اس لئے ہوتی جارہی ہے کہ مادیت کے موجودہ بحران میں نوجوان نسل کی صحیح تربیت نہیں ہوسکی، اور ایک اسلامی ملک کو جس جرأت وعزیمت کے ساتھ دنیا کے باطل نظاموں سے بغاوت کرکے اسلامی اقدار کو سربلند کرنے کا کارنامہ انجام دینا چاہئے تھا وہ ہم سے نہیں بن پڑا۔

جہاں تک نصاب تعلیم میں اسلامی اقدار کو اجاگر کرنے کا تعلق ہے اس کی ضرورت و اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، واقعہ یہ ہے کہ ہمارے نصاب تعلیم میں اسلام اور ''اسلامیات'' کو محض ثانوی سی حیثیت دی گئی ہے جو طلبہ میں اسلامی حمیت

پیدا کرنے اور ان میں اسلامی تشخص اور اسلامی اقدار کو اجاگر کرنے میں قطعاً ناکافی، بلکہ ناکام ہے، اگر اس ملک کی نوجوان نسل کی اس انداز سے تربیت مقصود ہے کہ وہ اچھے مسلمان اور اچھے شہری ثابت ہوں تو اس کے لئے ہمیں نہ صرف نصاب پر نظر ثانی کرنا ہوگی، بلکہ طرز تعلیم میں بنیادی تبدیلیاں لانا ہوں گی، اور اس سے بھی اہم تر بات یہ کہ ہمیں اساتذہ کے انتخاب میں تیقظ و بیدار مغزی سے کام لینا ہوگا۔

آج کے تعلیمی اداروں اور دانش کدوں میں استاد و شاگرد کے درمیان عقیدت و شفقت کا وہ رشتہ باقی نہیں رہا جو پرانے وقتوں میں ہوا کرتا تھا، استاد عزت واحترام کا نشان سمجھا جاتا تھا اور سعید فطرت طالب علم، اپنے استاد کا باپ سے بڑھ کر احترام کرتے تھے، ادھر اساتذہ اپنے عزیز شاگردوں پر اپنی سگی اولاد سے زیادہ شفقت فرمایا کرتے تھے، لیکن دور جدید کے طرز تعلیم نے تعلیم کے شعبے کو بھی ''سوداگری'' بنا ڈالا، ہزاروں میں دو چار ہی طالب علم ایسے ہوں گے جو اساتذہ کی عزت دل میں رکھتے ہوں اور اساتذہ میں بھی شاذ و نادر ہی ایسی شخصیتیں ہوں گی جو شفقت و محبت کے ساتھ اپنے زیر تعلیم طلبہ کی صحیح تعلیم و تربیت کا احساس رکھتے ہوں، رشتۂ تعلیم سے وابستہ تمام حضرات کو سوچنا چاہئے کہ یہ بگاڑ کہاں سے ابھرا؟ اور اس کی اصلاح کیونکر ہوسکتی ہے؟ جب تک اس بنیادی بگاڑ کی اصلاح نہ ہو طلبہ میں اسلامی اقدار کا اجاگر کرنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟

اساتذہ میں ایک بڑی تعداد ایسے حضرات کی ہے جن کی زندگی میں خود ہی اسلامی اقدار نمایاں نہیں، ان کی بود و باش اور طرز حیات میں اسلام کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی، اسلامی وضع قطع، اسلامی طرز معاشرت اور اسلامی اخلاق و اعمال سے لے کر اسلامی افکار و نظریات تک سے ان کا دامن تہی ہے، ظاہر ہے کہ ایسے اساتذہ کے

سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے والے طلبہ میں اسلامی اقدار کے اجاگر ہونے کا خواب، محض خواب پریشان ہوگا، اگر ہمارے ذمہ دار حضرات طلبہ میں اسلامی اقدار اجاگر دیکھنے کے متمنی ہیں تو انہیں اس کے لئے کوئی عملی قدم بھی اٹھانا چاہیئے، محض اچھی آرزوؤں اور خوش آئند تقریروں سے انسانی زندگی کے قبلہ کی سمت درست نہیں ہوجاتی۔

یہ بات تجربہ کی کسوٹی پر سو فیصد صحیح ثابت ہوئی ہے کہ استاد جن افکار و نظریات اور اخلاق و اوصاف کا حامل ہوگا، اس کے شاگردوں میں وہی رنگ آئے گا، استاد کا سینہ ایمان سے منور ہو اور وہ طالب علموں کو الحاد و زندقہ پر مشتمل کتاب پڑھائے تب بھی طالب علم اس سے ایمان ہی سیکھیں گے، اور ایک ملحد و بے دین استاد طلبہ کو قرآن کریم پڑھائے تو طالب علم الحاد و بے دینی کا رنگ لے کر اٹھیں گے، ہماری تعلیم گاہوں میں اس نکتہ کو یکسر فراموش کردیا گیا ہے، یہاں یہ تو دیکھا جاتا ہے کہ ڈگری کے لحاظ سے استاد اس منصب کا اہل ہے یا نہیں؟ مگر یہ قطعاً نہیں دیکھا جاتا کہ وہ مسلمان بھی ہے یا نہیں؟ اور وہ اسلامی اخلاق و اقدار کے معیار پر بھی پوری اترتا ہے یا نہیں؟ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہماری درس گاہوں میں ''اسلامیات'' کی تعلیم بعض ایسے اساتذہ کے بھی سپرد ہے جو ڈگری کے لحاظ سے اگرچہ ایم اے اسلامیات، اور پی ایچ ڈی ہیں مگر ان کی زندگی کے کسی شعبے میں نہ اسلام کا کوئی شائبہ پایا جاتا ہے، نہ اسلامیات کی کوئی جھلک دکھائی دیتی ہے، اور نہ وہ اسلام کے فلسفۂ حیات پر ہی یقین و اعتماد رکھتے ہیں اس ماحول میں یہ توقع عبث ہے کہ طلبہ میں اسلامی اقدار اجاگر ہوں گی۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۴راپریل ۱۹۸۰ء)

اسلام کی نشأۃ ثانیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر جنرل محمد ضیاءالحق نے علامہ اقبال کے بیالیسویں یوم وفات پر اپنے پیغام میں فرمایا:

''علامہ اقبال کی ۴۲ ویں برسی ایسے وقت آئی ہے جب دنیا اسلام کی نشأۃ ثانیہ دیکھ رہی ہے، انہوں نے مسلمانوں کو اسی کے لئے خواب سے جگایا تھا اور کھوئی ہوئی عظمت و شوکت دوبارہ حاصل کرنے کے لئے ان میں نئی روح پھونکی تھی۔ علامہ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعہ مسلمانوں کو اس خطرہ سے آگاہ کیا تھا کہ کہیں کفار کی چمک دمک سے ان کی آنکھیں خیرہ نہ ہوجائیں۔ علامہ مرحوم نے مسلمانوں پر زور دیا تھا کہ وہ اسلامی روایات کی حقیقی قدر و قیمت پہچانیں، انہوں نے یہ پرخلوص مشورہ دیا تھا کہ ہم اپنے سماجی، اقتصادی اور سیاسی مسائل کے لئے قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ سے راہنمائی حاصل کریں۔''

انہوں نے ''اسلام کی نشأۃ ثانیہ'' کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ

ہمارے لئے جہاں مشعل راہ اور خوش کن ہے وہاں ہماری توجہ کا بھی مستحق ہے، بلاشبہ اسلام، اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہدایت ہے جو اس کے آخری رسول حضرت خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ انسانیت کو عطا کیا گیا، یہی کامل ومکمل دین فطرت ہے جو فطرت انسانی کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی کرتا ہے جو کارگاہ حیات میں انسانیت کو اعتدال اور معقولیت کا درس دیتا ہے، جو عبد اور معبود کے درمیان صحیح رشتہ قائم کرتا ہے، جو انسانی حقوق وفرائض کی منصفانہ حد بندی کرتا ہے، جو عقائد وعبادات، معاملات و معاشرت اور سیاست وتمدن کے فطری اصول وضع کرتا ہے، اور جو انسانیت کے تمام زخموں کا مرہم بھی مہیا کرتا ہے۔

۱۹۴۹ء میں جب مسٹر لیاقت علی خان مرحوم نے ''قرار داد مقاصد'' اسمبلی میں پیش کی تو اس کی تائید کرتے ہوئے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا تھا:

> ''میں نہ صرف اس کی تائید کرتا ہوں، بلکہ آج اس بیسویں صدی میں (جب کہ ملحدانہ نظریات حیات کی کشمکش اپنے انتہائی عروج پر پہنچ چکی ہے) اس چیز کے پیش کرنے پر موصوف کے عزم وہمت اور جرأت ایمانی کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔
>
> اگر غور کیا جائے تو یہ مبارکباد فی الحقیقت میری ذات کی طرف سے نہیں بلکہ اس پسی ہوئی اور کچلی ہوئی روح انسانیت کی جانب سے ہے، جو خالص مادہ پرست طاقتوں کی حریفانہ حرص اور رقیبانہ ہوسنا کیوں کے میدان کارزار میں مدتوں سے پڑی کراہ رہی ہے اس کے کراہنے کی آوازیں اس قدر درد انگیز ہیں کہ بعض اوقات اس کے سنگدل قاتل بھی گھبرا اٹھتے ہیں اور

اپنی جارحانہ حرکات پر نادم ہوکر تھوڑی دیر کے لئے مداوا تلاش کرنے لگتے ہیں۔"

آج دنیا کی فضا پر انسانیت کی ہلاکت و بربادی کے جو سیاہ بادل اُمڈ رہے ہیں صرف اسلام کا سایۂ رحمت ہی اسے ان خوفناک خطرات سے بچاسکتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اسلام کا پیام رحمت ان تک کون پہنچائے؟ اسلامی ممالک اس مغربیت کے طوفان میں گلے گلے ڈوب رہے ہیں جس سے بچنے کی علامہ اقبال مرحوم نے وصیت کی تھی ہمارے مقتدیان قوم اس یقین و عزم سے تہی دامن ہیں جس کی ضرب ید اللہی مغربیت کے سحر سامری کو ریزہ ریزہ کرڈالے، قرآن ان کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے:

"اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ۔" مگر ان کا ایک ایک قدم جادۂ اسلام سے باہر اٹھ رہا ہے، ان کے دساتیر قرآن کریم اور سنت نبویؐ کے بجائے گمراہ قوموں کے بھکاری ہیں، ان کا معاشرہ نبوت کے نقش قدم کے بجائے یہود و نصاریٰ کی نقالی کررہا ہے، ان کے فیصلے اسلامی قانون کے بجائے لادینی قانون کے مطابق ہورہے ہیں، ان کی اقتصادیات کی گاڑی یہودی سرمایہ کاروں کی بچھائی ہوئی لائن پر چل رہی ہے، ان کی شکل و وضع، بود و باش، سماج و معاشرت اور قلب و قالب مغرب کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں، قول و فعل کا یہ تضاد اور خود مسلمانوں کی "نامسلمانی" اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، دنیا کی روح اسلام کے لئے تڑپ رہی ہے لیکن وہ اسلام کے سایۂ رحمت سے اس لئے مستفید نہیں ہوسکتی کہ آج عالم اسلام کا کوئی ملک، اسلامی معاشرت، اسلامی سیاست، اسلامی اقتصادیات اور اسلامی اخلاق کا عملی نمونہ پیش نہیں کرتا، جس کو دیکھ کر دنیا کو اسلام کی برکات کا احساس ہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار بندے آج بھی اسلامی

تعلیمات پر عمل پیرا ہیں اور ان کی زندگی اسلام کا مکمل نمونہ پیش کرتی ہے، مگر دنیا انفرادی نمونہ کی نہیں بلکہ اسلام کے اجتماعی نمونہ کی متلاشی ہے۔

پاکستان اسلام کا اجتماعی نمونہ پیش کرنے کی غرض سے بنایا گیا تھا، لیکن افسوس ہے تہائی صدی میں یہاں اس سمت پہلا قدم بھی نہیں اٹھایا جاسکا اس کے برعکس وسائل کی پوری طاقت سے پاکستانی معاشرے کو مغربی معاشرت کا غلام بے دام بنا کر رکھدیا گیا ہے اسلام کی نشاۃ ثانیہ ضرور ہوگی، اور جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا اس کی اہلیت کے لوگ بھی اللہ تعالیٰ پیدا فرمادیں گے، لیکن ہمارے لئے لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ جن اعمال و افکار اور اخلاق و معاشرت کا طوفان ہمارے یہاں برپا ہے اس سے کیا اسلام کی نشاۃ ثانیہ بروئے کار آئے گی؟ کیا مرد و زن کا اختلاط، راگ رنگ کے نغمے، خواتین کے ہاکی میچ اور رنگین فلموں اور ثقافتی طائفوں کی درآمد و برآمد اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے کفیل ہیں؟ اسلام کی غیرت غیر اسلامی ماحول کو برداشت نہیں کرتی، خدا تعالیٰ کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ منظور ہوگی تو اس سے پہلے قدرت موجودہ دور کے گندے ماحول کا صفایا کرے گی، مسلمانوں کو یا تو اسلام کے مطابق ڈھل جانا چاہئے یا اسلام کے راستے سے ہٹ جانا چاہئے، قدرت اب زیادہ دیر تک ان کی نفاق آمیز زندگی کو برداشت نہیں کرے گی۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۵/اپریل ۱۹۸۰ء)

اسلامی وزرائے خارجہ کانفرنس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پاکستان میں آج کل عالم اسلام کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس منعقد ہورہی ہے، جس میں عالم اسلام کے تمام مسائل پر غور کے ساتھ ایران، بیت المقدس، فلسطین اور افغانستان کی صورت حال کے بارے میں عام مشورہ کیا جائے گا، اور اس ضمن میں مستقبل کا لائحہ عمل تیار ہوگا، عالم اسلام آج کل جس کیفیت اور تکلیف دہ صورت حال میں مبتلا ہے اس کی ماضی میں نظیر نہیں ملتی، چاروں طرف اسلام دشمن قوتیں مسلمانوں کو مٹانے کے لئے سرگرداں ہیں اور جگہ جگہ ان کو ختم کرنے کی سازشیں کی جارہی ہیں، ایک طرف روس مسلمانوں پر حملہ آور ہے تو دوسری طرف امریکہ، اسرائیل کے ذریعہ عرب ممالک کو بلیک میل کرنے کی کوشش کررہا ہے۔ ان حالات کا ایک فائدہ تو یہ ضرور ہوا ہے کہ عالم اسلام ایک جگہ اور مقام پر صف آراء ہوگیا ہے مگر صرف اس مل بیٹھنے سے کیا حاصل جب تک عملی کارروائی میں بھی یکسانیت نہ ہو، ان تمام تکالیف دہ حالات کے باوجود اب بھی مسلمان آپس میں دست وگریباں ہیں، ایران، عراق کی لڑائی، شام میں آپس کے فسادات، ایران میں کردوں اور ایرانیوں کی لڑائی، مصر کی الگ اور علیحدہ روش، یہ تمام چیزیں ایسی ہیں جو عالم اسلام کو اندر سے کھوکھلا کررہی ہیں، اس لئے ایک جگہ مل بیٹھنے کے بعد سب سے پہلے بنیادی کام یہ ہونا چاہئے کہ آپس کی لڑائیوں اور خلفشار کو بالکل ختم کرکے ایک دوسرے کے بھائی اور معاون بن

جائیں، اور ایک دوسرے کی تمام غلط فہمیوں کو دور کریں، اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی صورت اختیار کی جائے، جب یہ چیز پیدا ہوجائے تو اس کے بعد عالم اسلام مشترکہ دفاع کی تجویز پر غور کرے، اور واضح طور پر یہ اعلان کردیا جائے کہ عالم اسلام کی حیثیت ایک ملک واحد کی حیثیت ہے اور کسی ایک ملک پر حملہ تمام عالم اسلام پر حملہ تصور ہوگا، اور سارا عالم اسلام متحد ہوکر اس ملک کا دفاع کرے گا، ایک دوسرے کی امداد کے لئے فوج کا بھیجنا اور ایک دوسرے کی امداد کے لئے مل کر محاذ جنگ پر لڑنا اور اقتصادی وفنی شعبوں میں بھی ایک دوسرے کی امداد کرنا ہمارا مقصد حیات اور کوشش اولین ہونا چاہئے، جس طرح ایک ملک کے صوبہ پر حملہ پورے ملک پر حملہ متصور ہوتا ہے اسی طرح ایک ملک پر حملہ عالم اسلام پر حملہ تصور ہونا چاہئے، اور مشترکہ دفاعی کارروائی کا سہارا لینا چاہئے اگر اس کانفرنس نے اس قسم کا فیصلہ کرلیا تو یقین کامل ہے کہ آئندہ کوئی ملک بھی کسی اسلامی ملک پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرسکے گا اور سارا عالم اسلام ایک مضبوط بلاک کی صورت میں دنیا کے نقشہ پر ابھرے گا، لیکن اگر اس کانفرنس نے بھی سابقہ کانفرنسوں کی طرح صرف قراردادوں ہی پر اکتفا کیا اور کوئی عملی کاروائی نہیں کی تو ابھی صرف افغانستان کا نمبر آیا ہے اس کے بعد دوسرے اسلامی ممالک پر بھی اسی طرح حملے ہوتے رہیں گے اور اسلامی ممالک اس کے مقابلے کے لئے اسی طرح قرار دادیں پاس کرتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ ہی ہماری حفاظت فرمائے، ہمیں مکمل طور پر ہدایت دے اور ہمیں عالم اسلام کے دفاع کے لئے اتحاد و اتفاق سے سرگرم عمل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۴ر مئی ۱۹۸۰ء)

شکر میں کمی ... ماہِ رمضان کا انتخاب!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاءالحق صاحب نے پچھلے دنوں پاکستان کے عوام سے اپیل کی کہ وہ ماہ رمضان کے دوران چینی کا استعمال نہ کریں، کیونکہ چینی کی درآمد پر ڈھائی ارب روپے سالانہ خرچ ہوتے ہیں اور اس کمی کا اطلاق صرف عوام پر ہی نہیں ہوگا بلکہ اس نیک کام کی ابتدا وہ خود اپنے گھر سے کریں گے اور ماہ رمضان کے دوران ان کے گھر چینی کا استعمال بہت کم ہوگا اس لئے عوام کو بھی چاہیئے کہ وہ اس ماہ مقدس کے دوران چینی کا استعمال بچوں کے علاوہ نہ کریں تاکہ آئندہ ہمیں چینی باہر سے نہ منگوانی پڑے۔

صدر پاکستان کا یہ اعلان بہت ہی مستحسن ہے اور عوام کو اس پر ضرور عمل کرنا چاہیئے کیونکہ ہم اس وقت تک ترقی نہیں کرسکیں گے جب تک ہم تمام چیزوں میں خود کفیل نہ ہوجائیں اور ہماری زیادہ رقم باہر کی اشیاء خریدنے پر صرف نہ ہو، صرف چینی ہی نہیں بلکہ ہماری رائے میں تمام غیرملکی اشیاء کی درآمد پر پابندی لگا دی جائے اور ہم صرف اور صرف اپنی ملکی اشیاء ہی پر انحصار کریں اور اگر وہ چیزیں ہمارے لئے کافی نہیں تو ان اشیاء کی ملکی پیداوار میں اضافہ کی کوشش کی جائے اور اس کے لئے تمام

داخلی مالی وسائل کو کام میں لایا جائے، نہ کہ وہ رقم باہر سے اشیأ منگوا کر اس پر ضائع کی جائے۔

قطع نظر اس کے کہ پاکستان میں چینی کی پیداوار میں کیوں کمی ہوئی اور کیا وجہ ہے کہ ہم چینی جیسی ضرورت زندگی کے معاملہ میں بھی خود کفیل نہیں؟ اس وقت ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ آپ نے چینی کم استعمال کرنے کے لئے جس ماہ کا انتخاب کیا ہے وہ درست نہیں اور اگر اس ماہ کے بجائے کسی دوسرے ماہ کا انتخاب کر کے اس ماہ پورے پاکستان کے عوام سے تعاون لیں تو زیادہ بہتر ہوگا کیونکہ رمضان المبارک میں پاکستانی عوام ایک مجاہدہ کریں گے یعنی رمضان المبارک کے روزے رکھیں گے، اور اس دفعہ اتفاق سے رمضان سخت گرمی میں پڑ رہے ہیں اس لئے لامحالہ روزہ دار یہ چاہے گا کہ وہ اپنا روزہ ٹھنڈے شربت سے افطار کرے تاکہ گرمی کی حدت میں بھی کمی واقع ہو اور دن بھر کی تھکن اور کمزوری بھی زائل ہو، اب غریب آدمی تو جوس اور اسکواش یا کولڈ ڈرنک وغیرہ خریدنے کی استطاعت رکھتا نہیں، وہ تو گھر میں جو تھوڑی بہت چینی اس کو ملتی ہے اس سے میٹھا پانی بنا کر یا زیادہ سے زیادہ اس میں لیموں ملا کر اور اسے ٹھنڈا کر کے پی لیتا ہے، اب صدر مملکت کی اپیل سے غریب آدمی تو اس شربت سے محروم ہوگا، دوسرے اکثر متوسط اور غریب گھرانے کے لوگ سحری میں کوئی میٹھی چیز کھا لیتے تھے یا میٹھا دودھ وغیرہ تیار کر کے اس میں پھینیاں یا پھیکی جلیبیاں وغیرہ ڈال کر کھا لیتے تھے، ان میں اتنی استطاعت نہیں کہ وہ جام جیلی خرید کر اس سے سحری کر سکیں، اس اپیل کرنے میں وہ چینی سے محرومی کی بنا پر سحری بھی نہیں کر سکیں گے جس کی وجہ سے ان کے روزے میں بھی فرق آئے گا اور اس کے لئے تکلیف دہ مسئلہ بھی کھڑا ہو جائے گا، اس لئے ہماری اپیل ہے کہ ماہ رمضان المبارک کے بجائے کوئی

دوسرا مہینہ اس کام کے لئے منتخب کیا جائے اور ماہ رمضان کے لئے سابقہ طرزِ عمل ہی بحال رکھا جائے، اور عوام کو حسبِ معمول شکر کا کوٹہ مہیا کر کے ان کے مجاہدہ کو نسبتاً زیادہ آسان بنایا جائے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۷ر جون ۱۹۸۰ء)

ہجری تقویم کے نفاذ کی ضرورت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یکم محرم الحرام سے اسلامی سال کی ابتدأ ہوتی ہے اور یہ یکم محرم الحرام اس لئے بھی اہم ہے کہ یہ اس صدی کا آخری سال ہے اور اس سال کے خاتمہ پر پندرھویں صدی کی ابتدأ ہوگی۔ ہر قوم اور ملک کی کچھ روایت اور علامات ہوتی ہیں، اگر وہ قوم ان روایت اور علامات کو محفوظ رکھتی ہے، تو وہ قوم خود باقی رہتی ہے ورنہ اپنے شعار کو چھوڑنے کے بعد لامحالہ وہ کسی دوسری قوم کے شعار استعمال کرتی ہے، اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد اس قوم کا نام ونشان مٹ جاتا ہے، کیونکہ جب وہ اپنی علامات ہی ترک کردے گی تو آخر کس بنیاد پر اس کی شناخت ہوسکے گی۔ ان شعائر میں لباس، زبان، تہذیب، تمدن، تہوار اور تاریخ شامل ہوتے ہیں اور پاکستانی قوم بدقسمتی سے ان اقوام میں شامل ہے جس نے اپنی تمام روایات اور علامات کو ترک کررکھا ہے، سوائے چند مذہبی تہواروں کے (اگرچہ ان کے منانے کا بھی انداز غیر اسلامی ہے) اسی میں اس قوم کی تاریخ ہے۔ اور اس کے اندر انتہا تو یہ ہے کہ یہ قوم اپنا یوم آزادی تک منانے میں اپنی روایتی اور مذہبی تاریخ کو نہیں اپناتی اور اس کے لئے بھی جو دن مقرر کیا گیا ہے وہ ۲۷ ر رمضان کے بجائے ۱۴ ر اگست ہے ــــ اور اس ہی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم بحیثیت پاکستانی قوم اپنا کوئی مقام نہیں بناسکے، بلکہ ہماری

شکل وصورت، تہذیب وتمدن دیکھ کر کوئی قوم یہ نہیں کہہ سکتی کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہم بار بار ان کالموں کے ذریعے حکومت کو بتا چکے ہیں کہ ہم اس وقت تک وقار اور اپنا مقام بحال نہ کرسکیں گے کہ جب تک اپنے شعائر کی حفاظت نہ کرسکیں، اور ان کی حفاظت کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان شعائر کو اپنے ملک اور عوام کے لئے لازمی قرار دے دیں اور ہمارا ہر فرد ان کی نہ صرف پابندی کرے بلکہ دوسرون کو بھی اس کی پابندی پر مجبور کرے اور جن شعائر کا تعلق حکومت سے ہے، حکومت کو بھی چاہیئے کہ وہ اس کے تحفظ کے لئے فوراً احکامات نافذ کرے اور اس سلسلے میں سب سے اہم قدم اسی وقت اُٹھایا جاسکتا ہے کہ قومی تقریبات کو اسلامی تاریخوں سے منسلک کردیا جائے، اور یہ کام ملک میں اس اسلامی سال کی ابتدأ سے شروع کردیا جائے، اور آئندہ ملک کا تمام نظام اسلامی کیلنڈر کے مطابق چلے، کیونکہ یہ بھی اسلامی شعائر میں داخل ہے، اگر حکومت نے اس سال محرم سے اسلامی تاریخ کی حفاظت کے لئے یہ اہم قدم اٹھالیا تو اس کا یہ کارنامہ تاریخ میں سنہرے حرفوں میں لکھنے کے قابل ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کی بھی ایک عظیم خدمت متصور ہوگی، اللہ تعالیٰ ہمیں اس قسم کے فیصلوں کی توفیق بخشے، اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۳ رنومبر ۱۹۷۹ء)

ہجری تقویم کے اجرأ کی ضرورت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چودھویں صدی ہجری اس سال اختتام کو پہنچ رہی ہے اور اگلے سال پندرہویں صدی کا آغاز ہورہا ہے ۔اور عالم اسلام کے قائدین اس گمان میں ہیں کہ آئندہ صدی اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا باعث ہوگی اور پوری دنیا میں اسلام خوب تیزی کے ساتھ پھیلے گا۔ یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام نے متفقہ طور پر ان دو سالوں یعنی ۱۴۰۰ھ اور ۱۴۰۱ھ کو شایان شان منانے کا اعلان کیا ہے اور پورے عالم اسلام میں اس سلسلے کی تقریبات منعقد ہورہی ہیں۔ اور مختلف مذاکرے اور سیمینار وغیرہ میں اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ عالم اسلام اپنے حسابات اس ہجری تقویم کے مطابق رکھیں اور عالم اسلام میں ان قمری تاریخوں کو رواج دیا جائے۔ اور اس سلسلے میں کچھ ممالک نے اپنے ملکوں میں بتدریج کام بھی شروع کردیا ہے۔لیکن پاکستان وہ واحد ملک ہے جس نے ابھی تک اس سلسلے میں کوئی عملی کارروائی نہیں کی۔ یہ اور بات ہے کہ پاکستان میں ہجری صدی کی اختتامی اور افتتاحی تقاریب ہورہی ہیں اور اس سلسلے میں ایک کمیٹی مختلف پروگرام تشکیل بھی دے رہی ہے ۔مگر ان تمام تقاریب اور مذاکرات اور سیمینارز کا فائدہ اسی وقت ممکن ہے جب اس سلسلے میں کوئی عملی قدم بھی اٹھایا جائے۔ اور عیسوی سال کی جگہ اپنے ملک میں قمری سال کی ابتدأ کی جائے اور ملک کا تمام نظم ونسق ان قمری تاریخوں کے مطابق چلے مگر:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

۲۷ ر رمضان اور یوم پاکستان :

جس طرح دیگر اسلامی قوانین اور ضابطہ اخلاق میں بہت سست رفتاری سے کام ہو رہا ہے، اسی طرح اس میں بھی اس سستی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ پچھلے سال رمضان المبارک میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاءُ الحق صاحب نے ایک تقریر کے دوران فرمایا تھا کہ میرا دل یہ چاہتا ہے کہ یوم پاکستان کی تقاریب چودہ ۱۴ راگست کے بجائے ۲۷ ر رمضان المبارک کو منعقد کی جائیں۔ کیونکہ ۲۷ ر رمضان نہ صرف ایک بہت ہی مبارک دن ہے بلکہ قمری حساب سے اس مبارک دن ہی پاکستان وجود میں آیا ہے۔ مگر صدر صاحب نے پچھلے سال صرف خواہش کا اظہار کر دیا تھا مگر اس سلسلے میں کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ نہ کوئی قانون بنایا گیا اور نہ ہی کوئی آرڈیننس جاری کیا گیا۔ اور نہ ہی اس سلسلے میں کوئی کمیٹی بنائی گئی تاکہ وہ اس سلسلے میں کام کر کے صدر صاحب کی اس خواہش کو عملی شکل میں ڈھالنے کی کوشش کرتی۔ اس وقت بھی ہم نے ان سطور کے ذریعہ صدر محترم کی خدمت میں گزارش کی تھی کہ خواہشات اور تمنائیں وہ لوگ کرتے ہیں جو کہ صاحب اختیار نہ ہوں اور جن کے پاس ان خواہشات اور تمناؤں کو پورا کرنے کا ذریعہ نہ ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ملک کی حکومت عطا کی ہے اور آپ کا اور آپ کے رفقاءُ کا قانون اس ملک میں چلتا ہے۔ اس لئے آپ بجائے خواہشات کے اس سلسلے میں عملی کارروائی کریں اور ۲۷ ر رمضان کو تعطیل کا اعلان کر کے اس دن کو یوم پاکستان قرار دیں۔ مگر چونکہ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد سے قمری تاریخ کے بجائے عیسوی تاریخ کے مطابق تمام نظام چل رہا تھا اس لئے فوراً ایسے قانون بنانے میں غالباً کافی دشواری کا سامنا تھا۔ اس لئے یہ سمجھا گیا کہ

سردست اس کا امکان نہیں اور صدر محترم کی یہ خواہش آئندہ سال تک قانون کی شکل میں تبدیل ہو کر آ جائے گی اور قوم کے لوگ مطمئن ہو جائیں گے کہ بتیس سال کے بعد آخر کار یوم پاکستان کو اپنا اصلی حق مل گیا، اور جس مبارک مقصد کیلئے پاکستان وجود میں آیا تھا یعنی مسلمانوں کو ایک آزاد مملکت، جہاں ان کو مذہب پر عمل کرنے میں آزادی ہو، اور جہاں ان کا مذہبی قانون چلتا ہو، اس مقصد کی مناسبت سے یہ دن بھی ۲۷ ر رمضان بہت ہی اہم تھا۔ کیونکہ یہ دن اول تو اس مہینہ میں ہے جو مہینہ تمام مہینوں سے افضل ہے اور پھر اکثر شب قدر اسی ستائیسویں رات کو پڑتی ہے اس لئے اس ۲۷ ر رمضان کے دن کی اہمیت اور بڑھ گئی۔ اتنے اہم دن میں ویسے ہی ہر شخص خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ اور مشغول ہوتا ہے۔ اور وہ کوشش کرتا ہے کہ اس دن اس کا کوئی لمحہ بھی یاد خدا سے اور دعاء سے غفلت میں نہ گزرے۔ بلکہ اسکا ہر لمحہ عبادت خداوندی میں مصروف رہے۔ اب اگر اس دن یوم پاکستان منایا جاتا تو ہر شخص کے دل میں اس مبارک دن، ان لوگوں کی قربانیوں کی یاد تازہ ہو جاتی جنہوں نے قیام پاکستان کے لئے جانیں اور اموال قربان کر دیئے۔ اور پھر اس کے ساتھ ہر شخص کے ذہن میں پاکستان کے وجود کا مقصد ابھرتا تو لامحالہ وہ ان قربانی دینے والوں کے حق میں دعائے مغفرت بھی کرتا اور پاکستان کے مقصد کو پاکستان میں رواج دینے کا عزم بھی کرتا اور اس کے لئے اپنے خدا کے حضور دعا بھی کرتا اور اپنی پچھلی لغزشوں کی توبہ بھی کرتا تو نتیجہ غالباً اس کا اچھا ہی نکلتا۔ مگر خدا تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا اور ہمارے حکمرانوں نے پاکستان بنتے ہی عیسوی تاریخ رائج کر کے یوم پاکستان ۱۴ ر اگست کو قرار دیا۔ اور اس دن ایک فوجی پریڈ اور چند توپوں کی سلامی اور کچھ کھیل کود کے پروگرام اور چند مذاکروں کا اہتمام کر دیا۔ لیجئے! یوم پاکستان منا لیا گیا۔ کیا زندہ قوموں کا یہی طریقہ

ہے؟ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ یوم پاکستان کا نظم ونسق قمری حساب سے چلتا اور پھر اس مبارک دن فضولیات کے بجائے اس غور وفکر میں گزرتا کہ پاکستان جس مقصد کے لئے وجود میں آیا تھا اس کو رواج دینے کیلئے کیا اقدامات کرنے چاہئیں؟ حکومت اس سلسلے میں کیا کرے اور عوام اجتماعی اور انفرادی طور پر کیا طریقہ اپنائیں؟ جس سے ہر قدم اپنے مقصد حقیقی کی طرف اٹھے۔

اب بھی وقت ہاتھ سے نہیں نکلا۔ اگر صدر محترم اس دفعہ ۲۷ ر رمضان کو قانونی طور پر یوم پاکستان قرار دیں اور اس دن تمام لوگ اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور سابقہ طرز عمل سے توبہ کریں اور آئندہ کیلئے عزم کریں کہ اب ہر شخص اور ہر ادارہ اور حکومت، پاکستان کے مقصد اصلی کیلئے انفرادی اور اجتماعی طور پر کوشش کرے گی۔ تو انشاءَ اللہ، خدا تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اس یوم پاکستان کو ہمارے لئے خیر اور برکت کا باعث بنائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے۔

(روزنامہ جنگ صفحہ اقراءَ ارا گست ۱۹۸۰ء)

فضائی حادثہ

ہماری بدعملیوں کی سزا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۰/اگست ۱۹۸۰ء کو ریاض ائرپورٹ پر ''السعودیہ'' کو جو المناک حادثہ پیش آیا اس میں ۳۰۱ جانیں تلف ہوئیں جن میں ۴۷ پاکستانی بھی تھے۔ گزشتہ سال نومبر میں ''پی آئی اے'' کا طیارہ جدہ کے قریب تباہ ہوا تھا، سات مہینے کے وقفہ کے بعد یہ دوسرا اندوہناک حادثہ پیش آیا، ''انا للہ و انا الیہ راجعون''۔ ایسے حادثات کو عام طور سے بخت و اتفاق کا کرشمہ سمجھا جاتا ہے یا انہیں کسی ''فنی خرابی'' سے منسوب کردیا جاتا ہے۔ ایسے حادثوں کی ''تحقیقات'' میں بڑی سرگرمی دکھائی جاتی ہے، اور اس کی طویل طویل رپورٹیں مرتب کی جاتی ہیں، لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کے ذہنوں میں آتی ہے کہ اس قسم کے حوادث کے کچھ باطنی اسباب بھی ہوسکتے ہیں، اور یہ کہ ان کی اصلاح کی بھی ضرورت ہے۔ لیکن ایک مؤمن کا فرض یہ ہے کہ وہ ایسے تمام حوادث و واقعات میں حق تعالیٰ شانہٗ کی مشیت کی کارفرمائی کو پیش نظر رکھے۔ اور اس امر کی ''تحقیقات'' کرے کہ قضا و قدر کا فیصلہ ہمارے خلاف کیوں ہوا؟ اور یہ ہمارے کن کن جرائم کی پاداش ہے؟ اسلامی ممالک کی فضائی کمپنیوں کے اصول وقواعد اور رسوم و رواج بھی اگر لادینی ممالک کے ہمرنگ ہوں، وہاں بھی ناکتخدا دوشیزائیں مسافروں کا استقبال کرتی ہوں۔ وہاں ذکر الٰہی کے بجائے راگ و رنگ اور ساز و آواز کی لعنت

مسلط رہے، وہاں بھی اگر مہمانوں کی تواضع ''دخت رز'' سے کی جاتی ہو تو طیاروں کے حادثے موجب تعجب نہیں۔ بلکہ ان کا زندہ منزل پر اتر جانا حلم الٰہی کا معجزہ ہے:

ہاں ! مشو مغرور از حلم خدا
دیر گیرد سخت گیرد مرترا

پاکستان اور سعودی حکومت کے ارباب بست و کشاد کو اس کی ''تحقیقات'' کرانی چاہئے کہ ہمارے طیاروں میں احکام الٰہی کی کیا کیا خلاف ورزیاں ہوتی ہیں جو اس قسم کے حادثات کا باطنی سبب ہیں؟ اور پھر ایمان و یقین اور فہم و بصیرت کے ساتھ ان خرابیوں کا علاج کرنا چاہئے۔ انہیں سوچنا چاہئے کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے بھی ہم پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، نوخیز دوشیزاؤں کے بجائے اگر مردوں کو میزبانی کے فرائض سپرد کر دئے جائیں تو اس سے ہمارے طیاروں کی پرواز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا۔

(روزنامہ جنگ صفحہ اقرأ ۲۹ راگست ۱۹۸۰ء)

علمائ بورڈ اور اصلاح نظام کا اختیار

صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی دعوت پر گزشتہ جمعرات، جمعہ کو (بتاریخ ۹ر، ۱۰ر شوال المکرم ۱۴۰۰ھ، ۲۱ر، ۲۲ر اگست ۱۹۸۰ء) اسلام آباد میں دو روزہ علمائ کنونشن منعقد ہوا۔ جس میں مختلف مکتب فکر کے ایک سو سے زائد علمائ نے شرکت کی۔ جناب صدر نے بہ نفس نفیس صدارت کے فرائض انجام دیئے، کنونشن میں ایک علمائ بورڈ کے قیام کا اعلان کیا گیا، اور مختلف موضوعات پر چھ کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ صدر نے اپنی تقریر میں اعلان فرمایا کہ پارلیمنٹ کے قیام تک علمائ ان کی مجلس شوریٰ ہوں گے۔ نیز صدر نے علمائ کرام کی تنقید کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

> ''آپ لوگ مجھ پر تنقید کرتے رہے ہیں میں اپنی حکومت کے اقدامات کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ اب میں نے علمائ بورڈ اور چھ کمیٹیوں پر ذمہ داریاں ڈال دی ہیں آئندہ میں آپ سے پوچھوں گا کہ آپ نے ذمہ داریاں کہاں تک نبھائیں؟'' (روزنامہ جنگ کراچی ۲۳ر اگست ۱۹۸۰ء)

اس قسم کے کنونشن منعقد کرنا، ان میں زور دار تقریریں کرنا، قراردادیں منظور کرنا اور بلند بانگ عزائم کا اظہار کرنا دور جدید کا خاص مزاج ہے لیکن عام طور سے جو بات دیکھنے میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس قسم کے اجلاسوں کی کاروائیاں عملی طور پر ''نشستند و گفتند و برخاستند'' سے آگے نہیں بڑھتیں۔ عموماً جلسوں، کانفرنسوں اور کنونشنوں میں ظاہر کئے گئے عزائم رفتہ رفتہ فضا میں تحلیل ہوکر رہ جایا کرتے ہیں، اس

لئے اسلام آباد کے ''علماء کنونشن'' کے بارے میں کسی کو یہ خوش فہمی نہیں ہوسکتی کہ یہ کسی عظیم ترین انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوگا یا یہ کہ اس سے ہمارے ہاں رائج شدہ غلط نظام حیات کی کایا پلٹ جائے گی۔ اس کنونشن میں جو خوش آئند پہلو ہے وہ صرف یہی ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں سرکاری طور پر علماء کنونشن کے انعقاد کا یہ پہلا موقع ہے، جس کے ذریعہ چند علماء کرام کو شرف باریابی نصیب ہوا ہے۔ اس سے قبل ہر سطح کے کنونشن ہوئے۔ نجویوں اور گویوں تک کے کنونشوں کی سرکاری سرپرستی کی گئی، لیکن علماء کرام اب تک سرکار کی سرپرستی کی نعمت سے محروم رہے تھے۔ اس لئے اس کنونشن کے انعقاد پر نہ صرف جناب صدر شکریہ کے مستحق ہیں، بلکہ کنونشن میں شرکت کرنے والے حضرات بھی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہیں پاکستان کی تاریخ میں ایک منفرد اعزاز حاصل ہوا ہے۔

اس اعزاز کے ساتھ ساتھ ان علماء کرام کو اس بات پر بھی غور کرنا ہے کہ جناب صدر نے تمام تر ذمہ داریوں کا بوجھ ان حضرات پر ڈال دینے کا جو اعلان فرمایا ہے وہ اس بار کو اٹھانے کی صلاحیت کس حد تک رکھتے ہیں؟ اور خدانخواستہ ان حضرات کی طرف سے ادنیٰ تساہل و غفلت یا عدم صلاحیت کا مظاہرہ ہوا تو اس ملک میں اسلام کا مستقبل کیا ہوگا؟ بہت کھلی ہوئی بات ہے کہ صدر صاحب کے اس اعلان کے بعد ملک میں جو بدعنوانیاں بھی ہوں گی، لادین طبقے کی طرف سے ان کی ذمہ داری براہ راست ان حضرات علماء کے سر ڈالی جائے گی۔ اور ان کے طرز عمل کی بدولت علماء کرام و مشائخ عظام کی پوری جماعت کو بدنام کرنے کی مہم چلائی جائے گی۔ اس طرح ان چند حضرات کا یہ اعزاز ''وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا'' کا مصداق بن کر رہ جائے گا۔ اہل فہم جانتے ہیں کہ ذمہ داریوں کا بوجھ ہمیشہ اختیارات کی قوت سے اٹھایا

جاتا ہے۔ جو شخص اختیارات سے محروم ہو اسے کسی ذمہ داری کا اہل نہیں سمجھا جاتا بلکہ وہ اس معاملے میں معذور اور مرفوع القلم تصور کیا جاتا ہے۔ جناب صدر نے ذمہ داری اور مسئولیت کا سارا بوجھ تو اپنے کندھوں سے اتار کر ان علمائ کرام کے کاندھوں پر ڈال دیا ہے، جنہیں کنونشن میں حاضری کی سعادت میسر آئی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ان حضرات کو کیا اختیارات عطا کئے گئے ہیں؟ اور جو حضرات ضروری قدرت و اختیار ہی نہ رکھتے ہوں وہ اپنی ذمہ داریوں سے کس طرح عہدہ برآ ہوں گے؟ کیا ان حضرات کو یہ اختیار دے دیا گیا ہے کہ وہ جس طرح چاہیں ملک کے نظام عدالت، نظام معیشت، نظام معاشرت کو بدل ڈالیں؟ اور نظم مملکت کے جس شعبے میں جو خرابی دیکھیں اس کی اصلاح کر ڈالیں، اگر ان حضرات کو یہ اختیارات نہیں دیئے گئے، اور یقیناً نہیں دیئے گئے تو آخر ان پر مسئولیت کی ذمہ داری کس طرح ڈالی گئی ہے؟ اور ان حضرات نے اس ذمہ داری کو بسر و چشم کس طرح قبول فرمالیا ہے؟

شہید ملت خان لیاقت علی خان کے زمانے سے ہمارے یہاں ''علمائ بورڈ'' بھی بنتے آئے ہیں اور کمیٹیاں بھی، کونسلیں بھی اور اسلامی تحقیقاتی ادارے بھی۔ لیکن جناب صدر کے اعتراف کے مطابق ملک میں اسلامی انقلاب برپا نہیں ہوسکا۔ اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ ان بورڈوں، ان کونسلوں، ان کمیٹیوں اور ان تحقیقاتی اداروں کا کام محض ''سفارشات'' کرنا تھا۔ اس لئے بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ ان کی کارکردگی و دماغ سوزی کا نتیجہ کبھی منظر عام پر نہیں آسکا، کیا اس جدید ''علمائ بورڈ'' اور ''علمائ کمیٹیوں'' کا انجام اس سے کچھ مختلف ہوگا؟ اس سوال کا جواب آنے والا کل ہی دے سکتا ہے۔

(روزنامہ جنگ صفحہ اقرأ ۲۹ر اگست ۱۹۸۰ء)

مسلمانوں کے
عروج و زوال کے ادوار ...

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے نئی صدی ہجری کے آغاز پر اسلامی تاریخ کا مختصر سا جائزہ پیش کرتے ہوئے فرمایا:

''پچھلے ۱۴ سو سال مجھے دو واضح حصوں میں بٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک حصہ اسلام کے (صحیح الفاظ میں مسلمانوں کے عروج) ارتقاء، ترقی اور عروج کا حصہ ہے، اور دوسرا انحطاط اور تنزل کا۔

اسلام کے عروج کے زمانہ میں ہمیں کہیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عظیم ہستیاں نظر آتی ہیں جو نظام حکومت چلانے کا ایک قابل تقلید نمونہ چھوڑ گئے۔ اور حضرت عبیدہ بن الجراح، خالد بن ولید، موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد جیسے بے مثال سپہ سالار ملتے ہیں، جنہوں نے اسلامی قلمرو کی سرحدیں چین سے لے کر اسپین تک پھیلا دیں۔ اور علم و

حکمت کی دنیا میں کہیں امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ جیسے فقیہ اور
امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ جیسے محدث نظر آتے ہیں۔ اور کہیں طبریؒ
اور بلاذریؒ جیسے مؤرخ، ابن خلدونؒ جیسے مفکر اور ابن سیناؒ، رازیؒ
اور غزالیؒ جیسے فلاسفر دکھائی دیتے ہیں۔

تصویر کا دوسرا رخ یعنی تاریخ اسلام کا دوسرا دور بڑا
بھیانک اور روح فرسا ہے جو ہمیں کبھی سقوط بغداد کی یاد دلاتا
ہے اور کبھی قرطبہ وغرناطہ کی تباہی کے مناظر پیش کرتا ہے، کبھی
مغلوں کے زوال کی داستان سناتا ہے اور کبھی یورپ کے مرد
بیمار کے واقعات تازہ کرتا ہے۔''

اس بلندی کے بعد پستی، اس عروج کے بعد زوال اور اس ترقی کے بعد
انحطاط کے اسباب کی نشاندہی کرتے ہوئے جناب صدر فرماتے ہیں:

''اگر اس تبدیلی کے اسباب پر نظر ڈالیں تو مجھے اس
کی ایک ہی وجہ نظر آتی ہے، اور وہ ہے دین اسلام کے متعلق
ہمارا رویہ، جب تک مسلمانوں نے اسلام کی رسی کو مضبوطی سے
پکڑے رکھا اور اس کے اصولوں پر کاربند رہے، وہ دین و دنیا
دونوں میں کامیاب و کامران رہے، اور جب اسلامی فکر کو ترک
کردیا، راہ راست سے کنارہ کشی اختیار کی، اور لہو ولعب میں
غرق ہوگئے تو عزت وتکریم کی بلندیوں سے گر کر پستی اور غلامی
کی گہرائیوں میں جا پڑے۔''

جناب صدر نے اسلامی تاریخ کا صحیح تجزیہ پیش کرتے ہوئے مسلمانوں کے

زوال و انحطاط اور پستی و گراوٹ کے اسباب کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی فرمائی ہے، اور مسلمانوں سے دوٹوک الفاظ میں فرمایا ہے:

"۱۴ ویں صدی کے اختتام اور ۱۵ ویں صدی کے آغاز پر ہمیں یہ سوچنا اور فیصلہ کرنا ہے کہ ہمیں ایک فرد، ایک قوم اور ایک ملک کے طور پر ترقی و عزت کو اپنانا ہے یا ذلت و تذلیل کو مقدر بنانا ہے، فیصلہ ہمارے اپنے ہاتھ میں ہے، اور فیصلے کے نتائج ۱۴ سو سالہ تاریخ کے آئینہ میں ہمارے سامنے ہیں۔

اگر ہمارا فیصلہ عزت و وقار کا فیصلہ ہے تو ہمیں کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ اس کا ایک اور صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ہم بلا تاخیر اسلام کی رسی کو مضبوط پکڑ لیں، شرک اور منافقت ترک کردیں، اسلام کے احکامات کی مکمل پابندی کریں، اور انفرادی سطح پر باعمل مسلمان اور اجتماعی طور پر صحیح معنوں میں ملت اسلامیہ کے رکن بن جائیں، ورنہ تاریخ کا فیصلہ ہی اپنے سامنے ہے اور ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ فیصلہ بڑا سخت اور عبرتناک ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجام سے بچائے۔"

جناب صدر کا آخری فقرہ گویا قدرت کی طرف سے ایک انتباہ ہے جو بے ساختہ جناب صدر کی زبان پر جاری ہوگیا ہے۔

یہ خیال بڑی شدومد سے پیش کیا جارہا ہے (اور صدر صاحب نے بھی اپنی اس تقریر میں اس طرف اشارہ کیا ہے) کہ پندرہویں صدی اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی صدی ہوگی، یہ خیال بڑا مبارک ہے، اور خدا کرے یہ خیال محض خیال نہ رہے، بلکہ

ایک واقعہ بن کر سامنے آجائے، لیکن ہمیں بار بار یہ سوچنا چاہئے کہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کیسے ہوگی؟ اور مسلمان اس نشأۃ ثانیہ میں کیا کردار ادا کریں گے؟ ایک معمار جب کسی مکان کی تعمیر کرتا ہے تو پہلے اچھی طرح جانچ لیتا ہے کہ لکڑیوں کے اس انبار میں کون سی لکڑی مکان کی تعمیر میں کام آسکتی ہے، حق تعالیٰ شانہ بھی اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور اس کی تعمیر کا فیصلہ فرماتے وقت یہ ضرور دیکھیں گے کہ ستر اسی کروڑ مسلمانوں میں کون ہے جو اسلام کی تعمیر میں کام آسکتا ہے؟ اس سے کام لیں گے اور کون ہے جو اسلام کے راستے میں رکاوٹ بنا ہوا ہے، اس کے وجود سے صفحۂ ہستی کو پاک کردیں گے۔ ہم میں سے ہر شخص کو فکر مند ہونا چاہئے کہ اس کا وجود اسلام کے لئے مفید ہے کہ اسے باقی رکھا جائے یا اسلام کے لئے ننگ و عار ہے کہ اس کو اسلام کے راستہ کا روڑا سمجھ کر مٹادیا جائے، یہ ہے وہ خوفناک اور عبرتناک انجام جس سے صدر صاحب نے آخری فقرہ میں ڈرایا ہے۔

جناب صدر نے جہاں مسلمانوں کے تنزل و انحطاط کی ٹھیک نشاندہی کی ہے، وہاں معذرت کے ساتھ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ انہوں نے تنزل و انحطاط کے اسباب کو دور کرنے کی طرف توجہ نہیں فرمائی، آج مسلمانوں کی پوری قوم الّا ماشاءاللہ تصویر سازی، لہو و لعب اور راگ گانے کے سیلاب میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور فلموں نے پوری قوم کو غارت کردیا ہے، اگر صدر صاحب اس قوم کو اسلام کی راہ پر ڈالنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے انہیں شر اور برائی کے ان اڈوں کو مسمار کرنا چاہئے، تفریح کے نام پر قوم کو جو نفاق اور خدا فراموشی کا زہر پلایا جارہا ہے جب تک یہ بند نہیں کیا جاتا اس قوم کے جانبر اور شفایاب ہونے کی توقع عبث ہے۔

اسی ضمن میں جوان لڑکیوں کی برہنگی و بے پردگی کا مسئلہ بھی خصوصی طور پر

توجہ طلب ہے جیسا کہ سب کو معلوم ہے اسلام نے عورت کا میدان عمل سکول، کالج، دفتر، بازار اور عدالت تجویز نہیں کیا، اور نہ اسے سر برہنہ گھر سے نکلنے کی اجازت دی ہے، عورتوں کی عریانی تمام فواحش کی جڑ ہے، جب تک اس جڑ کو کاٹ کر نہیں پھینک دیا جاتا مسلمان کبھی اسلام کی برکات سے بہرہ ور نہیں ہوسکتے۔

آج کا نوجوان، آنحضرت ﷺ، صحابہ کرامؓ اور بزرگان دین کے نقش قدم پر چلنے کے بجائے یہودی و نصرانی ایکٹروں اور ایکٹرسوں کی نقالی میں فخر محسوس کرتا ہے اس میں قصور نوجوان نسل کا نہیں بلکہ اس نظام پر عائد ہوتا ہے جو دور غلامی کی سیاہ یادگار کی حیثیت سے ہمارا مقدر بن چکا ہے، اگر موجودہ مسلمانوں اور خصوصاً نئی نسل کو اسلام کے لئے کارآمد بنانا ہے تو مغرب کی ذہنی غلامی سے ان کو آزاد کرانا ضروری ہے۔

جناب صدر نے عورتوں کی تعلیم کو بھی ان بنیادی نکات میں شامل فرمایا ہے جو اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے وہ بروئے کار لانا چاہتے ہیں، خواتین کی تعلیم سے کسی کو انکار نہیں لیکن آج کے دور میں تعلیم جس چیز کا نام رکھا گیا ہے اس کو تعلیم کہنا تعلیم کی توہین ہے، یہ تعلیم نہیں بلکہ تجہیل ہے، اور اس نئی تعلیم نے خواتین کو ایسی مشکلات میں ڈال دیا ہے جن کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جس کے گھر میں دو چار لڑکیاں ہوں۔ جن ماؤں نے ان قابل قدر ہستیوں کو جنم دیا، جن کا ذکر خیر جناب صدر نے بڑے فخر کے ساتھ کیا، وہ کسی کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم یافتہ نہیں تھیں، بلکہ انہوں نے اپنے گھر میں رہ کر معلم انسانیت ﷺ کے ارشادات کے مطابق تعلیم پائی تھی، لیکن بد قسمتی سے جب سے کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم کا رواج چل نکلا ہے اس قسم کی لائق فخر ہستیوں کی پیدائش بند ہوگئی ہے، موجودہ زمانے میں بڑے بڑے ایکٹر، فلمی ستارے اور کھلاڑی

ضرور پیدا ہوتے ہیں، لیکن ایسی ہستیاں جو تاریخ کے دھاروں کو بدل دیں اسکول اور کالج کی تعلیم یافتہ خواتین کی کوکھ سے پیدا نہیں ہوسکتے، اس کے لئے ہمیں ایسی عفیف، پاک دامن، باحیا اور وفا شعار ماؤں کی ضرورت ہے جن کی نظر کسی غیر مرد سے آلودہ نہ ہوئی ہو، اور نہ کسی غیر مرد کی ناپاک نظر نے ان کے دامن تقدس وعفت کو آلودہ کیا ہو، اگر اسلام کی نشأۃ ثانیہ مطلوب ہے، اگر مسلمانوں کو اسلام کا علمبردار بنانا منظور ہے، اور اگر اس بات کی خواہش ہے کہ مسلمان اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑیں اور اسلامی احکامات کی تعمیل کریں، تو ان تمام سوراخوں کو ایک ایک کر کے بند کرنا ہوگا جو شیطان نے اس امت کو بہکانے کے لئے پیدا کردیئے ہیں، حق تعالیٰ شانہ امت پر رحم فرمائے اور عوام و حکام سب کو صحیح عقل اور صحیح دین نصیب فرمائے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۴/نومبر ۱۹۸۰ء)

تعلیمی نظام میں تبدیلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے قومی تعلیمی کونسل کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"علماء، ماہرین تعلیم اور اساتذہ موجودہ حالات کا مطالعہ کر کے ایسی ٹھوس تجاویز پیش کریں، جن کے ذریعہ ملک کے نظام تعلیم کو اسلامی اصولوں کے مطابق بنایا جا سکے، انہوں نے کہا چونکہ قیام پاکستان سے قبل نظام تعلیم کا مقصد ایک سامراجی نظام کو مضبوط بنانا تھا اس لئے پاکستان بن جانے کے بعد اس نظام کو تبدیل کر دیا جانا چاہیئے تھا، اس کی جگہ ایک ایسا نظام قائم کیا جانا چاہیئے تھا جو ایک آزاد و خود مختار نظریاتی مملکت کے شایان شان ہو، تخلیق پاکستان کے بعد اس شعبے کی طرف مناسب توجہ نہیں دی گئی، اور ماضی میں جو چند اقدامات کئے وہ رجحان کا رخ مکمل طور پر نظریاتی مملکت کی طرف نہیں کر سکے، ایسی تبدیلیوں پر زور دیتے ہوئے جو ایک نظریاتی مملکت کے مقاصد پورا کر سکیں صدر نے کہا کہ مقصد صرف ایسے افراد پیدا کرنا نہیں ہونا چاہیئے جو محض اپنی روزی کمانے کے قابل

ہوں، بلکہ یہ افراد اسلامی اقدار و نظریۂ پاکستان کے جذبے سے
بھی سرشار ہوں، ایک ایسا نظام تعلیم جو لوگوں کو ملازمت کے
حصول کے قابل تو بنادے مگر ان کو مذہب اور نظریے سے دور
لے جائے وہ تعلیم نہیں، بلکہ گمراہی ہے۔''

جناب صدر نے کسی لاگ لپیٹ کے بغیر جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے، وہ ان کے دردمند دل کی آواز ہی نہیں، اہل فکر کے لئے تازیانۂ عبرت بھی ہیں، یہ حقیقت کسی صاحب فہم سے مخفی نہیں کہ کسی معاشرہ کی تشکیل میں تین چیزیں بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتی ہیں، اول نظام تعلیم، دوم نظام عدل و انصاف، سوم نظام احتساب، بدقسمتی سے ہمارے ہاں یہ تینوں نظام غیر اسلامی خطوط پر چل رہے ہیں، جن کی وجہ سے ہم نہ صرف روز بروز اسلام کی منزل سے دور ہو رہے ہیں بلکہ ہمارے معاشرتی نظام کا پورا آوا ہی بگڑ چکا ہے، اور ایک صاحب بصیرت جب گردوپیش پر نظر ڈالتا ہے تو اسے یہ دیکھ کر بڑی حسرت و مایوسی ہوتی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی امت مرحومہ جاہلیت کے پنجوں میں بری طرح پھڑ پھڑا رہی ہے، مگر افسوس کہ اس کا کوئی چارہ گر نہیں، جو اسے یہود و نصاریٰ کی تقلید سے نکال کر اسلام کی شاہراہ پر ڈال دے۔

یوں تو ہماری زندگی کے سبھی شعبے تلپٹ ہیں مگر تعلیمی شعبہ جس طرح غارت ہوا ہے اور اس کے بگاڑ نے جس طرح ایک عمومی بگاڑ کی صورت اختیار کرلی ہے وہ بہت ہی المناک ہے، صدر کی تشکیل کردہ ''قومی تعلیمی کونسل'' اس بگاڑ کی اصلاح کے لئے کیا موثر تجاویز پیش کرتی ہے؟ پھر یہ تجاویز کیا عملی شکل اختیار کرتی ہیں؟ اور پھر ان تجاویز کے بروئے کار آنے پر کیا ثمرات و نتائج مرتب ہوتے ہیں؟ اس کے لئے ہمیں مستقبل کا انتظار کرنا ہوگا، لیکن اس میں شک نہیں کہ ''قومی تعلیمی کونسل'' کو جو کام

تفویض کیا گیا ہے، وہ بہت ہی نازک اور صبر آزما ہے اور اس کے لئے گہری بصیرت درکار ہے، یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ اگر موجودہ نظام تعلیم کو اسلامی اصولوں کے مطابق بنانا ہے تو اس کے لئے معمولی ردو بدل کافی نہیں ہوگی بلکہ اہم ترین انقلابی اقدامات کی ضرورت پیش آئے گی یہ ایک چیلنج ہے، اور ہمیں اس چیلنج کو قبول کرنا ہوگا۔

جدید دنیا نے جس طرح ہر چیز کو ایک سائنس بنادیا ہے اسی طرح تعلیم بھی ایک مستقل سائنس کی حیثیت اختیار کرچکی ہے، اور مغربی مفکرین نے تعلیم کے موضوع پر افکار و خیالات کا اتنا بڑا انبار جمع کردیا ہے کہ تعلیم کی روح اس انبار کے نیچے دب کر رہ گئی ہے، ہمارے مشرقی مفکرین کا فرض یہ ہے کہ وہ مغربی افکار کے انبار کو اپنی مقدس میراث نہ سمجھیں بلکہ اس ''روح تعلیم'' کو تلاش کریں جس کی راہنمائی ''وَعَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَم.'' والے معلم نے فرمائی ہے، اس روح تعلیم کی ''یافت'' کی خصوصیت یہ ہے کہ آدمی ''کَلَّا! اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی.'' کا مصداق نہیں بنتا، بلکہ عبدیت و خشیت اس کا طرّۂ امتیاز ہوتی ہے، حق تعالیٰ شانہ قومی تعلیمی کونسل کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی فرمائے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۹/جنوری ۱۹۸۱ء)

جان و مال کا تحفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲؍فروری کا اخبار لوگوں کے لئے دھماکہ خیز ثابت ہوا جب ان کی نگاہ صفحہ اول پر چھپی ہوئی اس خبر پر پڑی کہ بھرے بازار دن دھاڑے ہزاروں افراد کی موجودگی میں کراچی کے ایک بینک میں چار آدمیوں نے ڈاکہ ڈالا، تقریباً پانچ لاکھ روپے لے اڑے اور اس ڈاکہ میں تین افراد زخمی بھی ہوئے جبکہ ڈاکہ کے دوران حفاظتی محکمے کے افراد کا دور تک پتہ نہیں تھا، چند راہ گیروں نے راستہ بند کرنے کی ضرور کوشش کی مگر نہتے راہ گیر، مشین گنوں کے سامنے کہاں ٹھہر سکتے تھے؟ اس واقعہ کے بعد بینک اور ساری مارکیٹیں خوف و ہراس کی بنا پر بند ہوگئیں، ایسی خبریں صرف آج ہی کے اخبار کی زینت نہیں ہیں بلکہ اکثر و بیشتر اس قسم کے واقعات اخبارات میں آئے دن شائع ہوتے رہتے ہیں، کچھ عرصہ قبل اسی قسم کے واقعات کسٹم ہاؤس اور طارق روڈ وغیرہ کی دکانوں پر بھی ہو چکے ہیں، مگر ان کے سد باب کے سلسلہ میں ایسے مؤثر اقدامات اب بھی نہیں ہوئے جن کی بنا پر عوام میں تحفظ کا احساس پیدا ہو، اس لئے پورے ملک میں ایک غیر یقینی اور خوف و ہراس کی صورت حال پائی جاتی ہے۔

یہ صورت حال نہ صرف پاکستان کے لئے عمومی طور پر اور حکومت وقت کے لئے خصوصی طور پر، خطرناک ہے بلکہ اس کی اہمیت اس لئے بھی، دو چند ہو جاتی ہے کیونکہ حکومت وقت اسلامی نظام کی طرف پیش رفت کر رہی ہے اور اس سلسلہ میں بہتر

اقدامات کے اعلانات بھی ہوئے۔ جس وقت حکومت وقت نے اسلامی حدود و قصاص کے نفاذ کا اعلان کیا تھا اسی وقت ہم نے ان سطور کے ذریعہ حکومت پر یہ بات واضح کی تھی کہ ہر حکومت کا عموماً اور اسلامی مملکت کا خصوصاً یہ فریضہ ہے کہ وہ عوام کے جان و مال اور عزت کا تحفظ کرے اور اس میں مسلمان ہونے کی قید بھی نہیں، بلکہ ہر وہ شخص جو ملک میں رہتا ہو چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، اس کی جان و مال کی حفاظت ہر حکومت کا فریضہ ہے، اور جو حکومت اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرتی ہے وہ عنداللہ بھی بری الذمہ نہیں اور عندالناس بھی، ایسی حکومت کو بہتر نہیں سمجھا جاتا، نبی اکرم ﷺ اور خلفاء راشدینؓ کے دور کا اگر ہم مطالعہ کریں تو جس جگہ ان حضرات کی حکومت قائم ہوئی اور جہاں انہوں نے اسلامی حکومت قائم فرمائی، سب سے پہلے اس جگہ کے لوگوں کی جان و مال کا تحفظ فرمایا، حضرت عمرؓ کے واقعات اس سلسلہ میں اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا شمار بھی ممکن نہیں، آپ راتوں کو جاگ کر گلی گلی پہرہ دیتے اور لوگوں کی جان و مال کی حفاظت فرماتے، اور وہ واقعہ تو کسی سے مخفی نہیں کہ ایک نومسلم حکمران وقت نے ایک مسلمان کے طواف کے دوران تھپڑ مار دیا، تو جب حضرت عمرؓ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے فوراً اس مسلمان شخص کی حفاظت کے پیش نظر، بدلہ لینے کا حکم جاری فرمایا حضرت عمرؓ اکثر یہ بات فرمایا کرتے تھے کہ اگر فرات کے کنارے بھی کوئی کتا بھوک کی وجہ سے مرجائے تو قیامت کے دن عمرؓ اس کا جواب دہ ہوگا۔

ان ہی وجوہات اور لوگوں کے جان و مال کے تحفظ کی بنا پر، خدا تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ ایسی سزائیں اور حدود متعین کردی ہیں جن کے نفاذ کے بعد، جرائم کی روک تھام سو فیصد نہیں تو پچانوے فیصد ضرور ممکن ہوسکتی ہے، مگر اس کی شرط وہی ہے کہ ان حدود و قصاص کے نفاذ میں کسی رو و رعایت کا مظاہرہ نہ کیا جائے اور نبی

اکرم ﷺ کے اس قول کا عملی مظاہرہ کیا جائے کہ اگر فاطمہؓ بنت محمد ﷺ بھی اس جرم کا ارتکاب کرتیں تو انہیں ضرور سزا دی جاتی، پچھلی مملکتیں اور سلطنتیں اسی لئے تباہ ہوگئیں کہ انہوں نے بااثر اور صاحب رسوخ لوگوں کو سزائیں دینا ترک کردی تھیں، حدود و قصاص کے نفاذ کے سلسلہ میں بھی ہم نے بہت پہلے یہ واضح کردیا تھا کہ صرف ان کے نفاذ کا اعلان نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس پر عمل بھی ہونا چاہئے تاکہ بدطینت اور گمراہ افراد عبرت پکڑیں اور وہ جرائم سے باز آجائیں، مگر ان قوانین کے نفاذ سے لے کر آج تک فرد واحد کو بھی اسلامی حدود و قصاص کے تحت سزا نہیں مل سکی، نتیجہ صاف ظاہر ہے، اگر پہلے جرم ہی پر مجرمین کو اس کی اسلامی سزا دے دی جاتی اور ان کا ایک ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر سرعام لٹکا دیا جاتا تو آج یہ نوبت ہی نہ آتی اور عوام اطمینان سے، بغیر کسی خوف و ہراس کے اپنی زندگی بسر کرسکتے، اگر ان جرائم کی روک تھام نہ کی گئی اور حفاظتی محکموں کی اصلاح نہ کی گئی تو قوم تحفظ کے تصور سے عاری ہوجائے گی اور اس کا حکومت وقت پر ہی نہیں اسلامی قوانین پر بھی اعتماد اٹھ جائے گا، اور ایسا ہونا موجودہ حکومت کے لئے نہ دنیاوی طور پر اچھا ثابت ہوگا اور نہ اخروی طور پر اس کے لئے باعث نجات ہوگا۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۶ رفروری ۱۹۸۱ء)

عبرت ناک سزا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پچھلے دنوں ''المعراج'' لانچ کا ایک ایسا دردناک واقعہ پیش آیا، جس سے تمام قوم کے دل غمزدہ ہوگئے اور ۵۲ گھر اجڑ گئے اور بہت سارے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی، وہ افراد جو اپنے گھر والوں کے لئے آرام و راحت تلاش کرنے گئے تھے، ابدی آرام کا شکار ہوگئے، موت ہر شخص کو ایک وقت مقررہ پر ہی آتی ہے مگر ایسی دردناک موت سے اللہ تعالیٰ ہر ایک کو محفوظ رکھے، ہمیں سوچنا یہ ہے کہ آخر یہ واقعہ کیوں پیش آیا، اس کے اسباب کیا ہیں اور ان کے ذمہ دار کون لوگ ہیں اور کیا یہ واقعہ پہلی دفعہ پیش آیا یا ایسا ہوتا رہتا ہے اور آئندہ بھی اس کا امکان ہے، جب کوئی واقعہ پیش آجاتا ہے تو ہم لوگ کچھ شور مچادیتے ہیں، مضامین لکھتے ہیں لیکن پھر چند دنوں بعد اسے بھول جاتے ہیں اور ان ہی حرکات کا اعادہ ہونے لگتا ہے۔

روزی تلاش کرنا اور اس کے لئے اچھے مواقع کی جستجو کرنا، ہر ایک کا حق ہے اور کوئی بھی کسی کو اس حق سے محروم نہیں کرسکتا، مگر کیا اس حق کی ادائیگی کے لئے جان تک کی بازی لگا دینا صحیح ہے؟ اور پھر چند لوگوں کی عیش وعشرت کے لئے اتنے لوگوں کا جان پر کھیل جانا، کس مذہب کی رو سے جائز ہے؟ اکثر اخبارات مین یہ شائع ہوتا رہتا ہے کہ فلاں لانچ اتنے لوگوں کو اسمگل کرتے ہوئے پکڑی گئی، اتنے افراد غیر قانونی طور پر مشرق وسطیٰ جاتے ہوئے گرفتار ہوئے، مگر اس بات کی روک تھام نہیں

کی جاتی کہ ایسے واقعات کا اعادہ نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ یہ سلسلہ اب بھی چل رہا ہے، غریب اور نادار لوگوں کو سبز باغ دکھا کر ان کی جمع شدہ پونجی لوٹ کرنا جائز طریقہ سے باہر چھوڑ دیا جاتا ہے، ایک تو ایسے افراد باہر جا کر خود بھی پریشان ہوتے ہیں اور ملک کے لئے بھی شرمندگی وندامت کا باعث بنتے ہیں۔ کیا اسلام، ایسی چیز کی اجازت دیتا ہے؟ اور کیا اسلام میں ایسے افراد کے لئے کوئی سزا نہیں جو اس قسم کی غیر قانونی اور غیر انسانی حرکات کا مرتکب ہوتے ہیں؟ اسلام ایسے لوگوں کے لئے سخت سزا کا حکم دیتا ہے۔

آج کل یہ ایک فیشن عام ہوگیا ہے کہ سخت سزائیں وحشیانہ ہیں، لیکن اسلامی سزاؤں پر اعتراض کرنا تو بہت آسان ہے مگر آپ کے قانون نے اب تک کیا کیا؟ چوری روک دی گئی، زنا ختم ہوگیا، قتل و غارت گری بند ہوگئی، آج جرائم پیشہ افراد کی تو یہ جرأت ہوگئی ہے کہ دن دہاڑے جسے چاہیں قتل کردیں، جسے چاہیں لوٹ لیں، کسی کی جان و مال کا کوئی تحفظ نہیں، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی قوانین پر سختی سے عمل کیا جائے، اسلامی سزاؤں کو عملاً نافذ کیا جائے اور ایسے افراد کو جو اس قسم کے گھناؤنے اقدامات کے مرتکب ہوتے ہیں، سرعام لٹکایا جائے تاکہ آئندہ لوگوں کے لئے عبرت کا سامان بن سکے۔

خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب خلیفہ اول کی حیثیت سے پہلا خطبہ ارشاد فرمایا تو کہا کہ اے لوگو! مجھ پر بہت بڑی ذمہ داری عائد کی گئی ہے، تم اس راہ میں مجھ سے تعاون کرو، اگر میں اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلوں، تو میرا ساتھ دینا اور اگر میں اس راہ سے بھٹک جاؤں تو مجھے ٹوک دینا، اسی طرح خلیفہ ثانی سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ نے جب خلافت کا بار اٹھایا

تو اسی طرز کو اپنایا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ کو عام لوگ خطبہ کے دوران ٹوک دیا کرتے تھے اور ہماری تاریخ اس کے سینکڑوں واقعات سے بھری پڑی ہے، الغرض ہمارے چاروں خلفاءؑ نے اسی طرز کو اپنایا اور اسی بنا پر ان کی خلافت کو خلافت راشدہ کہا جاتا ہے۔

خود نبی اکرم ﷺ کا طرز عمل اگر ملاحظہ کیا جائے تو ہمیں بہت سے مقامات پر نبی اکرم ﷺ کا یہی طرز عمل نظر آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے متعدد احادیث شریف میں بھی فرمایا کہ سب سے بڑا جہاد، جابر سلطان کے سامنے حق بات کا کہنا ہے، یہ ایسی تعلیمات تھیں جن پر مسلمان جب تک عمل کرتے رہے، کامیاب و کامران ہوئے اور جب مسلمانوں نے ان تعلیمات کو ترک کردیا اور ان کے حکمرانوں نے اسلامی تعلیمات کو اپنانے کے بجائے دیگر تعلیمات کو اپنایا تو وہ ذلت کے گڑھے میں گر گئے، دیکھئے آج پوری دنیا میں کروڑوں مسلمان آباد ہیں مگر ہر جگہ شکست خوردہ، آپس میں اندرونی انتشار اتنا زیادہ کہ باہر کے دشمن سے کیا مقابلہ کریں گے، اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اسلام کا تحفظ کرنے کے بجائے اپنی ذات اور اپنی کرسی کا تحفظ ڈھونڈتے ہیں، ہمارا مقصد اسلام کے بجائے اقتدار ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج تمام اسلامی مملکت میں اسلام کے خلاف، نبی آخرالزماں ﷺ کے خلاف اور اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم کے خلاف تو بولا جاسکتا ہے اور لکھا جاسکتا ہے مگر حکمرانوں کے خلاف بولنا جرم ہے، اگر پابندی ہے تو اسلامی تعلیمات کے مطابق صحیح انداز فکر پیش کرنے کی، حتیٰ کہ غیر مسلم تک کو اجازت ہے کہ وہ جس طرح چاہے اپنا موقف پیش کرے، مگر اہل حق اور اسلام کے ماننے والے اگر کوئی موقف ایسا پیش کریں جو غیر مسلم افراد کے موقف اور عقائد کے خلاف ہو تو اس کی اجازت نہیں۔

فحاشی، عریانی اور فضولیات ولغویات، غرض کہ ہر قسم کے مضامین اور آراء
مکمل طور پر آزاد اور ان کی ہر طرح سے اشاعت کی اجازت مگر اسلامی تعلیمات پر
تبصرہ کی اجازت نہیں، حالانکہ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ فحاشی، عریانی اور اسلام کے خلاف
مواد پاکستان کے خلاف مواد کی اشاعت پر تو مکمل طور پر پابندی ہو اور اسلامی
تعلیمات کے مطابق ہر شخص کو اپنا موقف پیش کرنے کی مکمل اجازت ہو اگر ایسا ہوگیا تو
ہمیں امید ہے کہ لوگوں کا ذہن ازخود زیادہ سے زیادہ اسلامی تعلیمات کی طرف
راغب ہوگا۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۳رفروری ۱۹۸۱ء)

حج پالیسی میں

حجاج کی سہولتوں کو پیش نظر رکھا جائے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وفاقی وزیر مذہبی امور، جناب محمود ہارون نے ایک پریس کانفرنس میں آئندہ سال کی حج پالیسی کا اعلان کیا، جس کے تحت بحری جہاز کے ذریعہ گیارہ ہزار اور ہوائی جہاز کے ذریعہ چودہ ہزار اور اسپانسر شپ اسکیم کے تحت پچیس ہزار افراد اس سال فریضہ حج کی سعادت حاصل کرسکیں گے، ہر حاجی سے ایک سو روپے حج محصول لیا جائے گا اور کوئی شخص انٹرنیشنل پاسپورٹ پر اس سال حج ادا نہیں کر سکے گا وغیرہ وغیرہ، یہ چند باتیں ایسی ہیں جن پر ہم کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ عرض کی جائے گی کہ امسال حجاج کرام کی تعداد بہت کم رکھی گئی ہے، پاکستان میں الحمدللہ سات کروڑ مسلمان آباد ہیں اور اکثر و بیشتر لوگ چاہتے ہیں کہ وہ جلد از جلد فریضہ حج ادا کریں، مگر جب وہ اس کا ارادہ کر لیتے ہیں تو ان کے سامنے طرح طرح کی قانونی مشکلات آجاتی ہیں اور نتیجتاً ان کا حوصلہ کمزور پڑنے لگتا ہے، حکومت اپنی جگہ صحیح ہوسکتی ہے، مگر جہاں دیگر کاموں کے لئے اتنا زیادہ خرچ کیا جاتا ہے، اگر اس میں کچھ کمی کر کے زیادہ لوگوں کو حج کی سعادت حاصل کرنے کا موقع دیدیا جائے تو بہتر ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اسپانسر شپ اسکیم کے

تحت صرف ۲۵ ہزار افراد، حج کی سعادت حاصل کرسکیں گے، ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ اسپانسر شپ اسکیم کے تحت تعداد کو محدود کرنے کی آخر کیا ضرورت ہے؟ یہ اسکیم حکومت کے لئے نہ صرف فائدہ مند ہے بلکہ اس کے ذریعہ زر مبادلہ بھی کافی بڑی مقدار میں حاصل کیا جاسکتا ہے، چنانچہ اس اسکیم کے تحت جتنے افراد کو حج کی سعادت حاصل کرنے کا موقع دیا جائے اتنا ہی بہتر ہے بلکہ اس سلسلہ میں تو زیادہ سے زیادہ تعداد میں حج کرنے والوں کو خوش آمدید بھی کہنا چاہئے اور ان کو بھیجنے کا بھی بندوبست کرنا چاہئے، مگر پتہ نہیں کیا وجہ ہے کہ پچھلے سال اس ضمن میں پندرہ ہزار اور اس سال پچیس ہزار کی قید لگا دی گئی، اگر اس میں کوئی قباحت ہے تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ اس قباحت کو دور کیا جاتا نہ کہ اس اسکیم کے دائرہ کار کو محدود سے محدود تر کیا جائے، اس کی مثال تو بالکل ایسی ہے کہ ایک مسجد میں کوئی شخص چوری کر لیتا ہے تو بجائے اس کے کہ چوری کا سدباب کیا جائے، مسجد میں نماز پڑھنے پر پابندی عائد کردی جائے، اس لئے ہماری رائے یہ ہے کہ اس اسکیم میں متوقع حجاج کی تعداد پر کوئی پابندی نہ لگائی جائے۔

تیسری بات انٹرنیشنل پاسپورٹ کے ذریعہ حج پر پابندی کی حکمت عملی کی ہے، اور یہ حکمت عملی بھی ہماری عقل سے بالاتر ہے، ایک شخص کا یہ قانونی حق ہے کہ وہ دو سال میں ایک مرتبہ حکومت سے زر مبادلہ لے کر اپنے ملک سے باہر جاسکے اور یہ حق اس کو حکومت وقت نے خود دیا ہے، اب اگر ایک شخص اس قانونی حق کو نیک اور اچھے مقصد کے لئے استعمال کرتا ہے تو ہم اس کو روکتے ہیں، اگر وہ امریکہ یورپ یا کسی اور جگہ اس سے کم تر سود مند کام کے لئے جاتا ہے تو اس پر کوئی پابندی نہیں، یہ تو دراصل اس شخص کی خوش نصیبی اور نیک بختی کی بات ہے کہ وہ اپنے اس قانونی حق کو فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے استعمال کرتا ہے، اس لئے اس کو اپنے حق سے محروم کرنا

کم از کم اسلامی حکومت کا شیوہ نہیں ہوسکتا۔

ہمیں امید ہے کہ اس پابندی کو فوراً ختم کردیا جائے گا، سابقہ غیر اسلامی حکومتوں تک نے پاکستانی مسلمانوں کے استحقاق پر کوئی پابندی عائد نہیں کی تھی۔

پھر ہر حاجی سے ایک سو روپیہ حج محصول وصول کرنا بھی اسلامی حکومت کی پیشانی پر ایک داغ ہی کی حیثیت رکھتا ہے، ضرورت اس بات کی ہے اور یہ ایک اسلامی مملکت کا فریضہ بھی ہے کہ وہ حج کی سعادت حاصل کرنے والوں کے لئے اپنے ذرائع استعمال کرے، آسانی پیدا کرے نہ کہ مشکلات، ہمیں امید ہے کہ ہماری ان گزارشات پر ہمدردانہ انداز میں غور کیا جائے گا، اور یہ غلط پابندیاں فوراً واپس لے لی جائیں گی۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۳۰رجنوری ۱۹۸۱ء)

یومِ پاکستان

۲۷ رمضان کو منانا چاہیئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۷ رمضان المبارک (۲۳ اگست بدھ) کو نئی وفاقی کابینہ کی حلف برداری کے بعد ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے بعض عجیب اعلانات کئے ہیں، انہوں نے کہا ہے کہ ان کی خواہش تھی کہ پاکستان کا یوم آزادی ۲۷ رمضان کو منایا جائے مگر ان کی سابقہ کابینہ نے ان کی یہ تجویز اور خواہش مسترد کرتے ہوئے کہا:

''کیا بکواس کرتے ہو ۱۴ اگست، تو ۱۴ اگست ہے،
جب کہ ۲۷ رمضان بدلتی رہتی ہے۔''

سابقہ کابینہ کی بدقسمتی تھی کہ اس نے جنرل صاحب کی اس نیک خواہش کو مسترد کر دیا، اگر اس نے یہ مبارک فیصلہ کر دیا ہوتا تو یہ (کابینہ جس کی عمر پاکستان کی تاریخ میں شاید سب سے مختصر ہوئی ہے یعنی صرف ایک مہینہ) پاکستان کی محسن شمار ہوتی، اور اس کا نام صفحات تاریخ میں زریں اور جلی حروف سے لکھا جاتا، لیکن افسوس ہے کہ:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ سعادت سابقہ کابینہ کی قسمت میں نہیں تھی، اس کا نام پاکستان کی تاریخ میں اسی حیثیت سے پہچانا جانا مقدر تھا کہ:

''یہ پاکستان کی سب سے کم عمر کابینہ تھی، اور یہ اس کی کم عمری (نابالغی) ہی کا اثر تھا کہ جنرل ضیاءالحق نے اس کے سامنے ایک بہتر تجویز رکھی، مگر اس نے مسترد کردی۔''

ہم دعا کرتے ہیں کہ یہ سعادت جنرل ضیاء کی اس کابینہ کے حصے میں آئے۔

سابقہ کابینہ نے جنرل صاحب کی اس معقول اور مبارک تجویز کو مسترد کرنے کے لئے جو دلیل پیش کی ہے وہ بڑی سطحی ہے، کاش جنرل صاحب کابینہ کو جواب دیتے کہ:

''کیا بکواس کرتے ہو، ۲۷ر رمضان لیلۃ القدر ہے، جب کہ ۱۴راگست بدلتی رہتی ہے۔''

مشہور ہے'' کارِ خیر میں نہ کسی استخارہ کی ضرورت ہوتی ہے نہ کسیؐ سے مشورہ کی'' کاش جنرل ضیاء اس کارِ خیر میں ایسی کابینہ سے مشورہ ہی نہ کرتے، جو ان کی اچھی سے اچھی تجویز اور خواہش کو بھی قبول نہیں کر سکی، جنرل صاحب نے پریس کانفرنس میں ''اس کاش'' کا جواب بھی دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ'' انہوں نے یہ معاملہ کابینہ کے سامنے اس لئے رکھا تھا کہ وہ ڈکٹیٹر نہیں بننا چاہتے۔''

اس پر ہم مؤدبانہ گزارش کریں گے کہ جس معاملہ میں خیر اور شر کے دونوں پہلو نکل سکتے ہوں وہاں تو واقعی مشورہ کی ضرورت ہے، اور ایسے معاملات میں کسی

حکمراں کو "ڈکٹیٹر" نہیں بننا چاہئے، لیکن اگر کوئی معاملہ سراپا خیر ہی خیر ہو اور اس میں کوئی پہلو شر کا نہ ہو وہاں کسی کی رائے معلوم کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اگر دنیا بھر کی رائے بھی اس کے خلاف ہو تو بھی اس حکم کو نافذ کر دینا چاہئے اور یہ ڈکٹیٹر شپ نہیں بلکہ عاقلانہ اقدام اور مؤمنانہ جرأت کہلاتی ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عمل ہمارے سامنے ہے، جب آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عرب میں ارتداد کا فتنہ جنگل کی آگ کی طرح پھیلا تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ بے سروسامانی اور افرادی و مادی قوت کی کمی کے باوجود اس فتنے کا سر کچلنے کے لئے کھڑے ہوگئے، تمام صحابۂ کرامؓ حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے مقابلہ میں لشکرکشی کی مخالفت کی لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کسی کی ایک نہ مانی اور فرمایا اگر تم سارے مجھے چھوڑ دو گے تو میں ان مرتدین کے مقابلے میں تنہا نکلوں گا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس جرأت مندانہ اقدام کو "ڈکٹیٹر شپ" کون کہہ سکتا ہے؟ یہ ڈکٹیٹر شپ نہیں بلکہ ایمانی جرأت اور ایمانی غیرت ہے کہ جس چیز کا حق ہونا بالکل کھل چکا ہے اس میں کسی کی پروانہیں، خواہ کسے باشد۔

بہرحال سابقہ کابینہ تو ۲۷ر رمضان کو یوم آزادی قرار دینے کے فیصلے سے محروم رہی اب نئی کابینہ جو اسلامی نظام کے نفاذ کا عزم لے کر وجود میں آئی ہے اس کے بارے میں دیکھئے قضاء و قدر کا فیصلہ کیا ہوتا ہے؟ وہ جنرل صاحب کی اس نیک اور مقدس خواہش کی تکمیل کا فیصلہ کرتی ہے یا اپنی پیشرو کابینہ کی طرح انگریزی ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سعادت سے محروم رہتی ہے۔

اس پریس کانفرنس میں جنرل صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ انہوں نے

تارک نماز کے بارے میں کوئی تادیبی حکم اس لئے جاری نہیں کیا کہ وہ ڈنڈے کی نماز کے قائل نہیں ہیں اور یہ کہ وہ پاکستان کے مسلمانوں سے خدا کی نماز پڑھوانا چاہتے ہیں، جنرل ضیاءؑ کی نماز نہیں۔

جنرل صاحب کی یہ سوچ اگرچہ تدبر و احتیاط پر مبنی ہے کہ وہ کوئی ایسا حکم نہیں ٹھونسنا چاہتے جس کو قبول کرنے کے لئے ذہن تیار نہ ہوں تاہم اس تدبر کے ساتھ ساتھ چند اور حقائق کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اول یہ کہ قانون معاشرے کے ان افراد کے لئے بنایا جاتا ہے جو قانون کے ڈنڈے کے بغیر راہ راست پر نہیں آتے، ظاہر ہے کہ اگر معاشرے کے سارے افراد راہ راست پر ہوں تو ان پر کسی قانون کے نافذ کرنے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے؟ اور جو لوگ راہ راست سے بھٹک جائیں انہیں انصاف کی رسی سے باندھ کر قانون کے ڈنڈے سے راہ راست پر لانا ناگزیر ہوجاتا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو نظام عالم درہم برہم ہوجائے، اگر ڈنڈا ایسی چیز ہے کہ اسے کسی جگہ بھی استعمال نہیں کیا جانا چاہئے تو یہ پولیس کی پکڑ دھکڑ کیوں؟ یہ احتساب کے ٹریبونل کیوں؟ یہ عدلیہ کا نظام کیوں؟ یہ قید و بند، جرمانہ اور سزائے موت کا حکم کیوں؟ کیا یہ سب کچھ ڈنڈے کے مظاہرے نہیں ہیں؟ اور کیا کوئی عاقل اس ڈنڈے کے استعمال کو مذموم کہہ سکتا ہے؟ اگر ان ساری چیزوں میں ڈنڈا چل سکتا ہے، چلتا ہے، اور چلنا چاہئے تو اسلام کی سب سے بڑی عبادت کے تارک کو فریضۂ الٰہی کا پابند بنانے کے لئے ڈنڈا کیوں برا سمجھا جائے؟ اور اسلام کے سب سے بڑے شعار کو توڑنے والوں پر ڈنڈے کا استعمال کیوں غیر شریفانہ فعل قرار دیا جائے، اگر بے نمازیوں کو صرف قرآن کریم کی آیات سنا دینا کافی ہے اور اس سے آگے حکومت پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی تو معاف

کیجئے چوروں، ڈاکوؤں اور قاتلوں کو بھی بس قرآن کریم کی آیات سنادیا کیجئے، اس کے بعد وہ آزاد ہوں کہ ان آیات کی تعمیل کریں یا نہ کریں، کتنی عجیب بات ہے کہ حکومت کے قانون کی خلاف ورزی پر ڈنڈا چل سکتا ہے، مگر خدا کی نافرمانی پر کوئی سزا دینا ''ڈنڈا'' کہلاتا ہے، اس سے بھی قطع نظر جنرل صاحب کم از کم اتنا تو کرہی سکتے تھے کہ اپنی کابینہ میں صرف ان لوگوں کو بھرتی کرتے جو فریضۂ الٰہیہ سے سرکشی کے مرتکب نہ ہوں اور اس سے بھی نیچے اتر کر ہم کہیں گے کہ وہ کم از کم اتنا تو کرہی سکتے تھے کہ اپنی کابینہ کے وزیروں سے جہاں ملک سے وفاداری کا حلف لیتے وہاں خدا تعالیٰ کے سب سے بڑے حکم کی بجا آوری کا بھی عہد لیتے، اسی طرح اوپر سے نیچے تک تمام سرکاری افسران و ملازمین سے اس کا حلف لیا جاتا، اگر ہم اتنا بھی نہیں کرسکتے تو اس ملک میں کیا اسلامی نظام لائیں گے؟ اگر پاکستان میں کمیونسٹ حکومت ہوتی تو آپ دیکھتے کہ وہ کمیونزم کی ایک ایک بات کو کس طرح نافذ کرتی ہے۔

سابقہ کابینہ کے مستعفی ہونے پر ۱۷رمضان کو ۲۲ رکنی نئی وفاقی کابینہ نے حلف اٹھایا جس میں قومی اتحاد کے تیرہ ارکان بھی شامل ہیں، قومی اتحاد نے بڑی ردوکد اور پس و پیش کے بعد حکومت میں شمولیت کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے، قومی اتحاد نے جن نازک ترین حالات سے نمٹنے کے لئے یہ چیلنج قبول کرنے کی جرأت کی ہے وہ بہت ہی لائق تحسین ہے۔

ہم نئی کابینہ کے ارکان کو رسمی مبارک باد پیش کرنے کے بجائے ان اہم ترین ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہیں جو قوم و وطن اور اسلام کی جانب سے ان پر عائد ہوتی ہیں۔

قومی اتحاد نے حکومت میں شمولیت کی سہ نکاتی غرض و غایت یہ پیش کی ہے:

۱:...... معیشت کی بحالی۔

۲:...... انتخابات کا انعقاد۔

۳:...... اسلام کا نفاذ۔

موجودہ حالات میں یہ تینوں مقاصد لوہے کے چنے ہیں، جو بہرحال قومی اتحاد اور موجودہ کابینہ کو چبانے ہوں گے، قومی اتحاد کی قیادت اور اس کے وزیروں کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ ان کے رقیب ان کی تاک میں ہیں، اور کسی ایک وزیر کی معمولی سی غلطی، معمولی سی غفلت اور فرض ناشناسی نہ صرف اس کے لئے بلکہ اتحاد کی تمام جماعتوں کے لئے مہلک ثابت ہوسکتی ہے۔

اکتیس سالہ تاریخ نے پاکستان کے غریب عوام کو اس منزل پر لا کھڑا کیا ہے کہ ان کی مادی ضروریات اور پریشانیوں کو حل نہ کیا گیا تو وہ غلط دعوت پر لبیک کہنے کے لئے تیار ہوں گے، اس لئے نئی کابینہ کے ارکان خصوصاً قومی اتحاد کے وزیروں کو تدبر، ہوشمندی اور سلیقہ کے ساتھ بے حد جانفشانی اور انتھک محنت سے کام کرنا ہوگا، اگر انہوں نے پختہ عزم اور علم و تدبر کے ساتھ اپنے فرائض کما حقہ انجام دئے تو نہ صرف قوم کی دعائیں ان کے ساتھ ہوں گی بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی ان کے شامل حال ہوگی۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی یکم ستمبر ۱۹۷۸ء)

۲۷ر رمضان ۔ ۱۴ر اگست
ہمیں کس چیز کا احساس دلاتا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۴ر اگست کی تاریخ اس حسین ترین تاریخی صداقت کی یاد دلاتی ہے جب ۲۷ر رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ، ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو ملک خدا داد پاکستان سب سے بڑے اسلامی ملک کی حیثیت سے دنیا کے نقشہ پر نمودار ہوا تھا۔ ہم اس تاریخ کو رسمی طور پر جشن پاکستان مناتے ہیں، اور بڑی دھوم دھام سے اس کی تقریبات ہوتی ہیں، لیکن ان تقریبات میں نہ کوئی انفرادیت ہے اور نہ اس سے نئی نسل ٹھیک یہی اندازہ کر پاتی ہے کہ یہ تقریبات کیوں منعقد کی جاتی ہیں؟ اس قسم کے میلے، جشن اور ایسی تقریبات ان لادین قوموں کے ہاں بھی رائج ہیں جن کا تصور حیات ہم سے یکسر مختلف ہے، یہ نمائشی مظاہرے جو ۱۴ر اگست کو ہمارے یہاں دیکھنے میں آتے ہیں، اور جن کا اہتمام ہم بڑے ذوق وشوق سے کرتے ہیں، دنیا کی ہر قوم اور ہر ملک میں رائج ہیں، ان میں نہ کوئی انفرادیت ہے، نہ کوئی تربیت، اور نہ کوئی پیغام، یہی وجہ ہے کہ جشن پاکستان کی تقریبات سے نئی نسل کو سوائے کھیل تماشے اور لہو ولعب کے کوئی چیز ہاتھ نہیں آتی، وہ سمجھتی ہے کہ جیسے سال میں اور بہت سے میلے آتے ہیں، اسی طرح

۱۴؍اگست کو پاکستان کا میلہ ہوتا ہے، قیام پاکستان کا منظر جن لوگوں نے نہیں دیکھا، وہ ان رسمی تقریبات سے یہ نہیں جان سکتے کہ پاکستان کیا چیز ہے؟ کیوں بنایا گیا تھا؟ اور پھر خود پاکستان کے ہاتھوں پاکستان پر کیا گزری؟

۱۴؍اگست کی رات ہمیں اسی نعمت کبریٰ کی یاد دلاتی ہے کہ جب ڈیڑھ صد سالہ غلامی کے بعد ہمیں آزادی کی فضا میں سانس لینا نصیب ہوا، اس عالم رنگ و بو میں غلامی سے بڑھ کر کوئی لعنت اور آزادی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں، قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی بھی اور براہ راست خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی بنو اسرائیل کو بار بار یہ انعام یاد دلایا گیا ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے فرعون کے طوق غلامی سے نجات دی، فرعون نے جو مظالم بنو اسرائیل پر ڈھائے تھے، انگریز نے ہندوستانیوں پر اس سے کم ظلم نہیں ڈھائے، اور اہل ہند کا اپنے وقت کے سب سے بڑے فرعون کی غلامی سے نجات پانا، بنو اسرائیل کی آزادی سے کچھ کم نعمت نہیں تھا۔

پھر قیام پاکستان کی شکل میں ہمیں صرف انگریز ہی سے نہیں، بلکہ ہندو کی غلامی سے بھی آزادی میسر آئی، ہمارے جو بھائی ہندوستان میں ہیں ان کے ساتھ گزشتہ ۴۲ سال سے جو سلوک ہو رہا ہے وہ ہمارے لئے تازیانۂ عبرت ہے۔ انصاف فرمایئے کہ کیا ہم ۱۴؍اگست کو آزادی کی اس عظیم الشان نعمت کا شکر کرتے ہیں؟ کیا ہم اس شکرِ نعمت کا عہد کرتے ہیں؟

پاکستان محض ایک علاقائی حصے اور جغرافیائی خطے کا نام نہیں تھا، بلکہ اس کے اول و آخر ''لا الٰہ الا اللہ'' کا نعرہ تھا ـــــ ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ'' ہی اس کی غرض و غایت تھی، ۱۴؍اگست کا دن ہم سے یہ چبھتا ہوا سوال کرتا ہے کہ ہم نے اس قول و قرار کا کہاں تک پاس رکھا؟ کیا ہمارا یہ نعرہ، ہمارا یہ عہد، ہمارا یہ قول و قرار

اور ہمارا یہ پے درپے اعلان کہ: ہم ''لا الٰہ الا اللہ'' کی سربلندی اور اسلامی قانون پر عمل کرنے کے لئے ''پاکستان'' لینا چاہتے ہیں، کیا یہ اخلاص وصداقت پر مبنی نہیں تھا؟ اگر یہ محض نفاق اور تقیہ یا کم از کم سیاسی نعرہ نہیں تھا، تو وہ کونسی طاقت ہے جس نے ہماری حکومت اور ہمارے عوام کو اب تک اسلام کے سرچشمہ سے محروم رکھا ہے؟

۱۴راگست کا دن ہمیں یہ چرکا بھی لگاتا ہے کہ اگر تم آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوتے تو جس فرعون کی غلامی سے تم جسمانی طور پر آزاد ہوئے تھے اس کی ذہنی غلامی سے بھی فوراً آزاد ہوجاتے، مثلاً تمہاری مذہبی زبان عربی اور قومی و وطنی زبان اردو ہے، لیکن آج تک تمہارے ''پاک ملک'' میں نہ تمہاری قومی زبان رائج ہوسکی اور نہ تمہاری مذہبی زبان کا سکہ چل سکا، بلکہ تمہارے اسکول سے لے کر سپریم کورٹ تک انگریزی کی حکمرانی ہے، اگر تمہیں اپنی آزادی کی صحیح قدر و قیمت معلوم ہوتی تو یقیناً تم ''فرعون عصر'' کی زبان کے بجائے ''نبی وقت'' کی زبان کو اپنی سرکاری زبان بناتے۔

۱۴راگست آتا ہے، اور گزر جاتا ہے، ہم لفظی طور پر ''تجدید عہد'' کے اعلانات کرتے ہیں، ہمارے بڑوں کی طرف سے قوم کے نام ''پیغامات'' دیئے جاتے ہیں، کچھ جلسے جلوس ہوتے ہیں، لیکن ان سب معاہدوں، اعلانوں اور تقریروں کا حشر وہی ہوتا ہے جو ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ'' کے نعرے کا ہوا تھا، اور جو قیام پاکستان سے قبل کئے گئے وعدوں اور معاہدوں کے ساتھ اب تک ہورہا ہے — اور اس کا نتیجہ بھی ظاہر ہے کہ جیسا ہمارا طرز عمل ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمارے ساتھ کچھ ایسی نوعیت کا معاملہ ہورہا ہے، اس لئے اگر پاکستان کا وجود میں آنا کوئی نعمت تھی تو اس نعمت کا شکر اجتماعی طور پر ہم پر لازم ہے اور اس نعمت کا شکر یہی ہے کہ

یہ ملک جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں صرف اور صرف اسلام کے نام پر عطا فرمایا تھا اس میں ہم کفر اور کافری کے ہر شعار کو مٹائیں اور اسلام اور مسلمان کے ہر نشان کو بلند کریں، ۱۴؍اگست، اس مطالبہ کی تجدید کا نام ہے جب تک ہم اپنے وعدہ کا ایفاءٗ نہیں کرتے، ہم سے بدستور یہ تقاضا کیا جاتا رہے گا۔

یہاں یہ نکتہ فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ قومی و اجتماعی جرائم کی تلافی انفرادی وذاتی اعمال صالحہ سے نہیں ہوتی، امام عبداللہ بن مبارکؒ کی کتاب الزہد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں پر ایک وقت آئے گا کہ مؤمن عام لوگوں کی بھلائی کی دعا کرے گا تو حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ تو اپنی ذات کے لئے جو مانگنا چاہتا ہے مانگ، میں تجھ کو عطا کردوں گا، لیکن عام لوگوں کے لئے نہیں، کیونکہ انہوں نے مجھے ناراض کرلیا ہے۔''

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قومی و اجتماعی جرائم کا مداوا انفرادی اعمال سے نہیں ہوتا اور قوم و اجتماع کی نمائندہ اور ترجمان اس ملک کی حکومت ہوا کرتی ہے، پس اگر کسی ملک میں حکومت صالحہ قائم ہو، جو اسلام کا پرچم بلند کرتی ہو، کفر و نفاق کے نشانات اور شعائر کو مٹاتی ہو، نیک باتوں کو رواج دیتی اور بری باتوں سے باز رکھتی ہو، اس کے محاکم عدلیہ میں اسلامی قانون نافذ ہو، اور اجتماعی و انفرادی زندگیوں میں اسلام کی حکمرانی ہو، وہاں کے کچھ افراد میں اگر کمزوریاں بھی ہوں تو پوری قوم خدا تعالیٰ کی ناراضی کا نشانہ نہیں بنتی، اس کے برعکس اگر کسی ملک میں اسلام درجہ دوم کی حیثیت رکھتا ہو، چپراسی سے لے کر صدر مملکت تک سب غیر اسلامی قانون کے پابند ہوں، کفر و نفاق کو کھلی چھٹی ہو، معروفات کو کھلے بندوں مٹایا جاتا ہو، اور منکرات اور برائیوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہو، محاکم عدلیہ میں خدا کے قانون کے خلاف فیصلے

ہوتے ہوں، تو وہاں کے کچھ افراد اگر اعلیٰ پائے کے اولیاءُ اللہ بھی ہوں اور وہ پوری قوم کی خیر اور بھلائی کی دعائیں بھی کرتے ہوں، تب بھی وہ قوم خدا تعالیٰ کی رحمت کا مورد نہیں بنتی، اس لئے کہ اجتماعی غلطی و تقدیر کا علاج صرف اجتماعی توبہ و تلافی ہی سے ہوسکتا ہے، اس کے لئے انفرادی اعمال اور انفرادی دعائیں کافی نہیں ـــــ

۱۴/اگست کی تاریخ، جس دن پاکستان بنا تھا، ۲۷/رمضان تھی، اگر ہم ۱۴/اگست کے بجائے ۲۷/رمضان کو اپنا قومی دن قرار دیتے تو یہ ہمارے لئے بہت بڑی سعادت اور نیک فال کا ذریعہ بن سکتی تھی، مگر افسوس ہے کہ ہماری کسی حکومت نے اس طرف بھی توجہ نہیں دی، یہ انگریز کی ذہنی غلامی کی پہلی افسوسناک مثال ہے، حالانکہ سعودی عرب اور بہت سے اسلامی ممالک میں اسلامی تقویم رائج ہے، حق تعالیٰ شانہ اس ملک کی حفاظت فرمائیں، اور یہاں کے مسلمانوں کو اپنی مرضیات پر چلنے اور اسلام کا پرچم بلند کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۰/اگست ۱۹۷۹ء)

یومِ آزادی۔ یومِ تشکر

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

آزادی حق تعالیٰ شانہ کی بہت بڑی نعمت ہے، قرآن کریم میں بہت سی جگہوں پر بنی اسرائیل کو یہ انعام یاد دلایا گیا ہے کہ ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دلائی۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

"عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قدم المدينة فوجد اليهود صياما يوم عاشوراء، فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ما هذا اليوم الذى تصومونه؟" فقالوا: هذا يوم عظيمٌ انجى الله فيه موسىٰ وقومهٗ وغرّق فرعون وقومه، فصامه موسىٰ شكرا فنحن نصومه. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "فنحن احق واولىٰ بموسىٰ منكم." فصامه رسول الله صلى الله عليه وسلم وامر بصيامه. متفق عليه."

(مشکوٰۃ المصابیح ص:۱۸۰)

ترجمہ:......"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود عاشورا کے دن کا روزہ رکھتے ہیں، آن سے اس کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا

کہ: یہ ایک عظیم دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی تھی، اور فرعون اور اس کی قوم کو اس دن غرق کیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکرانے کے طور پر اس دن کا روزہ رکھا تھا، ان کی پیروی میں ہم اس دن روزہ رکھا کرتے ہیں، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کے حق دار ہیں اور تم سے زیادہ ان سے تعلق رکھتے ہیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورا کا روزہ رکھا، اور اس کے روزے کا حکم فرمایا۔"

۲۷ر رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کو ٹھیک نصف شب میں قیام پاکستان کا اعلان ہوا، اور ہم انگریز ملعون کی ڈیڑھ سو سالہ غلامی کے بعد آزادی کی نعمت سے ہمکنار ہوئے، اس لئے ہمارے حق میں یہ دن "یوم تشکر" کہلانے کا مستحق ہے، اجتماعی حیثیت سے ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اس کے تقاضے بجا لاتے، قوم اس دن سرکاری و غیر سرکاری طور پر جشن آزادی مناتی ہے، لیکن بدقسمتی سے ہمارا انداز جشن آرائی، بے خدا اور ضلال و مغضوب قوموں سے چنداں مختلف نہیں، حالانکہ غیور اور اولوالعزم قومیں دوسروں کی تقلید اعمیٰ پر قناعت نہیں کیا کرتیں، بلکہ خود اپنی روایات قائم کیا کرتی ہیں، آیئے ذرا غور کریں کہ ہمارے لئے "یوم تشکر" کے تقاضے کیا تھے۔

سب سے پہلے تو ہمیں اس پر ہزار شکر بجا لانا چاہئے تھا کہ ہمیں آزادی کی نعمت رمضان المبارک ایسے بابرکت مہینے میں ملی اور رمضان مبارک کی بھی ستائیسویں شب میں، جسے لیلۃ القدر کہا جاتا ہے اور جو پورے سال کی راتوں سے افضل ہے، اس نعمت کی قدر شناسی کا تقاضا تھا کہ ہمارا یوم تشکر یا یوم آزادی ۱۴ر اگست کو نہیں بلکہ ۲۷ر رمضان المبارک کو ہوتا، لیکن یہ ایک المیہ ہے کہ ہم نے اتنے مبارک یوم آزادی کو چھوڑ کر انگریزی تقویم کو اپنا قبلۂ مقصود بنایا، یہ اس امر کی علامت ہے کہ ہم اگرچہ حسی

وجسمانی طور پر آزاد ہوئے ہیں مگر ۳۵ سال (اور قمری تقویم کے لحاظ سے ۳۶ سال) ہوچکے ہیں، لیکن انگریز کی ذہنی غلامی سے ہمیں آج تک نجات نہیں ملی ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ ہم ستائیس رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کو بھول کر ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو یاد رکھتے۔

عقل و دانش کا تقاضا یہ تھا کہ اگر ہمارے یوم آزادی کو لیلۃ القدر کی عظمت و فضیلت کا شرف نہ بھی حاصل ہوتا، تب بھی ہم اپنی قمری تاریخ ہی کو اصل قرار دیتے اور یہود و نصاریٰ کی تقلید سے احتراز کرتے، حدیث میں آتا ہے کہ:

"وعنه (عن ابن عباس رضی الله عنهما) قال: حين صام رسول الله صلى الله عليه وسلم عاشوراء وامر بصيامه، قالوا: يا رسول الله! انه يومٌ يعظمه اليهود والنصارىٰ. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لئن بقيت الىٰ قابل لاصومن من التاسع." رواه مسلم."

(مشکوٰۃ ص:۱۷۸، ۱۷۹)

ترجمہ:......"جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورا کا روزہ رکھا اور اس کے روزے کا حکم فرمایا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ ایک ایسا دن ہے جس کی یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں، فرمایا اگر زندہ رہے تو آئندہ سال نویں دسویں تاریخ کا بھی روزہ رکھیں گے۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یوم تشکر میں بھی یہود و نصاریٰ کی تقلید گوارا نہ تھی، اب جبکہ ملک میں اسلامی نظام کی داغ بیل ڈال دی گئی ہے، ہم پر لازم ہے کہ ۱۴/اگست کے بجائے "۲۷/رمضان المبارک" کو یوم آزادی قرار دیا جائے۔

حق تعالیٰ شانہ نے ہمیں اس دن آزادی کی دولت عطا نہیں فرمائی بلکہ

احسان بالائے احسان یہ فرمایا کہ ایک مستقل مملکت ہمیں عطا فرما دی جس میں کسی دوسرے کا عمل دخل نہیں ہے، اس نعمت کا تقاضا یہ تھا کہ قیام پاکستان کے پہلے ہی دن سے طاغوتی قانون کے خلاف بغاوت اور حق تعالیٰ شانہ کے قانون سے وفاداری کا اعلان کرتے، چنانچہ قرآن کریم میں اہل ایمان کا یہ خاص شعار بیان فرمایا گیا:

"اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ." (الحج:۴۱)

ترجمہ:......"یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں (اور دوسروں کو بھی) نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے۔"

ہمیں آزادی کی نعمت ملی اور پاک سرزمین میں آزادانہ حکومت کا موقع نصیب ہوا، لیکن ہر شخص بچشم خود دیکھ سکتا ہے کہ ہم نے قرآنی اعلان کے مطابق نماز و زکوٰۃ کی پابندی کی؟ اور نیکیوں کے پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے میں ہماری قوتیں صرف ہوئیں؟ یا یہود و نصاریٰ کی تقلید میں فحاشی و عریانی اور لہو و لعب کو فروغ ہوا؟ "عیاں راچہ بیاں۔" قرآن کریم میں یہ بھی ارشاد ہے:

"لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ." (ابراہیم:۷)

ترجمہ:......"اگر تم شکر کرو گے تو میں تم کو مزید انعامات سے نوازوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو بے شک میرا عذاب بڑا سخت ہے۔"

یوم آزادی ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ اپنی ۳۵،۳۶ سالہ کوتاہیوں اور لغزشوں پر ندامت کے ساتھ توبہ کریں، اور آئندہ نئے عزم اور نئے ولولے کے ساتھ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفاداری کا اعلان کریں، خدا و رسول کے منشا کے خلاف جو چیزیں ملک میں پھیلی ہوئی ہیں، ان کو مٹا ڈالیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سنتیں مٹ رہی ہیں انہیں زندہ کریں، یہود و نصاریٰ کے طور طریقے چھوڑ کر حق تعالیٰ شانہ کے مخلص و فرماں بردار بندوں کی راہ پر گامزن ہوں، یہی ہماری آزادی کا صحیح مصرف ہے اور یہی چیز ہماری آزادی کا تحفظ کر سکتی ہے، ورنہ اندیشہ ہے کہ خدانخواستہ ہماری بدکرداری و سیاہ عملی ہمیں آزادی کی اس نعمت عظمیٰ سے محروم کردے، اور حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے عذاب شدید کا ظہور ہونے لگے۔

یوم آزادی کے موقع پر جو جشن منایا جاتا ہے اس کے اکثر مظاہر اسراف و تبذیر کی مد میں آتے ہیں، اور جوش و خروش کے اظہار کے سوا ملک و قوم کو ان سے کوئی منفعت حاصل نہیں ہوتی، یہ تمام مظاہر بھی گمراہ اور ضال و مغضوب قوموں کی اندھی تقلید ہے، اس کے بجائے ہونا یہ چاہئے کہ ہم واقعتاً یوم آزادی کو ''یوم تشکر'' میں تبدیل کردیں، اس دن روزہ رکھا جائے، کثرت سے قرآن کریم کی تلاوت کی جائے، شکرانہ کی نمازیں (انفرادی طور پر) ادا کی جائیں، ملک و ملت کی فلاح و بہبود کے لئے حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں دعائیں کی جائیں، اور ہر شخص توبہ و استغفار کرے، جشن منانا، چراغاں کرنا، جھنڈے لہرانا، نمائش کرنا، جلسے جلوس کا اہتمام کرنا، وغیرہ وغیرہ، یہ سب بے جان رسمی چیزیں ہیں، جن کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی قیمت نہیں، حق تعالیٰ اس ملک کی حفاظت فرمائے اور یہاں کے حکام و رعایا کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(ہفت روزہ ختم نبوت کراچی ج:۱ ش:۱۱)

وزیراعظم محمد خان جونیجو کے نام کھلا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت گرامی عزت مآب جناب محمد خان صاحب جونیجو، وزیراعظم پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کراچی، حیدر آباد، کوئٹہ اور بعض دیگر علاقوں میں جو لسانی اور گروہی فسادات رونما ہوئے ہیں اور جن سے ملک کا امن و امان تہ و بالا ہوا، بہت سی قیمتی جانیں ضائع ہوئیں، کروڑوں روپے کی املاک کو نقصان پہنچا، اور باہر کی دنیا میں ملک وملت اور حکومت وقوم کی بدنامی ہوئی، وہ ہر حساس پاکستانی کے لئے موجب رنج وغم اور لائق شرم وندامت ہیں۔

غالباً تمام اہل فکر ان فسادات کے اسباب وعلل کی کڑیاں تلاش کرنے میں مصروف ہوں گے، اور ہر شخص اپنی فہم کے مطابق اس سلسلہ میں قیاس آرائیاں کر رہا ہوگا، لیکن ہمارے نزدیک ان فسادات کی علت العلل حق تعالیٰ شانہ کی ناراضی ہے، قرآن کریم میں باہمی سر پھٹول کو عذاب الٰہی سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ اجتماعی عذاب کسی اجتماعی گناہ پر ہی نازل ہوسکتا ہے۔

آنجناب سے بہتر کون جانتا ہے کہ مسلم لیگ نے اسلام کے نام اور کلمہ طیبہ کے نعرہ پر پاکستان لیا تھا، اور آنجناب کو یہ بھی بخوبی علم ہے کہ آج چالیس سال گزرنے پر بھی وطن عزیز اسلام کی نعمت سے محروم ہے، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہمارا فرد و معاشرہ ۱۹۴۷ء کی نسبت آج اسلام سے زیادہ دور اور بے گانہ ہے۔ ایک عرصہ کے بعد اقتدار پھر مسلم لیگ کے ہاتھ آیا ہے، گویا خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک

بار پھر موقع دیا گیا ہے کہ مسلم لیگ اپنے چالیس سالہ عہد کا ایفا کر سکے، لیکن نہایت رنج اور صدمے کی بات ہے کہ مسلم لیگ کو اس سے زیادہ دلچسپی نہیں، اور اس سے بڑھ کر صدمہ کی بات یہ ہے کہ مسلم لیگی اٹھتے بیٹھتے ''شریعت بل'' کی مخالفت میں بیان دیتے ہیں، جو غضب الٰہی کو کھلی دعوت دینے کے مترادف ہے، ہماری مؤدبانہ درخواست ہے کہ مسلم لیگ اپنے عہد کا (جو اس نے اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے کیا تھا) پاس کرے اور شریعت بل کو منظور کر کے غضب الٰہی کو ٹھنڈا کیا جائے، اور چونکہ یہ ملک نفاذ اسلام کے وعدہ پر لیا گیا تھا، اگر اس وعدہ کا ایفا نہ کیا گیا اور یہ آخری موقع جو اللہ تعالیٰ نے مسلم لیگ کو فراہم کیا ہے، اس سے فائدہ نہ اٹھایا گیا تو ہمیں اندیشہ ہے کہ ہمیں نااہل قرار دے کر یہ امانت ہم سے واپس نہ لے لی جائے، ولا فعل اللہ ذالک۔

جناب محترم! پاکستان میں جو غیر یقینی حالات پیدا کئے جارہے ہیں جیسا کہ آنجناب کے اور جناب صدر مملکت کے بیانات میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس میں بیرونی ہاتھ ملوث ہیں، اس امر کے قرائن و شواہد موجود ہیں کہ اس آگ کو مشتعل کرنے کے لئے بیرونی طاقتوں خصوصاً ایران نے ایندھن فراہم کیا ہے، ایران سے زہریلے لٹریچر کا جو سیلاب اسلامی ممالک خصوصاً پاکستان میں بہایا جارہا ہے، اور ایرانی حکومت اپنے ہم مسلکوں کو جس طرح تھپکی دے کر سنی مسلمانوں کے خلاف اکسارہی ہے، وہ آنجناب کے علم میں ہوگا...... ایران کے مذہبی راہنما کا نظریہ یہ ہے کہ دنیا میں حکومت کرنا صرف ائمہ معصومین یا نظریۂ ولایت الفقیہ کے تحت ان کے نائبوں کا حق ہے، اس نظریئے کی بنا پر وہ خلفائے راشدین سے لے کر آج تک کے سنی حکمرانوں کو ظالم و غاصب اور کافر و مرتد سمجھتے ہیں، اور ان کی حکومت کے خلاف مشکلات پیدا کرنا

اور ان کا تختہ الٹنا ان کے مذہبی فرائض میں شامل ہے۔

خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انہی کی تیغ ظلم سے شہید ہوئے، خلافت بغداد انہی کی سازش سے ختم ہوئی، بنگال اور پھر متحدہ ہندوستان پر انہی کی سازشوں سے انگریز کا قبضہ ہوا۔ آج پاکستان اور سعودی عرب کی حکومت ان کی آنکھوں کا جالا ہیں اور وہ ہر ممکن طریقے سے ان حکومتوں کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں، جس کا ایک ذریعہ قومی فسادات بھی ہیں، بہرحال ہم دلائل وشواہد کی روشنی میں اس یقین کا اظہار کرتے ہیں کہ شیعہ اور ان کی ایرانی حکومت ایک مذہبی فرقہ نہیں، بلکہ سیاسی طالع آزماؤں کا ایک ٹولہ ہے جو خلفائے راشدین سے لے کر آج تک امت مسلمہ کو ''غیر مؤمن'' سمجھتا ہے، اور ان کے خلاف سازشیں کرنا کارثواب سمجھتا ہے، اگر ہمیں اس ملک کو بچانا ہے تو کمیونسٹ، قادیانی اور شیعہ سازشوں سے چوکنا رہنا ہوگا جن کی باگ ڈور بیرونی طاقتوں کے ہاتھ میں ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ بعض وزراء، جو اپنے کو کراچی کا نمائندہ کہتے ہیں، اور جنہیں نیرنگئ تقدیر یا ہماری شامت اعمال نے لیلائے وزارت سے ہمکنار کردیا ہے، وہ ایک خاص طبقہ کو منشیات فروش اور اسلحہ اسمگلنگ کا الزام دے کر اپنی عقل مندی کی سند مہیا کرتے ہیں، منشیات کا کاروبار کرنے والے یا اسلحہ کی اسمگلنگ کرنے والے افراد ہماری حکومت اور ہمارے قانون نافذ کرنے والے اداروں کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں، ان کے خلاف ضرور کاروائی کرنی چاہئے، لیکن اس پورے طبقہ کے خلاف فضا خراب کرنا، یا بے گناہ لوگوں کو زبردستی ملوث کرنا، ایک ایسی بے انصافی ہے جس سے ملک کی بنیادیں ہل سکتی ہیں، اہل دانش کا قول ہے کہ کفر کے ساتھ حکومت چل سکتی ہے مگر ظلم کے ساتھ نہیں چل سکتی، آنجناب سے گزارش ہے کہ ایسے وزراء کو فہمائش

کی جائے جو ایسے ناعاقبت اندیشانہ بیانات دے کر اپنی عقل و دانش کا حدود اربعہ متعین کرتے ہیں۔

۴:......ملک کو افراتفری سے بچانے کے لئے سیاسی اور نیم سیاسی جلوسوں پر پابندی عائد کی گئی ہے جو ایک اچھا اقدام ہے، لیکن اصل سیاسی جلوس تو شیعوں کے جلوس ہیں، ان پر کیوں پابندی عائد نہیں کی جاتی؟ اور اگر یہ ان کی مذہبی رسوم ہیں تو ان کو ان کی عبادت گاہوں تک کیوں محدود نہیں کیا جاتا؟ اور سنی مسلمانوں کو آخر کس جرم کی سزا دی جاتی ہے کہ ان کے مذہبی اداروں کے سامنے سے ان جلوسوں کے گزارنے پر اصرار کیا جاتا ہے، اور عام شہریوں کو کس جرم کی سزا دی جاتی ہے کہ ان کی ناکہ بندی کردی جاتی ہے؟

ہم آخری گزارش یہ کرنا چاہتے ہیں کہ اقتدار خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، ایک بہت بڑی ذمہ داری کی چیز ہے، اور ایک مسلمان حکمران کا فرض ہے کہ وہ عادل و منصف اور خدا ترس ہو، اس کے دل میں مرنے کے بعد کا اندیشہ اور محاسبۂ آخرت کا خوف ہو، آپ ہماری اس بات سے اتفاق کریں گے کہ ہماری انتظامی مشینری کے اکثر پرزے ان صفات سے عاری ہیں، ہمارے سرکاری افسران اور اہلکاروں کے لئے جہاں قابلیت و لیاقت کے دوسرے معیار رکھے گئے ہیں، وہاں خدا ترسی اور فرائض شرعیہ کی بجاآوری کو سب سے اولیت ہونی چاہئے، پھر جس طرح ہر محکمہ کے افسران کی پیشہ ورانہ تربیت کے انتظامات کئے جاتے ہیں، وہاں ان کی اصلاح و تربیت کے انتظامات بھی ہونے چاہئیں، تاکہ وہ خود بھی نیک ہوں اور ان کے ذریعے پوری قوم کو بھی نیکی کی ترغیب ہو۔

ڈی ایم ایل اے کراچی کے نام کھلا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت عالی جناب محمد افضل خان صاحب ڈی ایم ایل اے کراچی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جناب والا! آپ کو معلوم ہے کہ ''سواد اعظم اہل سنت پاکستان'' ایک مذہبی تنظیم ہے، سیاست سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اور یہ بات بھی جناب کے علم میں ہوگی کہ اس تنظیم کے راہنماؤں نے ڈی ایم ایل اے سے لے کر عزت مآب گورنر صاحب اور جناب صدر مملکت تک سے جائز امور میں ہر ممکن تعاون کی پیش کش کی ہے، اور ہر موقع پر اس کا عملی ثبوت بھی پیش کیا ہے، اور کسی موقع پر بھی حکومت کو پریشانی میں مبتلا کرنے یا اس کی پریشانیوں میں اضافہ کرنے کی کوشش نہیں کی، مثلاً:

۱...... تنظیم کا فیصلہ تھا کہ ملک کی عظیم اکثریت اہل سنت کی طرف سے پوری قوت و شدت سے محرم کے ماتمی جلوسوں پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا جائے گا، اور تاوقتیکہ یہ صحیح اور جائز مطالبہ قبول نہ کرلیا جائے اور ان جلوسوں پر مکمل پابندی عائد نہ کردی جائے سنی تحریک کو پوری قوت سے جاری رکھا جائے گا، لیکن ملک خصوصاً صوبہ

سندھ کے تشویشناک حالات کے پیش نظر تنظیم نے اپنا فیصلہ تبدیل کیا، اور ایک میٹنگ میں آپ کے افسران کو ازخود بتایا کہ موجودہ صورت حال کے پیش نظر ہم تحریک نہیں چلانا چاہتے۔

۲...... تنظیم کا ایک کنونشن ملکی سطح پر کراچی میں منعقد ہونے والا تھا، تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے صرف ایک دن پہلے ہم سے کہا گیا کہ یہ کنونشن کراچی میں نہ ہو تو بہتر ہے، ہم نے بغیر کسی اصرار کے کنونش کراچی کے بجائے حیدر آباد میں کیا۔

۳...... ۱۶ر فروری ۱۹۸۳ء کو نشتر پارک میں ''عظمت صحابہ'' کانفرنس میں ڈیڑھ دو لاکھ کے عظیم مجمع کو ''سواد اعظم'' کے راہنماؤں نے پر امن رہنے کی تلقین کی تا کہ حکومت کو نظم ونسق کی کوئی پریشانی لاحق نہ ہو۔

۴...... اسی طرح مسجد باب الرحمت پرانی نمائش میں جمع شدہ عظیم اجتماع کو بھی سواد اعظم کے راہنماؤں نے پر امن رہنے اور منتشر ہو جانے کی تلقین کی لیکن انتظامیہ کے بعض افسران نے ''خاص مقاصد'' کے لئے پر امن منتشر ہونے والے مجمع کو مشتعل کر کے آمادۂ فساد کیا۔

الغرض تنظیم سواد اعظم کے راہنماؤں نے حکومت کی ہر شریفانہ رائے سے تعاون کیا، لیکن ہمیں افسوس ہے کہ انتظامیہ کے بعض افسران نے ہمارے اعتماد کو مسلسل مجروح کئے جانے ہی کو عقلمندی و دانشمندی سمجھا، مثلاً:

۱:...... سواد اعظم کے معزز ومحترم راہنماؤں پر عراقی امداد حاصل کرنے کا مکروہ اور غلیظ اتہام لگایا گیا، (ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ایسا شیطانی وسوسہ کسی قادیانی یا شیعہ افسر ہی کے دماغ کی پیداوار ہو سکتا ہے۔)

۲:...... حکومت نے وعدہ کیا تھا کہ جامعہ فاروقیہ (شاہ فیصل کالونی) کے

آگے سے روافض کا جلوس نہیں گزرے گا، اور ہمیں بتایا گیا تھا کہ اس جلوس کا پرمٹ منسوخ کر دیا گیا ہے، لیکن منسوخ شدہ پرمٹ کو دوبارہ بحال کیا گیا، اور پولیس فورس کے پہرے میں جلوس نکالنے پر اصرار کیا گیا۔

۳:...... علامہ بنوری ٹاؤن میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے احاطہ اور جامع مسجد کے صحن میں سیکڑوں کی تعداد میں آنسو گیس کے شل پھینکے گئے، اور ربڑ کی گولیوں کی بوچھاڑ کی گئی، جس سے قرآن پڑھنے والے سیکڑوں معصوم بچے اور محلے کی مستورات متاثر ہوئیں، بعض بچے زخمی ہوئے، بعض بے ہوش ہوگئے، اور بہت سے نڈھال ہوگئے، یہ ایک مقدس دینی ادارے اور خدا کے گھر (مسجد) کی بے حرمتی کا ایک ایسا منظر تھا جس کی توقع کسی مسلمان سے تو کجا؟ کسی شریف کافر سے بھی نہیں کی جاسکتی تھی، لیکن ہماری بہادر پولیس نے اپنے قادیانی وغیر قادیانی آقاؤں (افسران) کے اشارے پر خانہ خدا میں عورتوں اور بچوں پر ''جہاد'' کیا، اور اس جہاد کی تیاری پولیس نے صبح نماز فجر کے وقت مکمل کرلی تھی، پولیس نے پورے علاقے کا گھیراؤ کر رکھا تھا، آس پاس کے فلیٹس پر مسلح گارڈز تعینات تھیں، اور ان بد دماغ پولیس افسروں نے یہ سب کچھ ان روافض کی وجہ سے کیا جو ''ضیاء جائے، خمینی آئے'' اور ''پاکستان خمینی کے حوالے کرو'' کے نعرے لگاچکے تھے، کیا اس جگر شگاف روئداد کے بعد بھی ڈی، ایم، ایل، اے صاحب یہ توقع رکھتے ہیں کہ ''سواد اعظم'' ان افسران پر اعتماد کرے گا......؟

۴:......مولانا امجد تھانوی اور جامعہ کے دو زخمی طلبہ کو گرفتار کیا گیا، اور جامعہ کے اساتذہ کو ریلوے اسٹیشن سے آتے ہوئے اور نماز کے لئے جاتے ہوئے گرفتار کیا گیا، کیا حکومت کی نظر میں یہ کاروائی اشتعال انگیز نہیں؟

۵:...... علامہ بنوری ٹاؤن میں پولیس فورس کے کھیلے گئے ڈرامے کے بعد

فیصلہ کیا گیا تھا کہ آئندہ روافض کے کسی جلوس کے سلسلہ میں اشتہار نہیں چھپے گا، لیکن حکومت کا یہ وعدہ بھی معشوق کی ''کہہ مکرنی'' ثابت ہوا، روافض کا جلوس بڑی ٹھاٹھ سے نکلا، اس کے اشتہارات بھی چھپے اور جلوس نے پولیس کی نگرانی میں جامعہ کے دروازے پر مظاہرہ بھی کیا...... اس تمام تر اشتعال انگیزی کے باوجود ہم نے صبر کیا۔

۶:...... مولانا امجد تھانوی کی گرفتاری و رہائی میں بھی افسوسناک طرز عمل اختیار کیا گیا، انہیں علاج کے بہانے گرفتار کیا گیا، اور عزت مآب گورنر صاحب کو یہ بتایا گیا کہ انہیں مولانا محمد اسفندیار کے ایماء پر گرفتار کیا گیا ہے، اس طرز عمل کو ایک سمجھدار اور دیانت دار آفیسر کے شایان شاں قرار نہیں دیا جاسکتا، اور گرفتار شدگان کی رہائی کے وقت مولانا اسعد تھانوی سے کہا گیا کہ یہ رہائی آپ کی کوشش کا نتیجہ ہے، اور سواد اعظم کے دیگر راہنماؤں سے کہا گیا کہ یہ رہائی آپ کی وجہ سے عمل میں لائی جارہی ہے...... اس دو رخہ پالیسی کے مضمرات افسر شاہی کی فطرت کے عین مطابق ہیں، یعنی لڑاؤ اور حکومت کرو۔

۷:...... مجلس شوریٰ کے ایک رکن محمد شفیع اوکاڑوی سے سواد اعظم اہل سنت کے خلاف ایک کتابچہ شائع کرایا گیا، حالانکہ ان صاحب کی حیثیت ایک سرکاری آدمی کی ہے، اور عام لوگوں کا تاثر یہ ہے کہ یہ سرکار کے اشارہ پر ہوا ہے۔

۸:...... عزت مآب گورنر صاحب ہماری دانست میں ایک اچھے مسلمان اور ایک معزز خاندان کے چشم و چراغ ہیں، لیکن ایک عرصے سے کچھ افسران، سواد اعظم اہل سنت کے راہنماؤں اور جناب گورنر صاحب کے درمیان حائل ہیں، وہ یہ نہیں چاہتے کہ سواد اعظم اہل سنت کے صحیح حالات و خیالات عزت مآب گورنر صاحب تک پہنچیں، اس کے نتیجہ میں جناب گورنر صاحب کے بارے میں لوگوں میں غلط فہمیاں

پیدا ہورہی ہیں۔

۹:...... جناب محترم ڈی ایم ایل اے صاحب! جناب کو بخوبی علم ہے کہ سواد اعظم اہل سنت والجماعت کوئی سیاسی تنظیم نہیں، نہ یہ حکومت کے خلاف سیاسی عزائم رکھتی ہے، نہ حکومت کے خلاف کسی فتنہ انگیزی میں اس نے حصہ لیا، بلکہ آپ کی دعوت پر متعدد ملاقاتوں میں آپ کو یقین دلا چکے ہیں کہ ہماری جدوجہد اہل سنت کے حقوق کے تحفظ تک محدود ہے، اور یہ کہ اس جدو جہد کو حکومت کی مخالفت نہ سمجھا جائے، لیکن آپ کی دانشمندی و ہوشیاری پر ہم اظہار تعجب کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آپ ''سواد اعظم اہل سنت'' کو سب سے زیادہ ''خطرناک جماعت'' قرار دیتے ہیں، افسوس ہے کہ ہم اس ذہانت و فطانت کا جواب دینے سے قاصر ہیں۔

جناب والا! آپ سے بہت ملاقاتیں ہو چکی ہیں، ہم آپ کا بہت سا وقت ضائع کر چکے ہیں، اور آپ کے ''مواعظ حسنہ'' سے بھی خوب مستفید ہو چکے ہیں، اب ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ آنجناب کے اوقات عزیز کو مزید ضائع نہ کیا جائے، ہم آپ کی ذہانت سے مایوس ہو چکے ہیں، ہم عزت مآب گورنر صاحب سے ملاقات کر کے اپنے مسائل ان کی خدمت میں پیش کریں گے اور اگر ان سے ملاقات نہ ہونے دی گئی تو ہم اپنی جدو جہد کے لئے کوئی اور مناسب راستہ تلاش کریں گے، بہر حال آپ کو مزید زحمت دینے کی ضرورت نہیں۔

خواتین کا
حدود آرڈی ننس
منسوخ کرنے کا مطالبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

روزنامہ جنگ کراچی میں عورتوں کی ایک تقریب کے حوالے سے ایک خبر شائع ہوئی جس میں احکام اسلام کو نشانہ بنایا گیا اور اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کی گئی تھی۔ اس خبر سے متأثر ہوکر ہمارے محترم حکیم محمد عمران صاحب نے اس خبر کی روشنی میں سوال بنایا، اور حضرت لدھیانویؒ کی خدمت میں بھیجا، حضرتؒ نے اس پر جو کچھ لکھا وہ ہدیہ قارئین ہے، چنانچہ خبر مع سوال و جواب کے یہ ہے:

''کراچی (اسٹاف رپورٹر) حدود آرڈی ننس ۱۹۷۹ء اور قانون شہادت ۱۹۸۴ء کے علاوہ قصاص و دیت آرڈی ننس کو فوراً منسوخ کیا جائے۔ یہ مطالبہ منگل کو کراچی پریس کلب میں عورتوں کے عالمی دن کے موقع پر ایکشن فار لیگل ریفارمز کے زیر اہتمام ایک تقریب میں کیا گیا، اس موقع پر فہمیدہ ریاض، زاہدہ حنا، نسیم بانو، شاہدہ حسن، زہرہ نگار اور طاہرہ مسرت نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ خواتین کے

عالمی دن کے موقع پر مطالبہ کیا گیا کہ قرآن سے شادی، کاروکاری، سوارا اور دلور جیسی ظالمانہ روایات کو خلاف قانون قرار دے کر قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے۔ ایک سے زیادہ شادیوں پر پابندی عائد کر کے انہیں قابل تعزیر بنایا جائے، عورتوں کو مردوں کے مساوی وراثت کا حق حاصل ہونا چاہئے، مردوں کی طرح عورتوں کو بھی اپنی جائیداد کی ملکیت، کنٹرول اور فروخت کرنے کے آزادانہ حقوق ہونے چاہئیں، شادی، طلاق، نان نفقہ اور بچوں کی نگہبانی سے متعلق تمام امور میں عورتوں اور مردوں کو مساوی حقوق حاصل ہونے چاہئیں، اگر کوئی شخص مرد یا عورت دوسرا مذہب اختیار کرے تو اس کا حق وراثت متاثر نہیں ہونا چاہئے، ایسی ازدواجی عدالتوں کا جج اقلیتوں کے نمائندوں اور عورتوں کو بنایا جائے، پاکستان کے دیوانی اور فوجداری قوانین کا اطلاق قبائلی علاقوں پر بھی ہونا چاہئے، مقررین نے کہا کہ عورتوں کے لئے سب سے زیادہ غیر محفوظ خود گھریلو ماحول ہی ہے، انہیں شادی، طلاق، بچوں کی نگہبانی اور وراثت کے قوانین میں مساوی حیثیت نہیں دی جاتی، مذہبی تاویلات اور سماجی رسوم و رواج میں انہیں کمتر سمجھا جاتا ہے، اور انہیں شرمناک حد تک بدسلوکی اور تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے، عورتوں کے خلاف تمام مذاہب، عقائد اور حتیٰ کہ سیکولر تہذیب کے خاندانی ضوابط میں بھی امتیاز برتا جاتا ہے، پاکستان کے عائلی قوانین مساوی سلوک کے اصول کے مطابق نہیں اور یہاں مقیم تمام مذہبی گروہوں کے قوانین میں صاف طور پر عورتوں کے خلاف امتیاز اور تعصب پایا جاتا ہے، ایسے میں خصوصاً مذہبی اقلیتوں سے متعلق ان قوانین میں اصلاح کی ضرورت ہے، تقریب میں بتایا گیا کہ اس سال ۲۵۰۰ خواتین کے ساتھ جنسی تشدد کیا گیا ہے، زنا بالجبر کے واقعات میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے، اس موقع پر خالد احمد، شیما کرمانی اور دیگر فنکاروں نے خاکے پیش کئے، تقریب میں تحریک نسواں، وار، پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف لیبر ایجوکیشن اینڈ ریسرچ ویمن ورکر سینٹر، سیوک، پاکستان ویمن لائرز ایسوسی ایشن، پاکستان ایسوسی ایشن آف ویمن اسٹیڈیز، کیتھ، ویمن ایکشن

فورم، آل سندھ ویمن ایسوسی ایشن اور ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان اور متعلقہ سیاسی وسماجی تنظیموں کے عہدے داروں نے شرکت کی۔“

(روزنامہ جنگ کراچی ۹؍مارچ ۱۹۹۴ء)

سوال:......گزشتہ دنوں کراچی میں عورتوں کے عالمی دن کے موقع پر مختلف سماجی تنظیموں کی جانب سے تقاریب منعقد ہوئیں جن میں حکومت سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ: ”ایک سے زائد شادیوں پر پابندی عائد کی جائے اور عورتوں کو مردوں کے مساوی وراثت کا حق حاصل ہونا چاہئے، اسی طرح شادی اور طلاق میں عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق حاصل ہونے چاہئیں۔ سوال یہ ہے کہ:

۱:......اسلامی نقطہ نگاہ سے ان مطالبات کی کیا اہمیت ہے؟

۲:......ایسے مطالبے کرنے والے شرعی نقطہ نگاہ سے کیا اب تک دائرہ اسلام میں داخل ہیں؟

۳:......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کا مذاق اڑانے والے اور آپؐ کے احکامات کے خلاف آواز اٹھانے والوں کی اسلام میں کیا سزا ہے؟

سائل حکیم محمد عمران خان۔

جواب:... ان بے چاری خواتین نے جن کے مطالبات آپ نے نقل کئے ہیں، یہ دعویٰ کب کیا ہے کہ وہ اسلام کی ترجمانی کر رہی ہیں کہ آپ یہ سوال کریں کہ وہ اسلام میں رہیں یا نہیں؟ رہا یہ کہ اسلامی نقطہ نظر سے ان مطالبات کی کیا اہمیت ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ہر مسلمان کو معلوم ہے، کون نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مرد کو بشرط عدل چار شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے، عورت کو چار شوہر کرنے کی اجازت، اللہ تعالیٰ نے تو کجا! کسی ادنیٰ عقل وفہم کے شخص نے بھی نہیں دی، اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ قرآن کریم نے وراثت اور شہادت میں عورت کا حصہ مرد سے نصف رکھا ہے اور طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے، جب کہ

عورت کو طلاق مانگنے کا اختیار دیا ہے، طلاق دینے کا نہیں، اب فرمان الٰہی سے بڑھ کر اسلامی نقطہ نظر کی وضاحت کون کرے گا؟ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مسلم معاشرہ میں بڑی بھاری اکثریت ایسی باعفت، باسلیقہ اور اطاعت شعار خواتین کی رہی ہے جنہوں نے اپنے گھروں کو جنت کا نمونہ بنا رکھا ہے، واقعتاً حوران بہشتی کو بھی ان کی جنت پر رشک آتا ہے، اور یہ پاکباز خواتین اپنے گھر کی جنت کی حکمران ہیں اور اپنی اولاد اور شوہروں کے دلوں پر حکومت کر رہی ہیں، لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بعض گھروں میں مرد بڑے ظالم ہوتے ہیں اور ان کی خواتین ان سے بڑھ کر بے سلیقہ اور آداب زندگی سے نا آشنا، ایسے گھروں میں میاں بیوی کی ''جنگِ انا'' ہمیشہ برپا رہتی ہے اور اس کے شور شرابہ سے ان کے آس پڑوس کے ہمسایوں کی زندگی بھی اجیرن ہوجاتی ہے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ''عورتوں کے عَالمی دن'' کے موقع پر جن بیگمات نے اپنے مطالبات کی فہرست پیش کی ہے ان کا تعلق بھی خواتین کے اسی طبقہ سے ہے جن کا گھر جہنم کا نمونہ پیش کر رہا ہے، اور اس کے جگر شگاف شعلے اخبارات کی سطح تک بلند ہو رہے ہیں، اور چونکہ یہ انسانی فطرت کی کمزوری ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اپنے جیسا سمجھا کرتا ہے، اس لئے اپنے گھروں کو جہنم کی آگ میں جلتے ہوئے دیکھ کر یہ بیگمات سمجھتی ہوں گی کہ جس طرح وہ خود مظلوم و مقہور اور اپنے ظالم شوہروں کے ظلم سے تنگ آچکی ہیں، کچھ یہی کیفیت مسلمانوں کے دوسرے گھروں میں بھی ہوگی، اس لئے وہ بزعم خود تمام مسلمان خواتین کی طرف سے مطالبات پیش کر رہی ہیں، حالانکہ یہ ان کی ''آپ بیتی'' ہے، ''جگ بیتی'' نہیں، سو ایسی خواتین واقعی لائق رحم ہیں، ہر نیک دل انسان کو ان سے ہمدردی ہونی چاہئے اور حکومت سے مطالبہ کیا جانا چاہئے اور ان مظلوم بیگمات کو ان کے درندہ صفت شوہروں کے چنگل سے فوراً نجات دلائے۔

میں ایسے مطالبے کرنے والی خواتین کو مشورہ دوں گا کہ وہ اپنی برادری کی

خواتین میں یہ تحریک چلائیں کہ جس شخص کی ایک بیوی موجود ہو، اس کے حبالۂ عقد میں آنے کو کسی قیمت پر بھی منظور نہ کیا کریں، ظاہر ہے کہ اس صورت میں مردوں کی ایک سے زیادہ شادی پر خود بخود پابندی لگ جائے گی اور ان محترم بیگمات کو حکومت سے مطالبہ کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

رہا طلاق کا اختیار تو اس کا حل پہلے سے موجود ہے کہ جب بھی میاں بیوی کے درمیان ان بن ہو فوراً خلع کا مطالبہ کردیا جائے، ظالم شوہر خلع نہ دے تو عدالت خلع دلوا دے گی، بہرحال اس کے لئے بھی حکومت سے مطالبہ کی ضرورت نہیں، رہا مرد کی برابری کا مسئلہ تو آج کل امریکہ بہادر اس مساوات کا سب سے بڑا علمبردار بھی ہے اور ساری دنیا کا اکیلا چوکیدار بھی، یہ مطالبہ کرنے والی خواتین امریکی ایوان صدر کا گھیراؤ کریں اور مطالبہ کریں کہ جب سے امریکہ مہذب دنیا کی برادری میں شامل ہوا ہے آج تک اس نے ایک خاتون خانہ کو بھی امریکی صدارت کا منصب مرحمت نہیں فرمایا، لہٰذا فی الفور امریکہ کے صدر کلنٹن صدارت کے منصب سے اپنی اہلیہ محترمہ کے حق میں دستبردار ہوجائیں، اسی طرح امریکی حکومت کے وزراً اور ارکان دولت بھی اپنی بیگمات کے حق میں دستبردار ہوکر گھر میں جا بیٹھیں، پھر یہ خواتین فوراً یہ قانون وضع کریں کہ جتنا عرصہ مردوں نے امریکہ پر راج کیا ہے، اتنے عرصہ کے لئے خواتین حکومت کریں گی اور اتنے عرصہ تک کسی مرد کو امریکی حکومت کے کسی منصب پر نہیں لیا جائے گا، تاکہ مرد وزن کی مساوات کی ابتداً امریکہ بہادر سے ہو۔

اگر ان معزز خواتین نے اس معرکہ کو سر کرلیا تو دنیا میں عورت اور مرد کی برابری کی ایسی ہوا چلے گی کہ ان خواتین کو اخبارات کے اوراق سیاہ کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

اللہ تعالیٰ ان خواتین کے حال زار پر رحم فرمائیں۔

(ہفت روزہ ختم نبوت کراچی ج:۱۳ ش:۸)

صائمہ کیس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حال ہی میں لاہور ہائی کورٹ میں ایک شریف اور معزز گھرانے کی ایک لڑکی کا کیس زیر سماعت ہے جس نے والدین کی رضامندی کے بغیر اپنا نکاح خود کر لیا، بعض بے دین قسم کی خواتین، اس کیس کی لڑکی کی طرف سے پیروی کر رہی ہیں، جناب مولانا زاہد الراشدی نے عدالت کی رہنمائی کے لئے درج ذیل خط فاضل جج کے نام تحریر فرمایا ہے، جس پر دوسرے اہل علم کی تصدیقات بھی ثبت ہیں۔ ہم بھی اس خط کی پرزور تائید کرتے ہیں :

بگرامی خدمت جناب عزت مآب

جسٹس احسان الحق چودھری صاحب

عزت مآب جسٹس ملک محمد قیوم صاحب

لاہور ہائی کورٹ، لاہور

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'

جناب عالی!

گزارش ہے کہ آپ کی عدالت میں زیر سماعت "صائمہ کیس" کے بارے میں شرعی نقطہ نظر سے کچھ ضروری معروضات پیش کر رہا ہوں' قانوناً گنجائش ہو تو انہیں باضابطہ ریکارڈ میں شامل کر لیا جائے اور ضرورت پڑنے پر وضاحت کے لئے عدالت میں حاضری

کے لئے بھی تیار ہوں۔ ورنہ ذاتی معاونت و مشاورت سمجھتے ہوئے ان گزارشات کا سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ ضرور فرمایا جائے۔ بے حد شکریہ!

اخبارات میں شائع ہونے والی تفصیلات کی روشنی میں اس کیس کا بنیادی طور پر توجہ طلب نکتہ یہ نظر آتا ہے کہ کیا کوئی عاقلہ بالغہ مسلمان لڑکی اہل خاندان یا ولی اور سرپرست کی رضامندی کے بغیر اپنا نکاح از خود کر سکتی ہے؟ اس سلسلہ میں علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "فیض الباری علیٰ صحیح البخاری" میں فقہی مذاہب کی جو تفصیل بیان کی ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ا۔......حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ارشاد گرامی ہے کہ عاقلہ بالغہ کنواری لڑکی ولی کی رضامندی اور اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی بلکہ ولی کی اجازت اور رضا کی صورت میں بھی ایجاب و قبول کا اختیار لڑکی کو حاصل نہیں ہے بلکہ اس کی طرف سے یہ ذمہ داری ولی سرانجام دے گا۔

۲۔......احناف میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرتؒ امام محمدؒ کا فتویٰ یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ لڑکی ولی کی رضا کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی البتہ ولی کی رضا اور اجازت کی صورت میں ایجاب و قبول وہ خود کر سکتی ہے۔

۳۔___ امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ عاقلہ و بالغہ لڑکی اپنا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر بھی کر سکتی ہے۔ البتہ اسے اس طرح اپنا نکاح کرنے کی صورت میں "کفو" کے تقاضوں کا لحاظ رکھنا ہوگا اور اگر اس نے ولی کی اجازت کے بغیر "غیر کفو" میں نکاح کر لیا تو ولی کو

نہ صرف اعتراض کا حق ہے بلکہ وہ تنسیخ نکاح کے لئے عدالت سے رجوع کر سکتا ہے۔

۴۔ ...... "کفو" کا مفہوم فقہائے کرام کے ارشادات کی روشنی میں یہ ہے کہ کسی لڑکی کا نکاح ایسی جگہ نہ ہو جہاں لڑکی کا ولی اور اہل خاندان اپنے لئے عار محسوس کریں۔ "کفو" کے اسباب فقہائے کرامؒ نے اپنے اپنے عرف اور ذوق کے مطابق مختلف بیان کیے ہیں جن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ لڑکی اور اس کا خاندان جس سوسائٹی میں رہتے ہیں وہاں کے عرف اور معاشرتی روایات کے مطابق جو بات بھی ان کے لئے باعث عار سمجھی جاتی ہو وہ "کفو" کے اسباب میں شامل ہو گی کیونکہ "کفو" کی علت سب فقہاءؒ نے "دفع ضرر عار" بیان کی ہے اور عار کے اسباب ہر معاشرہ اور عرف میں مختلف ہوتے ہیں۔

۵۔ ......اس تفصیل کی روشنی میں دیکھا جائے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کا موقف سب سے زیادہ قرین انصاف اور متوازن معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں لڑکی اور اس کے ولی دونوں کی رائے کا لحاظ رکھا گیا ہے اور اسی بنیاد پر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے امام اعظمؒ کا مذہب یہ بیان کیا ہے کہ نکاح میں لڑکی اور اس کے ولی دونوں کی رضا کا اکٹھا ہونا ضروری ہے اور یہ بات انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہے اس لئے کہ نکاح صرف دو افراد کے باہمی تعلق کا نام نہیں بلکہ دو خاندانوں کے باہمی تعلقات، معاشرہ میں ان کی عزت و وقار، اولاد کی کفالت و تربیت اور ایک نئے تشکیل پانے والے خاندان کے مستقبل کے معاملات اس نکاح سے وابستہ ہیں اور اصول یہ ہے کہ کسی فیصلہ سے جتنے لوگ بھی متاثر ہوتے ہوں فیصلہ کرتے وقت ان سب کے مفادات کا لحاظ رکھنا ضروری

ہوتا ہے۔

۶۔ ـــــ فقہ جعفریہ کے مطابق باکرہ کے لئے باپ یا دادا کی اجازت ہونا بطور احتیاط واجب ہے۔ باقی تفصیل فقہا کے فتاویٰ میں موجود ہے۔

ویسٹرن سولائزیشن نے اسی مقام پر دھوکہ کھایا ہے کہ مغربی دانشوروں نے فرد کی آزادی اور عورت کے حقوق کے پُرفریب عنوان کے ساتھ نکاح کو دو افراد کا معاملہ قرار دے کر اس کے باقی لوازمات و نتائج کو نظرانداز کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مغربی معاشرہ خاندانی زندگی کے نظام اور رشتوں کے تقدس سے محروم ہو چکا ہے اور مغرب کا فیملی سسٹم انارکی کی آخری حدوں کو چھو رہا ہے جس کا ذکر چوٹی کے مغربی دانشوروں کی زبانوں پر انتہائی حسرت کے انداز میں ہونے لگا ہے۔

اس سلسلہ میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی خاتون اول مس ہیلری کلنٹن کے دورۂ پاکستان کے موقع پر شائع ہونے والی اس خبر کا حوالہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ:

> "امریکی خاتون اول مس ہیلری کلنٹن اسلام آباد کالج فار گرلز کی اساتذہ اور طالبات کے ساتھ گھل مل گئیں اور ان سے ایک گھنٹہ سے زیادہ بے تکلفانہ گفتگو کی۔ ہیلری کلنٹن نے طالبات سے ان کے مسائل دریافت کئے۔ طالبات نے دوستانہ انداز میں کلنٹن کی اہلیہ کو سب مسائل بتائے۔ فورتھ ایئر کی طالبہ نائلہ خالد نے امریکی خاتون اول سے پوچھا کہ امریکی طالبات کا بنیادی مسئلہ کیا ہے؟ اس پر امریکہ کی خاتون اول نے کھل کر گفتگو شروع کی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی طالبات کا مسئلہ تعلیم کی مناسب سہولیات کا فقدان ہے۔ تعلیمی اداروں میں فنڈز کی کمی کا مسئلہ ہے۔ مگر امریکہ میں ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہاں بغیر شادی کے طالبات اور لڑکیاں حاملہ بن جاتی ہیں۔ اس طرح بے چاری لڑکی ساری عمر بچے کو پالنے کی ذمہ داری نبھاتی ہے۔ ایک دوسری طالبہ وجیہہ جاوید نے کہا کہ اس مسئلہ کا حل کیا ہے؟

اس پر ہیلری کلنٹن نے کہا کہ اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ نوجوان لڑکے لڑکیوں کو خواہ عیسائی ہوں یا مسلمان اپنے مذہب اور معاشرتی اقدار سے بغاوت نہیں کرنی چاہئے' مذہبی وسماجی روایات اور اصولوں کے مطابق شادی کے بندھن میں بندھنا چاہئے' اپنی اور اپنے والدین کی عزت و آبرو اور سکون کو غارت نہیں کرنا چاہئے۔ مسز ہیلری کلنٹن نے کہا کہ وہ اسلام اور عیسائیت کی شادی کے خلاف نہیں ہیں' انہوں نے کہا کہ پاکستان میں مذہبی روایات کا احترام کرتے ہوئے شادی ہوتی ہے اس لئے یہاں لڑکیوں کے مسائل کم ہیں۔

(جنگ لاہور ۲۸ مارچ ۹۵ء)

اس پس منظر میں آنجناب سے میری استدعا یہ ہے کہ مسلمانوں کے خاندانی معاملات کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت اسلامی احکام و قوانین' معاشرتی روایات اور عدالتی نظائر کے ساتھ ساتھ مغربی معاشرہ میں "فیملی سسٹم" کی تباہی کے اسباب کو بھی سامنے رکھا جائے کیونکہ یہ کوئی دانش مندی کی بات نہیں ہو گی کہ مغرب جس دلدل سے واپسی کے راستے تلاش کر رہا ہے ہم آزادی اور حقوق کے نام نہاد مغربی فلسفہ کی پیروی کے شوق میں قوم کو اسی دلدل کی طرف دھکیلنا شروع کر دیں۔ امید ہے کہ آپ ان معروضات پر ضرور توجہ فرمائیں گے۔ بے حد شکریہ!

والسلام

ابو عمار زاہد الراشدی خطیب مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ

عراق پر امریکی جارحیت...

پس منظر اور سدِّ باب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی :

مسلمان اس وقت دنیا میں ایک ارب بیس کروڑ سے زیادہ ہیں، مگر اتنی کثرت کے باوجود وہ مظلومیت کا شکار ہیں، انہیں بدترین مظالم کا سامنا ہے، ذلت ورسوائی ان کا مقدر بنادی گئی ہے، ان کے اتحادی بھی انہیں شکست دینے کے درپے ہیں، ان سے اپنے بھی نالاں ہیں اور بیگانے بھی خفا، کیونکہ انہوں نے خالق کے بجائے مخلوق کو اپنا مشکل کشا سمجھ لیا ہے، اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی بجائے انہوں نے روس وامریکہ کی غلامی کا طوق ذلت اپنے گلے میں سجالیا ہے، جہاد ان کا امتیازی وصف تھا مگر وہ اس سے پہلو تہی کرنے لگے ہیں، دنیا کو آخرت پر اور زندگی کو موت پر ترجیح دینے لگے تو ذلت ورسوائی ان کا مقدر بن گئی، اور طاغوتی قوتیں انہیں ترنوالہ سمجھنے لگی ہیں، حدیث شریف میں مسلمانوں کی اس حالت کی نشاندہی کی گئی ہے چنانچہ مشکوۃ شریف میں ہے کہ :

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوشك

الامم ان تداعیٰ علیکم کما تداعی الآکلة الی قصعتها، فقال قائل: ومن قلة نحن یومئذ؟ قال: بل انتم یومئذ کثیر ولکنکم غثاء کغثاء السیل، ولینزعن اللہ من صدور عدوکم المهابة منکم، ولیقذفن فی قلوبکم الوهن — قال قائل: یارسول اللہ وماالوهن؟ قال: حب الدنیا وکراهیة الموت — رواہ ابوداؤد والبیهقی فی دلائل النبوة —" (مشکوٰۃ ص۴۵۹)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب ایسا وقت آنے والا ہے جب کفر و ضلالت سے بھرے ہوئے لوگوں کا گروہ آپس میں ایک دوسرے کو تم سے لڑنے کے لئے اور تمہاری شان و شوکت کو مٹانے کے لئے بلائے گا، جیسا کہ کھانے کے دستر خوان پر جمع ہونے والے لوگ آپس میں ایک دوسرے کو کھانے کے قاب کی طرف متوجہ کرتے ہیں، یعنی جس طرح کچھ لوگ جمع ہو کر کھانے کی محفل میں دستر خوان پر بیٹھتے ہیں تو وہ آپس میں ایک دوسرے کی طرف کھانے کے برتن سرکاتے رہتے ہیں اور اس میں جو چیز ہوتی ہے اس کو کھانے کے لیے کہتے رہتے ہیں، چنانچہ وہ سب بلا تکلف اور بغیر کسی رکاوٹ کے ان برتنوں میں جو کچھ چاہتے ہیں لے

لے کر کھاتے ہیں، اسی طرح کفر وضلالت کے حامل لوگ تمہارے مقابلہ پر جمع ہو کر آپس میں ایک دوسرے کو اکسائیں گے، بھڑکائیں گے اور آخر کار وہ تمہیں ہلاک کریں گے، تمہاری جائیدادیں تباہ کریں گے، تمہارے مال واسباب لوٹیں گے اور خانماں برباد کریں گے، اس میں گویا (اس طرف اشارہ ہے کہ تم مسلمان، ان دشمنان دین کے سامنے چارہ تر کی طرح ہو جاؤ گے کہ جس کا جی چاہے گا تمہیں نگل لے گا-) کسی صحابی نے (یہ سن کر) عرض کیا (ان کا ہمارے خلاف جمع ہونا اور ہم پر غالب آجانا) کیا اس سبب سے ہو گا کہ اس وقت ہم کم تعداد میں ہوں گے؟ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں! ایسا اس وجہ سے نہیں ہوگا کہ تم کم تعداد میں ہو گے، بلکہ اس وقت تمہاری تعداد تو بہت ہو گی لیکن تمہاری حیثیت پانی کے اس جھاگ کی سی ہو گی جو دریا یا نالوں کے کناروں پر پایا جاتا ہے (یعنی تمہارے اندر جرأت وشجاعت اور قوت کا فقدان ہو گا) اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہاری ہیبت اور تمہارا رعب نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں ضعف وسستی پیدا کر دے گا- کسی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمارے دلوں میں ضعف وسستی پیدا ہو جانے کا سبب

کیاہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے بیزاری،
یعنی زندگی تمہارے لئے عزیز اور موت تمہارے لئے
ناپسندیدہ ہوجائے گی تو تم دشمن کا مقابلہ کرنے اور بہادری
کے قابل نہیں رہ جاؤ گے۔" (مظاہر حق جدید ص۷۷۹ جلد چہارم)

ہمارے اسی "وھن" یعنی ضعف و سستی، دنیا سے محبت اور موت سے بیزاری کا ثمرہ ہے کہ آج مسلمانوں کو نوالہ تر سمجھ کر طاغوتی قوتیں ہڑپ کرنا چاہتی ہیں، چنانچہ اس کی تازہ ترین مثال یہ خبر ہے کہ:-

"جمعرات ۱۷ دسمبر کی شب ایک بجے امریکہ اور برطانیہ کے بمبار طیاروں نے عراق کے دارالحکومت بغداد پر میزائلوں کی بارش کر کے شہر کی کئی حساس تنصیبات اور اہم مقامات کو تباہ کردیا۔ خلیج فارس میں موجود امریکی بحری بیڑے سے بغداد پر کئی کروز میزائل فائر کئے گئے اور عراق کی حساس تنصیبات پر بموں کی بارش کی گئی"۔

(۱۸ دسمبر ۱۹۹۸ء روزنامہ جنگ کراچی)

عراق کے خلاف تازہ ترین فوجی کارروائی کا جواز یہ پیش کیا گیا کہ صدام حسین نے اقوام متحدہ کے ہتھیاروں کے معائنہ کاروں کو عراق کی فوجی تنصیبات کے معائنہ کی اجازت دینے سے انکار کردیا ہے اور عراق کے نیوکلیائی اور کیمیاوی ہتھیار پڑوسی ممالک کی سلامتی کے لیے خطرہ ہیں۔ امریکہ اور برطانیہ کے اشتراک سے کئے گئے اس حملہ میں ۲۰ کے قریب بمبار طیاروں نے حصہ لیا

اور مسلسل چار روز تک بمباری کی گئی اور عراقی حساس تنصیبات اور اہم ٹھکانوں پر تقریباً چھ سو میزائل داغے گئے۔ اس چار روزہ جارحیت کے نتیجے میں عراق کے متعدد مقامات کھنڈر بن گئے، اور ہزاروں افراد ہلاک، زخمی اور معذور ہو گئے۔ لیکن ماسوائے چند ایک مسلمان ممالک کے اس پر کسی نے کوئی خاص احتجاج نہیں کیا اور جن ممالک نے احتجاج کیا ہے وہ بھی کوئی بھر پور اور زور دار نہیں تھا۔

عراق پر امریکہ بہادر کی یہ پہلی جارحیت نہیں بلکہ اس سے قبل ۱۹۹۱ء میں خلیج کی جنگ کے نام پر امریکہ نے اپنے اتحادیوں کی مدد سے عراق کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی اپنی سی پوری کوشش کی تھی، چنانچہ عراق اس کی پاداش میں گزشتہ کئی سالوں سے انتہائی معاشی بدحالی کا شکار ہے۔ عراق پر یہود و ہنود اور صلیبی گماشتوں نے اقتصادی پابندیاں عائد کر رکھی ہیں جس کے نتیجے میں عراق میں روزانہ ہزاروں افراد خوراک اور دوائیوں کے نہ ملنے اور معصوم بچے دودھ نہ ملنے کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر موت کی آغوش میں جا رہے ہیں۔

اس سے قطع نظر کہ عراقی صدر صدام حسین کے عقائد و نظریات اور اس کی پالیسیوں سے ہمیں اتفاق ہے یا اختلاف! مگر عراقی عوام اور اس قوم کے معصوم بچوں کے ساتھ روا رکھے گئے اس ظلم کی کس قانون نے اجازت دی ہے؟ انسانی حقوق اور سلامتی کونسل کی کس قرارداد میں اس کی گنجائش ہے؟ دنیائے اسلام میں مردار ہونے والے کسی ایک چوڑھے چمار پر چلّانے والی ایمنسٹی انٹرنیشنل کی کونسل نے اب کیوں چپ سادھ لی ہے؟ اقوام متحدہ

اور سلامتی کونسل کی سٹی کیوں گم ہے؟انسانی حقوق کی صلیبی نمک خوار تنظیموں کی آنکھیں کیوں بند ہیں؟اس لئے اور صرف اس لئے کہ عراق مسلمان ملک کہلاتا ہے اور عراقی مسلمان شمار ہوتے ہیں؟اگر اسرائیل عراق کا ایٹمی ری ایکٹر تباہ کردے تو امریکہ بہادر کو اس پر غصہ نہیں آتا اور اس کی فوجی طاقت کسی پڑوسی ملک کی سلامتی کے لئے خطرہ نہیں ہوتی لیکن چشم بد دور معاشی بدحالی کا شکار، اور ہر طرح کی پابندیوں میں جکڑا ہوا عراق پڑوسی ممالک کے لیئے خطرہ ہے۔ فیاللعجب!

امریکہ قوت واقتدار کے نشہ میں پاگل ہو چکا ہے اور پاگل کتے کی طرح مسلمانوں کو کاٹ کھانا چاہتا ہے،وہ اسلام دشمنی کی آگ میں جل رہا ہے،اور ہر وقت مسلمان ہی اس کے اعصاب پر سوار ہیں، حقیقت یہ ہے کہ روس کی تحلیل کے بعد امریکہ خود امن عالم کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے اور امریکہ سے بڑا دہشت گرد دنیا میں کوئی نہیں،اسے اپنی دہشت گردی کے بھیانک عواقب اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آرہے ہیں،اسے اپنا انجام بد نظر آرہا ہے کہ روس کے بعد اب انشاءاللہ اس کا نمبر ہے،اور وہ سمجھتا ہے کہ اس کی دہشت گردی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مسلمان ہیں اس لئے وہ مسلمانوں کو دہشت زدہ کرنے کے لئے کبھی سوڈان پر حملہ کرتا ہے تو کبھی افغانستان پر۔ افغانستان اور سوڈان میں اسے عرب مجاہد اسامہ بن لادن اور اسکے مسلمان ساتھی تو دہشت گرد نظر آتے ہیں مگر اپنا بغل بچہ اسرائیل ان کی نظروں سے اوجھل ہے۔

امریکہ کی اس دہشت گردی بلکہ غنڈہ گردی کا صرف اور صرف علاج یہ ہے کہ پوری ملت اسلامیہ امریکہ کے خلاف متحدہ ہو کر صف آرا ہو جائے، اور روس کی طرح اس کے خلاف کھلا اعلان جہاد کر دے - یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی عزت وبقا کا راز ہی جرأت وبہادری اور جہاد میں ہے- مسلمانوں کو اپنے اندرونی اختلافات بالائے طاق رکھ کر ملت واحدہ کی حیثیت سے کفار کے مقابلہ میں بنیان مرصوص بن جانا چاہئے-

انشاء اللہ وہ وقت دور نہیں جب امریکہ، روس کی طرح اپنے زخم چاٹنے پر مجبور ہو جائے گا- بلاشبہ اگر اسلامی ممالک روس، امریکہ، برطانیہ اور فرانس کو خوش کرنے کی بجائے صرف اور صرف اپنے مالک حقیقی کو خوش کرنے کا عزم کرلیں تو پوری دنیا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور فتح وکامرانی ان کا مقدر ہو گی-

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

(بینات شوال ۱۴۱۹ھ)

جشن ولادت کے نام سے

دہشت گردی کس کے اشارے پر؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

۱۲ ربیع الاول کو آنحضرت ﷺ کا ''جشن ولادت'' منایا جاتا ہے اور کچھ عرصہ سے اسے باقاعدہ ''اہل سنت کا شعار'' اور ''عید میلاد النبی'' کا نام دے دیا گیا ہے۔ جبکہ تاریخ اسلام کی چھ صدیاں اس ''شعار اسلام'' سے خالی نظر آتی ہیں، ان چھ صدیوں میں مسلمانوں نے کبھی سیرت النبی کے نام سے کوئی جلسہ یا ''میلاد'' کے نام سے کوئی محفل نہیں سجائی، اس کا آغاز سب سے پہلے ۶۰۴ھ میں سلطان مظفر اور ابوالخطاب ابن دحیہ نے کیا، اور ان دونوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کس قماش کے آدمی تھے؟ بعض حضرات نے ان کو فاسق و کذاب لکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی ایجاد کردہ اس رسم کے بارے میں بھی روز اول سے علمائے امت میں اختلاف رہا ہے، کچھ لوگوں نے بادشاہ کی ہاں میں ہاں ملائی، مگر علامہ فاکہانیؒ وغیرہ اور اس دور کے اکابر علمائے نے اسے بدعت سیئہ قرار دیا۔

رافضیوں کی تقلید میں جاری کی گئی اس بدعت کو اب باقاعدہ حُب رسول کی علامت اور ایمان کی کسوٹی قرار دے دیا گیا ہے، ہر سال اس پر لاکھوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں، فرائض و واجبات سے بڑھ کر اس کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس اسراف و

تبذیر اور نام ونمود سے احتراز کرنے والے باخلاص مسلمانوں کو اسلام دشمن اور گستاخِ رسول کا خطاب دیا جاتا ہے۔

موجودہ محافل میلاد کی سطحیت، جلسے جلوس کی حقیقت اور ان کے پس منظر سے متعلق محدث العصر حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ نے آج سے ۳۳ سال قبل بینات محرم الحرام ۱۳۸۷ھ میں جس جذبۂ اخلاص اور دل سوزی سے حقائق سے پردہ اٹھایا تھا، آج اس کی حقیقت پہلے سے کہیں زیادہ واضح ہوکر ہمارے سامنے آرہی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس کی اس چشم کشا تحریر کا متعلقہ حصہ یہاں نقل کردیا جائے، حضرت بنوری قدس سرہ لکھتے ہیں:

"محفل میلاد اور اجلاس سیرت النبیؐ"

"حقیقت یہ ہے کہ جب قوم کی اصلی روح نکل جاتی ہے تو وہ اسی قسم کی طفل تسلیوں سے دنیا کو فریب دینے کی کوشش کرتی ہے، چنانچہ پورے سال تو حضرت رسول اللہ ﷺ کی شریعت وسنت کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو ایک شقی دشمن کرتا ہے اور ایک رات سیرت ومیلاد کی محفل قائم کرکے محبت رسولؐ کا دعویٰ کیا جائے، اس سے بڑھ کر نفاق کیا ہوگا؟ اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ جب تک قوم شریعت پر چلنے کی توفیق سے بانصیب تھی، تمام امت سراپا شریعت تھی اور ہر شخص اپنی سیرت وصورت اور عمل وکردار سے شریعت اسلامی، محبت رسول اور اتباع سنت کا پیکر تھا، اس وقت نہ سیرت کی ان رسمی محفلوں کی حاجت تھی، نہ میلاد النبیؐ کے جلسوں کی ضرورت، چنانچہ عہد صدیقی، عہد فاروقی، عہد عثمانی میں آپ کو کہیں نظر نہیں آئے گا کہ میلاد النبی کے لئے کوئی اجتماع ہوا ہو، کیا خیر القرون کی نسل محبت رسول

سے بے بہرہ تھی؟ کیا قرون مشہود لہا بالخیر کے مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت نہ تھی؟ کیا ان میں اتباع سنت کا جذبہ نہ تھا؟ یہ مبارک ادوار تو محبت رسول، اتباع سنت، ایمانی حرارت وقوت ایمانی کے بے نظیر قرون ہیں، بلکہ تمام صحابہؓ اور تمام تابعینؒ وائمہ مجتہدینؒ، فقہاء امتؒ اور محدثین کرامؒ، ارباب قلوب و مکاشفات، اصحاب ریاضات و مجاہدات کے کسی حلقے میں آپ کو نہ سیرت کے اجلاس ملیں گے نہ میلاد کی محفل کا پتہ چلے گا، تاریخ اسلام کی مکمل چھ صدیاں ایسی گزریں جن میں سیرۃ الرسول اور بارہ وفات یا میلاد النبی کی محفلوں کا کوئی نام ونشان نہیں، چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں ''اربل'' جو موصل کے حکمران تھے، ان کے دور میں تاریخ سیرت کی یادگار منائی جانے لگی، فقراء و مساکین پر ہزاروں اشرفیاں خرچ کی جاتی تھیں، کپڑے تقسیم ہوتے تھے، کھانا کھلایا جاتا، اس طرح حضرت رسول اللہ ﷺ کی روح مقدس کے لئے ایصال ثواب کا سلسلہ جاری کیا گیا، مگر بعد کے ادوار میں تو یہ بات بھی ختم ہوگئی، صرف میلاد کی محفلیں قائم ہونے لگیں، پھر بھی یہ صورت حال خال خال، کہیں کہیں نظر آتی تھی، لیکن جب شر القرون کی نوبت آئی تو قوم میں اسلام، دین کا نام نہیں بلکہ قومیت کا نام بن کر رہ گیا اور منافقانہ طور پر اسلام کا دور شروع ہوگیا، عقیدہ برباد ہوگیا، عملی زندگی تباہ، محبت رسول سے سینے خالی ہوگئے، دماغوں سے اتباع شریعت کا تصور نکل گیا، دلوں میں ایمانی جذبہ سرد پڑ گیا تو سال میں ایک مرتبہ دعوائے اسلام کے لئے صرف

ایک آدھ جشن منانا ہی کافی ہوگیا ....بس اب عمل کرنے کی حاجت تو ہے نہیں، صرف ظاہری رسموں کے ذریعہ چراغاں کیا جائے، مکانات اور مسجدیں آراستہ کی جائیں، لاکھوں روپیہ اسراف وتبذیر پر خرچ کیا جائے، خدارا! یہ بتایئے کہ یہ کہاں کا انصاف ہے؟"

اگر معاملہ صرف پرامن جلسے، جلوس اور سیرت کے اجتماعات کی حد تک ہوتا تو چلئے برداشت کرلیا جاتا، مگر افسوس کہ یہ جلسے جلوس خالص سیاسی انداز کے ہوگئے ہیں، ان کا مقصد اپنی نمود ونمائش اور افرادی قوت اور شان وشوکت کے اظہار کے سوا کچھ نہیں، پھران کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ ان کو رافضی جلوسوں کی شکل دے دی گئی ہے، اور گزشتہ چند سالوں سے تقریباً ہر سال یہ متعدد قیمتی جانوں، قومی املاک کے نقصان اور مسلم طبقوں کے درمیان کشیدگی اور منافرت کا سبب بنتے ہیں، اور اس منافرت نے باقاعدہ دہشت گردی وغنڈہ گردی کا روپ دھار لیا ہے۔ چنانچہ جس طرح تین سال قبل بارہ ربیع الاول کے جلوس کے شرکا نے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے مسجد و مدرسہ اور مہمانان رسول پر حملہ کرنے کی ناپاک کوشش کی تھی، اسی طرح اس سال ۱۲ ربیع الاول کے جلوس کی آڑ میں اخلاق وایمان اور دیانت وشرافت کی تمام سرحدوں کو پامال کرتے ہوئے اسی مسجد و مدرسہ کے سامنے انہوں نے وہ مغلظات بکیں کہ ابلیس انگشت بدنداں تھا۔

شرکائے جلوس نے اکابر علمائے دیوبند، مسلک دیوبند اور جامعہ علوم اسلامیہ اور اس کے اساتذہ کے خلاف اس قدر گالم گلوچ اور بازاری زبان استعمال کی کہ کوئی شریف آدمی اس کو سننے کی تاب نہیں لاسکتا، جامعہ علوم اسلامیہ کی انتظامیہ، طلبہ اور اساتذہ نے غیر معمولی تحمل و برداشت کا مظاہرہ کیا اور کوئی جوابی کاروائی نہیں کی۔

نام نہاد عاشقان رسول نے نہتے دوکانداروں، گھر جاتے معصوم طلبہ اور عوام

پر تشدد کیا، گولیاں برسائیں، مسجد و مدرسہ پر متعدد بار پتھراؤ اور حملہ کیا، انتظامیہ نے اگرچہ بھرپور انتظامات کئے تھے مگر ان دہشت گردوں نے اپنے خفیہ اور طے شدہ منصوبہ کے تحت انتظامیہ اور پولیس کو جل دے کر مدرسہ پر شب خون مارنے کی متعدد بار کوشش کی، لیکن رینجرز اور پولیس نے ان کی دہشت گردی کا منصوبہ ناکام بنادیا۔

اس خونی ڈرامہ میں جامعہ کے کئی طلبہ زخمی ہوئے، دو طالب علم گولیاں لگنے سے شدید زخمی ہوگئے، بالآخر پولیس نے اشک آور گیس کے ذریعہ ان مسلح درندوں کو بمشکل مسجد و مدرسہ کی ''چڑھائی'' سے روکا، اور متعدد شرپسندوں کو رنگے ہاتھوں گرفتار کرلیا۔

جامعہ علوم اسلامیہ کی جانب سے اس ظلم وتشدد کے خلاف اخبارات کو درج ذیل حقائق نامہ جاری کیا گیا:

''مسلح شرپسندوں کا جامعہ بنوری ٹاؤن پر آتشیں اسلحہ اور پتھروں سے حملہ، کئی طلبہ شدید زخمی، پولیس اور رینجرز نے مشکل سے حالات پر قابو پایا۔''

''جلوس امن وامان سے گزر گیا، جلوس کے آخر میں چند شرپسند عناصر نے گرومندر سے واپس آکر جامعہ بنوری ٹاؤن پر حملہ کیا۔''

(کراچی پ ر) جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے ترجمان کی پریس ریلیز کے مطابق آج بنوری ٹاؤن کے سامنے بارہ ربیع الاول کا جلوس گزر رہا تھا، جامعہ میں تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے صرف رہائشی طلبہ جامعہ کے اندر تھے، پولیس کی نگرانی میں جلوس روانہ تھا، ایک طالب علم بھی گیٹ پر نہ تھا، جلوس کے شرکاء کی طرف سے قابل اعتراض نعرہ بازی کی گئی لیکن

جامعہ کی انتظامیہ کی طرف سے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا گیا۔
جلوس گزر گیا، جلوس جب گرومندر کے قریب تھا کہ اس کا آخری حصہ جو کبانہ جوس کے قریب تھا اس میں سے چند شرپسند لڑکے نکلے اور انہوں نے اطراف میں پتھراؤ شروع کردیا جس سے کچھ لوگ زخمی بھی ہوئے، اس دوران وہ مسلح افراد جامع مسجد نیو ٹاؤن اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کی طرف حملے کے لئے بڑھے، پولیس نے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ آگے بڑھتے رہے، بنوری ٹاؤن کے طلبہ کو اطلاع ملی تو وہ جامع مسجد نیو ٹاؤن اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے تحفظ کے لئے سڑک پر نکل آئے، اور کچھ افراد کو روکنے کی کوشش کی جس پر مسلح افراد کی جانب سے آتشیں اسلحہ سے فائرنگ کی گئی اور زبردست پتھراؤ کیا گیا، لاٹھیوں، ڈنڈوں سے بھی حملہ کیا گیا جس سے کئی طلبہ زخمی ہوئے، ایک طالب علم کو سینے میں گولی لگی اس کی حالت تشویشناک ہے، کئی طلبہ پتھراؤ سے زخمی ہوئے، بعد ازاں رینجرز اور پولیس نے ان مسلح افراد کو منتشر کیا، طلبہ بھی نماز عصر کے لئے اندر آگئے، اس دوران ڈی سی، ایس ایس پی نے یہ یقین دہانی کرائی کہ جلوس اور مسلح افراد کو اس طرف نہیں آنے دیا جائے گا، لیکن عصر اور مغرب کی نماز کے درمیان انہوں نے کئی مرتبہ مسجد و مدرسہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی، لیکن انتظامیہ نے ان کو ناکام بنادیا، اطلاعات کے مطابق نشتر پارک کے جلسے میں مقررین کی علماً دیوبند کے خلاف غلیظ تقریریں جاری تھیں۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس مولانا

ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر اور نائب رئیس مولانا سید سلیمان بنوری،
شیخ الحدیث مولانا مفتی نظام الدین شامزیؒ نے مسلح افراد کی
جانب سے جامعہ بنوری ٹاؤن پر حملہ کی مذمت کرتے ہوئے
مطالبہ کیا کہ اس واقعہ کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کرا کر مجرموں کو
قرار واقعی سزا دی جائے تاکہ آئندہ ایسے واقعات کا اعادہ نہ ہو،
اور آئندہ انتظامیہ ایسے واقعات کا سد باب کرے۔"

دوسرے دن علی الصبح جامعہ علوم اسلامیہ میں کراچی بھر کے اکابر علماً کا ایک بھرپور اور نمائندہ اجلاس منعقد ہوا جس میں اس مسلح دہشت گردی کے خلاف غم وغصہ کا اظہار کیا گیا اور طے پایا کہ اس ظلم و بربریت کے خلاف ملک بھر میں احتجاج ریکارڈ کرایا جائے، چنانچہ ایک بھرپور نمائندہ وفد نے انتظامیہ سے ملاقات کر کے انہیں صحیح صورتحال سے آگاہ کیا اور مطالبہ کیا کہ ربیع الاول کے جلوس کی آڑ میں اس مسلح دہشت گردی کا سد باب کیا جائے اور اس سانحہ میں ملوث گرفتار و مفرور ملزمان کو قرار واقعی سزا دی جائے، انتظامیہ نے یقین دہانی کرائی کہ اس سانحہ میں ملوث مجرموں کو قرار واقعی سزا دی جائے گی، چنانچہ اسی دن شام کو اس سلسلہ کا درج ذیل بیان اخبارات کو جاری کیا گیا:

"کراچی (پ ر) کراچی کے مقتدر علماً کے ایک وفد
نے سندھ کے ہوم سیکریٹری جناب واجد رانا اور کمشنر کراچی
جناب شفیق الرحمٰن پراچہ سے ملاقات کر کے سنی تحریک کے جلوس
کی گرومندر پر دینی مدارس کے طلبہ پر فائرنگ، پتھراؤ اور مسجد
علامہ بنوری ٹاؤن پر حملے، علماً دیوبند کی شان میں اہانت آمیز
کلمات کے اظہار پر شدید احتجاج کیا، اور مطالبہ کیا کہ گرفتار کئے
گئے حملہ آوروں کو قانون کے مطابق قرار واقعی سزا دی جائے۔

وفد میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مفتی نظام الدین شامزئی، مفتی محمد جمیل خان، مولانا سید سلیمان بنوری، مولانا امداد اللہ، مولانا مفتی محمد عاصم زکی، قاری محمد اقبال، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب، سواد اعظم اہل سنت کے جنرل سیکریٹری مولانا محمد اسفند یار خان، جمعیت علمائ اسلام کے امیر مولانا محمد اسعد تھانوی، جمعیت علمائ اسلام کے سیکریٹری اطلاعات قاری محمد عثمان، مولانا حماد اللہ شاہ، جامعہ فاروقیہ کے نائب مہتمم ڈاکٹر محمد عادل خان اور دیگر علمائ کرام شامل تھے۔

ہوم سیکریٹری اور کمشنر کراچی نے وفد کو یقین دہانی کرائی کہ جن سرکاری اہل کاروں نے اس سلسلہ میں تساہل سے کام لیا ہے ان کو معطل کیا جائے گا اور قاتلانہ حملہ، مسجد پر حملہ اور علمائ کے خلاف نازیبا کلمات استعمال کرنے والے گرفتار شدگان کے خلاف کاروائی کی جائے گی اور اس سازش کے پس پردہ عناصر کو بے نقاب کر کے جلد گرفتار کیا جائے گا۔

اس بات پر بھی اتفاق کیا گیا کہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے بھرپور تعاون سے جلوس کو پرامن گزارا گیا اور جامعہ علوم اسلامیہ سے کسی قسم کا پتھراؤ نہیں ہوا، جامعہ سے جلوس گزرنے کے بعد گرومندر کے قریب کاکڑ ہوٹل اور اس کے اطراف میں جلوس میں شامل کچھ شرپسندوں نے گھر جانے والے کچھ طلبہ کو مارا پیٹا اور دوکانوں پر پتھراؤ کیا، اور طلبہ کو

زدوکوب کرتے ہوئے جامعہ بنوری ٹاؤن پر حملہ کرنے چڑھ دوڑے، پولیس جب ان کو نہ روک سکی اور شرپسندوں نے جامعہ کے مغربی گیٹ پر پہنچ کر پتھراؤ شروع کیا تو مجبوراً جامعہ کے طلبہ اپنے تحفظ اور ادارہ کے تقدس کو بچانے کے لئے باہر آئے اور شرپسندوں کو جامعہ سے دور کرنے کی کوشش کی، اس دوران شرپسندوں کی جانب سے آتشیں اسلحہ کا استعمال کیا گیا اور شدید پتھراؤ کیا گیا جس سے جامعہ کے دو طالب علم گولی لگنے سے اور بے شمار طلبہ پتھر لگنے سے زخمی ہوئے۔ گولیوں سے زخمی ہونے والے طلبہ کی حالت تشویشناک بتائی جاتی ہے، بعد ازاں پولیس اور رینجرز نے حالات کو قابو کیا اس کے باوجود شرپسندوں نے دو تین مرتبہ پھر جامعہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی جو کہ رینجرز نے ناکام بنادی۔

سرکاری پریس نوٹ کے مطابق پتھراؤ جامعہ بنوری ٹاؤن سے نہیں ہوا بلکہ گرومندر سے واپس ہوکر جلوس کے شرکائ نے کیا۔ وفد نے مطالبہ کیا کہ شرپسند عناصر کو گرفتار کیا جائے اور قیادت کرنے والوں کو پابند کیا جائے کہ وہ امن وامان کی یقین دہانی کو پورا کریں، دینی اداروں اور مساجد کے سامنے ایسے جلوسوں کے گزرنے پر پابندی لگائی جائے جو میلاد النبی کی عظمت کو اجاگر کرنے کے بجائے دوسرے فرقوں پر طعن وتشنیع، سب وشتم اور توہین آمیز نعرے لگاتے ہیں۔''

اگلے دن صدر پاکستان کو اس سلسلہ کا درج ذیل احتجاجی مراسلہ روانہ کیا گیا:

''محترم جناب صدر پاکستان صاحب .... السلام

علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ دینی درس گاہ ہے جو گزشتہ پچاس سال سے دینی خدمت انجام دے رہی ہے، ہر قسم کی فرقہ واریت سے پاک یہ مدرسہ تعلیمی مشاغل میں مشغول ہے۔ گزشتہ دو تین سال سے ربیع الاول کے موقع پر بعض شرپسند عناصر اس جامعہ کے ساتھ ہنگامہ آرائی کی کوشش کرتے رہے ہیں، اس سال پہلے سے انتظامیہ کو مطلع کردیا گیا، جس کی وجہ سے کچھ انتظامات ہوئے، اگرچہ جلوس کے شرکاء نے جامعہ کے مرکزی دروازے کے سامنے کھڑے ہوکر علمائے دیوبند کو گالیاں دیں، لیکن جامعہ نے صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا، جلوس گزرنے کے بعد انتظامیہ کے افسران مطمئن ہوکر چلے گئے، تو گرومندر کے قریب سے جلوس واپس پلٹا اور اس نے جامعہ کے در و دیوار پر پتھراؤ کیا اور فرقہ واریت کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی لیکن جامعہ نے صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا، بعد ازاں انتظامیہ نے ان کو بھگادیا۔

اس صورتحال کے پیش نظر آپ سے درخواست ہے کہ جامعہ پر پتھراؤ کرنے، ہنگامہ آرائی کرنے، فائرنگ اور پتھراؤ کے ذریعہ طلباء کو زخمی کرنے والوں کے خلاف کاروائی کی جائے، آئندہ کے لئے ایسے اقدامات کئے جائیں کہ جامعہ کے تقدس کو پامال نہ کیا جاسکے اور تعلیمی ماحول خراب نہ ہو، اس سلسلے میں آپ گورنر سندھ، مشیر اعلیٰ سندھ، ہوم سیکریٹری، آئی جی سندھ، ڈی

آئی جی کراچی، کمشنر کراچی، ڈی سی وغیرہ کو ہدایات مرحمت فرمائیں۔ جامعہ کی طرف سے انتظامیہ کے ساتھ تعاون کے سلسلے میں آپ کراچی کی انتظامیہ سے رپورٹ حاصل کرسکتے ہیں۔

کراچی تشریف آوری کے موقع پر بنوری ٹاؤن کے وفد کو خصوصی ملاقات کا وقت مرحمت فرمائیں۔ شکریہ، والسلام

(مولانا ڈاکٹر) عبدالرزاق اسکندر

مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن۔"

اس خط کی کاپی وزیراعظم پاکستان، گورنر سندھ، مشیر اعلیٰ سندھ، ہوم سیکریٹری، آئی جی سندھ، کمشنر کراچی، ڈی سی ایسٹ کو بھی بھیجی گئی۔

ان تفصیلات کی روشنی میں ارباب اقتدار اور انتظامیہ پر واضح ہوجانا چاہئے کہ موجودہ جلوس چاہے محرم کے ہوں یا ربیع الاول کے، دونوں ملکی امن و امان کے لئے نہایت خطرناک ہیں، ان کو فوراً بند کردینا چاہئے، یا کم از کم ان کو اپنی اپنی عبادت گاہوں تک محدود کردیا جائے۔

ان جلوسوں کو مخالف فرقہ کی مساجد اور دینی درس گاہوں سے دور رکھا جائے تاکہ ممکنہ حد تک اشتعال انگیزی اور دہشت گردی کا سد باب ہوسکے۔

ماتمی جلوسوں کی ابتدا ایک خودغرض رافضی حکمران نے بزور اقتدار کی تھی اور مسلمان اپنی کمزوری اور مقہورت کی وجہ سے اس کو نہ روک سکے، اس لئے مجبوراً وہ جلوس آج تک جاری ہیں، اور یہ جلوس، ہمیشہ اہل سنت اور روافض کے درمیان قتل و غارت گری، شیعہ، سنی فسادات، مذہبی منافرت اور فرقہ واریت کا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں، بلکہ حکومت و انتظامیہ ملک میں فرقہ واریت کے جس عفریت سے خوف زدہ ہے، وہ انہی جلوسوں کی پیداوار ہے، اور ان جلوسوں کی "برکت" اور "برگ و بار" ملک بھر میں وافر مقدار میں موجود ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کچھ معلوم ہوتے ہوئے

حکومت نے اس نوعیت کے دوسرے جلوسوں کی اجازت کیونکر دے رکھی ہے؟

اگر حکومت و انتظامیہ انگریزوں کی سیاست ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے اصول پر کاربند ہے تو دوسری بات ہے، ورنہ اس فتنہ و فساد کی جڑ کو یکسر ختم کردینا چاہئے، جو ہر سال قومی املاک، بہت سی قیمتی جانوں اور دو طبقوں کے درمیان کشیدگی اور منافرت کا ذریعہ ہے۔

اگر اس رسم قبیح کا فوری سدباب نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ فرقہ واریت، طبقاتی کشمکش اور مذہبی منافرت کی یہ آگ خرمن امن و امان کو جلا کر خاکستر نہ کردے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

(ماہنامہ بینات ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ)

فرقہ واریت کا سدِّ باب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

چند ماہ پیشتر اخبارات کے ذریعہ معلوم ہوا کہ جناب وزیراعظم میاں محمد نواز شریف، ان کے بھائی میاں شہباز شریف اور ان کے والد میاں محمد شریف نے ذاتی دلچسپی لے کر فرقہ واریت کے ''جن'' کو بوتل میں بند کرنے کا تہیہ کرلیا ہے، چنانچہ اس نیک مقصد کے لئے انہوں نے چند بااثر اور فرقہ واریت کی آویزش سے الگ تھلگ، مختلف مکتبۂ فکر کے سنجیدہ حضرات کی ایک کمیٹی بنائی جس میں سپاہ صحابہؓ، تحریک جعفریہ اور دیوبندی، بریلوی مکتب فکر کے غیر جانبدار علماً کو اس کا رکن بنایا گیا، اور اس کمیٹی کی سربراہی امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے حوالہ کی گئی۔

اس کمیٹی کے قیام کے اسباب وعلل اور وجوہات ومحرکات کیا تھے؟ اور اس کا پس منظر کیا ہے؟ اس سلسلہ میں کمیٹی کے سابق سربراہ جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب لکھتے ہیں:

''........ مولانا ضیاءُ القاسمی صاحب .... تشریف لائے، انہوں نے سپاہ صحابہؓ کے سرپرست اعلیٰ کی حیثیت سے اپنی جماعت کے کارکنوں پر حکومت کی طرف سے ہونے والے مظالم اور ناانصافیوں کا تذکرہ کیا اور کہا کہ میں سپاہ صحابہؓ کے کارکنوں کے ساتھ ہونے والی ان ناانصافیوں کے خلاف آواز

اٹھاؤں .... مولانا ضیاٗ القاسمی نے جس دل سوزی سے گفتگو کی، اس کی بنا پر میں نے اس معاملے پر غور و خوض کا وعدہ کرلیا .... ۲۳ رمارچ کو تنظیم اسلامی کی مرکزی مجلس مشاورت کے اجلاس میں اس مسئلہ پر غور کیا گیا، جس میں یہ تجویز سامنے آئی کہ میاں محمد شریف صاحب کو اس حوالے سے ایک خط تحریر کردیا جائے، تاکہ مولانا ضیاٗ القاسمی اور میاں محمد شریف صاحب کی براہ راست ملاقات کی راہ ہموار ہوجائے۔

چنانچہ میں نے میاں شریف صاحب کے نام ایک مختصر خط ارسال کردیا، جس میں لکھا تھا کہ حکومت کے بعض اقدامات اور پالیسیوں کے بارے میں میری تنقیدیں اور تبصرے اپنی جگہ لیکن ازراہِ کرم وزیر اعظم نواز شریف سے کہیں کہ وہ ایک بار مولانا ضیاٗ القاسمی سے ملاقات کرکے ان کا موقف ضرور سن لیں۔ اگلے روز خلاف توقع میاں محمد شریف صاحب اور وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف قرآن اکیڈمی تشریف لائے۔ میاں محمد شریف صاحب نے مجھ سے ملاقات کے دوران اس خواہش کا اظہار کیا کہ مولانا ضیاٗ القاسمی سے ان کی ملاقات میری وساطت سے ہونی چاہئے، ''جو بولے وہی کنڈا کھولے۔'' کے مصداق گویا میں اس معاملہ میں ''پھنس'' گیا۔ چنانچہ عید کے دوسرے روز رائے ونڈ میں سپاہ صحابہؓ کے وفد کے ساتھ میاں شریف صاحب سے ملاقات کا پروگرام طے پاگیا۔ اس ملاقات میں میاں محمد شریف کے ساتھ ان کے دونوں بیٹے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف اور میاں شہباز شریف بھی موجود تھے۔ اس ملاقات کے

دوران دو باتیں سامنے آئیں۔ ایک یہ کہ ملکی سطح پر ایسا قانون بنادیا جائے کہ جو شخص بھی خلفائے راشدینؓ، صحابہ کرامؓ، ازواج مطہراتؓ اور اہل بیت اطہارؓ کی توہین کا ارتکاب کرے، اسے سخت سے سخت سزا دی جائے۔ دوسرے یہ کہ کسی پر تکفیر کا فتویٰ لگانے کے لئے لازم ہو کہ وہ عدالت میں اپنا موقف ثابت کرے، بصورت دیگر مدعی کو سخت ترین سزا دی جائے۔

یہ بات بھی سامنے آئی کہ قائد اعظم کی توہین پر دس سال قید کی سزا کا قانون موجود ہے، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کا معاملہ تو اس سے کئی گنا اہمیت کا حامل ہے، لہٰذا اس کے لئے سخت تر سزا ہونی چاہئے۔ مولانا ضیأ القاسمی صاحب نے سزا کی مدت ۱۴ سال تجویز کی، جس پر صاحبان اقتدار نے آمادگی کا اظہار کیا، البتہ ان تجاویز کی روشنی میں طے پایا کہ تمام مکاتب فکر پر مشتمل نمائندہ علمأ کی کمیٹی تشکیل دی جائے، وہیں یہ بات بھی رکھی گئی کہ اس کمیٹی کی سربراہی بھی میں ہی قبول کروں اور میری معذرت کے باوجود مجھ پر یہ کڑی اور بھاری ذمہ داری عائد کردی گئی۔

جمعرات یکم اپریل کو وزیراعظم ہاؤس میں اس کمیٹی کا پہلا باقاعدہ اجلاس منعقد ہوا، اس اجلاس میں طے پایا کہ اگر یہ کمیٹی متفقہ طور پر کسی نتیجے پر پہنچ جاتی ہے تو ان سفارشات کی روشنی میں حکومت مطلوبہ قانون سازی کردے گی، اور یوں فرقہ واریت کے حوالے سے ہونے والے جلسے، جلوس، اشتہارات وغیرہ سب کا از خود توڑ ہو جائے گا۔“

(ماہنامہ بیثاق اپریل ص:۳، ۵۔ ۱۹۹۹ء)

کمیٹی کے قیام کی اس خبر کا مذہبی حلقوں میں خیر مقدم کیا گیا، اسے نہایت ہی خوش آئند اور نیک فال قرار دیا گیا اور امید ظاہر کی گئی کہ انشاٗ اللہ اس سے فرقہ واریت کے نام سے ہونے والی قتل و غارت گری کا سد باب ہوگا، اور مذہبی حلقوں میں پائی جانے والی منافرت کی فضا ختم ہوگی، اور توقع ظاہر کی گئی کہ اگر باہمی مفاہمت سے ضابطہ اخلاق یا اس سلسلہ کا کوئی قانون بنادیا جائے تو اس سے ملک دشمن قوتوں کو مسلمانوں میں انتشار و افتراق پھیلانے اور ان کے جذبات سے کھیلنے کے مواقع کم سے کم میسر آئیں گے، لیکن افسوس کہ یہ خوشی زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوئی، اور امن و امان کا یہ خواب اور مسلمانوں کی جان و مال کے تحفظ کا مجوزہ یہ امن منصوبہ، سماج دشمن عناصر کی نظربد کا شکار ہوگیا، چنانچہ اس کمیٹی کے قیام کے چند دن بعد ہی اس کے تار پود بکھیر دیئے گئے۔

یوں وہ کمیٹی جس کا پہلا باقاعدہ اجلاس وزیراعظم ہاؤس میں منعقد ہوا، وہ اپنے قیام کے ٹھیک پندرہ دن بعد اختلاف کا شکار ہوگئی اور کمیٹی کے امیر جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو متنازعہ شخصیت باور کرایا گیا، اور ان پر عدم اعتماد کا اظہار کیا گیا، سب سے پہلے تحریک جعفریہ کے سربراہ نے ان کو نشانہ بنایا، جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جناب وزیراعظم صاحب کو تحریک جعفریہ کے اعتراضات کے باعث اپنا استعفیٰ پیش کردیا، تاہم انہوں نے یہ مشورہ دیا کہ یہ کمیٹی کام کرتی رہے، مگر افسوس کہ یہ کمیٹی مزید قائم نہ رہ سکی اور تحلیل ہوگئی، لیکن جو لوگ صحیح معنی میں فرقہ واریت کے عفریت سے جان چھڑانا چاہتے ہیں، انہوں نے ستمبر ۱۹۹۸ء سے قائم علماٗ بورڈ کے ذریعہ مشترکہ طور پر فرقہ واریت کے خلاف حکمت عملی طے کرنے کے لئے متحدہ علماٗ بورڈ کا اجلاس بلایا، چنانچہ اس کمیٹی کے تحلیل ہونے کے تقریباً بیس روز بعد ۹ رجون ۱۹۹۹ء کے روزنامہ جنگ میں ''علماٗ بورڈ'' کے نام سے بہت ہی امید افزا اور نہایت ہی متوازن بیان شائع ہوا کہ:

''لاہور (جنگ نیوز) متحدہ علمائے بورڈ کے اجلاس میں تمام مسالک کے علمائے نے مسلمانوں کے درمیان منافرت پھیلانے کے مرتکب مجرم کو قرار واقعی سزا دینے کی سفارش کی ہے۔ منگل کو اجلاس میں اہل سنت و اہل تشیع دونوں مکاتب فکر کے علمائے شریک ہوئے، اجلاس کے شرکا نے سفارش کی ہے کہ صحابہ کرامؓ، خصوصاً خلفائے راشدینؓ، امہات المؤمنینؓ، اہل بیتؓ اور ائمہ اطہارؒ کی براہ راست یا بالواسطہ اہانت کرنے والے یا کسی مسلمان یا اسلامی مسلک کے خلاف کفر کا فتویٰ دینے یا نعرے لگانے والے شخص کو ۱۴ سال قید یا جرمانہ یا دونوں طرح کی سزا دینے کے لئے قانون سازی کی جائے۔ متحدہ علمائے بورڈ کے اراکین نے منگل کو مری میں، صوبائی وزیر حاجی محمد فضل کریم کی قیادت میں وزیراعلیٰ پنجاب شہباز شریف کے ساتھ ملاقات کے دوران ایک یادداشت پر دستخط کئے جس میں یہ طے پایا کہ فرقہ واریت کے انسداد اور اتحاد بین المسلمین کے لئے متحدہ علمائے بورڈ کے ستمبر ۱۹۹۸ء میں تمام مسالک کے متفقہ طور پر منظور کردہ رہنما اصولوں کو بنیاد بنا کر مذہبی منافرت کے مرتکب ہونے والوں کو قرار واقعی سزا دینے کے لئے قانون بنایا جائے، متفقہ ضابطے میں کہا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے تمام صحابہ کرامؓ بالخصوص خلفائے راشدین اور امہات المؤمنین رضی اللہ علیہم اجمعین کا ادب و احترام اور تعظیم و تکریم پوری امت مسلمہ کے لئے واجب ہے، اور ہر ایسا قول و فعل جس سے ان کی بالواسطہ یا بلا واسطہ تنقیص و اہانت کا پہلو نکلتا ہو حرام ہے، اہل بیت نبوی

ﷺ سے بغض و عناد رکھنے والا ایمان سے محروم اور خارج از اسلام ہے، جو کوئی فرد ان قابل احترام ذوات مقدسہ کی تحریراً یا تقریراً کسی بھی انداز میں توہین کا ارتکاب کرے گا، یا کسی مسلمان فرد یا اسلامی مسلک کے خلاف کفر کا فتویٰ یا نعرہ لگائے گا وہ ۱۴ سال قید یا جرمانہ یا دونوں طرح کی سزا کا مستوجب ہوگا۔ اجلاس میں موجود علمائے نے صوبے میں فرقہ وارانہ دہشت گردی کے خاتمے اور مختلف مسالک کے درمیان ہم آہنگی کے فروغ کے لئے وزیراعلیٰ کی کوششوں کو زبردست خراج تحسین پیش کیا، وزیراعلیٰ پنجاب نے اس موقع پر شرکائے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگر فرقہ واریت کو جڑ سے نہ اکھاڑ پھینکا گیا تو صوبے میں کسی تعلیمی یا ترقیاتی منصوبے سے مطلوبہ ثمرات حاصل نہیں کئے جاسکتے، وزیراعظم محمد نواز شریف کی ہدایت پر متحدہ علماء بورڈ کی مساعی خصوصاً آج کا فیصلہ صوبے میں ایک پرامن اور متحد معاشرے کے قیام کی راہ میں اہم سنگ میل ثابت ہوگا، اجلاس میں مولانا احمد علی قصوری، علامہ سید افتخار حسین نقوی، مولانا علی شیر حیدری، مولانا محمد احمد لدھیانوی، ڈاکٹر سرفراز نعیمی، مولانا محمد یوسف انور، مولانا عبدالتواب صدیقی، علامہ کرامت علی عمرانی، حافظ عبدالرشید اور مولانا عبدالرؤف ملک و دیگر علمائے نے شرکت کی۔"

(روزنامہ جنگ کراچی ۹ر جون ۱۹۹۹ء)

لیکن امید کی یہ کرن، اور خوشی و مسرت کی یہ کیفیت بھی زیادہ دیر برقرار نہ رہ

سکی، اور یہ اس وقت کافور ہوگئی جب اس کے ۳ دن بعد ۱۲ر جون کو تحریک جعفریہ کے سربراہ کا درج ذیل بیان شائع ہوا:

''تحریک جعفریہ نے علمائ بورڈ پنجاب کی سفارش کو مسترد کردیا''

''راولپنڈی (پ ر۔ نمائندگان جنگ) تحریک جعفریہ پاکستان کے سربراہ علامہ ساجد نقوی نے کہا ہے کہ تحریک جعفریہ نے متحدہ علمائ بورڈ پنجاب کی طرف سے پیش کی گئی سفارش کو مسترد کردیا ہے۔ انہوں نے اپنے ایک بیان اور شہداد کوٹ اور رتوڈیرو میں پریس کانفرنسوں سے خطاب کرتے ہوئے اس تجویز کو شیعہ عوام کے خلاف سازش اور مسلمانوں کو باہم دست و گریبان کرنے کی سازش قرار دیا۔ علامہ ساجد نقوی نے کہا کہ تعزیرات پاکستان میں توہین صحابہؓ کی سزا پہلے سے موجود ہے۔ پریس کانفرنسوں اور بیانات میں انہوں نے واضح کیا کہ شیعہ اور سنی بھائی ہیں، فرقہ واریت، دہشت گردی میں ۴ بین الاقوامی قوتیں ملوث ہیں۔ شیعہ علمائ کے بنیادی حقوق کچلے جارہے ہیں، انہیں ختم کیا جارہا ہے، اس لئے اہل تشیع اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے تیار رہیں۔ فرقہ واریت کی آڑ میں دہشت گردی کے خاتمے کے لئے سخت اقدامات نہ کئے گئے تو شیعہ قوم کا پیمانۂ صبر لبریز ہوجائے گا۔ انہوں نے کہا کہ مسلم لیگ اور تحریک جعفریہ کو اتنا بڑا مینڈیٹ ملا لیکن دو سال گزرنے کے باوجود ہمیں کسی سطح پر شریک نہیں کیا گیا، حکمران جماعت نے ظلم و زیادتی کی انتہا کردی ہے۔''

(روزنامہ جنگ کراچی ۱۲ر جون ۱۹۹۹ء)

اس پورے پس منظر کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ فرقہ

واریت کے پجاری کون ہیں؟ اس کو کون لوگ پروان چڑھا رہے ہیں؟ اور وہ کون لوگ ہیں جو فرقہ واریت کے سدباب کے نام سے گھبراتے ہیں؟ اسی سے ان لوگوں کی بھی نشاندہی ہوجاتی ہے جو مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود اس نام نہاد مظلومیت کی چھتری سے باہر نہیں نکلنا چاہتے؟

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہوجانا چاہئے کہ فرقہ واریت یا دہشت گردی کے اڈے یہ دینی مدارس اور علما نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو اس کے سدباب کے قانون سے گھبراتے ہیں اور جو فرقہ واریت کے خلاف قانون سازی میں سنگ راہ ہیں، ضروری ہے کہ وزیراعظم کے ایما اور ان کی سرپرستی میں قائم ہونے والی اس کمیٹی اور متحدہ علما بورڈ کو ناکام کرنے والے عناصر کا احتساب کیا جائے۔

وزیراعظم صاحب کو چاہئے کہ تحریک جعفریہ کے ذمہ داروں سے پوچھیں کہ کمیٹی کی ان سفارشات میں کون کون سی دفعات غیراسلامی، ظالمانہ اور غیرحقیقت پسندانہ ہیں؟ جن کی وجہ سے تحریک جعفریہ اس کا بائیکاٹ کر رہی ہے؟ ممکن ہو تو جناب وزیراعظم براہ راست اپنی موجودگی میں متحدہ علما بورڈ کے سامنے ان متنازعہ شقوں پر بات چیت کرلیں اگر واقعتاً اس میں کچھ شقیں قابل اعتراض ہوں تو ان کو حذف کردیا جائے، مگر اس سے اختلاف کرنے والوں کو اس کی تعمیل کا پابند بنایا جائے، اور اس پر قانون سازی ہونی چاہئے۔

شیعہ حضرات کو ان مجوزہ سفارشات کی منظوری سے راہ فرار نہیں اختیار کرنا چاہئے، بلکہ انہیں اس کی بھرپور تائید کرنی چاہئے، ورنہ ان کے خلاف یہ تاثر ابھرے گا کہ چونکہ شیعہ حضرات، صحابہ کرامؓ، خصوصاً خلفائے راشدینؓ اور ازواج مطہراتؓ کی شان میں گستاخی کرنا اپنے مذہب کا حصہ سمجھتے ہیں، اس لئے وہ اس قانون کی منظوری کی تائید نہیں کرنا چاہتے۔

حکومت پاکستان خصوصاً وزیراعظم کو اس مسئلہ کی سنگینی کا احساس کرتے

ہوئے حضرات صحابہ کرامؓ کی عزت و ناموس کے تحفظ کا قانون منظور کرنا چاہئے، اور فرقہ واریت کے حقیقی سرپرستوں اور مذہبی دہشت گردوں کو ہر حال میں بے نقاب کرنا چاہئے، یہ عجیب بات ہے کہ بانی پاکستان محمد علی جناح کی توہین پر سزا کا قانون موجود ہے اور اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے، مگر ناموس صحابہؓ کے قانون پر اختلاف کیا جاتا ہے اور ارباب حکومت اس کو نظر انداز کرتے ہیں۔

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ موجودہ فرقہ واریت کا بنیادی سبب ہی یہ ہے کہ جب ایک فریق کی جانب سے مسلمانوں کی مقدس ہستیوں کے خلاف زبان درازی کی جائے گی تو لامحالہ مسلمان اپنی محبوب ہستیوں کی توہین پر مشتعل ہوں گے، تصادم ہوگا، خونریزی اور قتل عام ہوگا، ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی ہوگی، بدامنی و بے چینی عروج کو پہنچے گی، یہ ہے وہ فرقہ واریت کی بنیاد، جس کے سدباب سے اہل تشیع پہلو تہی کر رہے ہیں۔

اور یہ بھی اٹل حقیقت ہے کہ صحابہ کرامؓ کی عزت و تکریم اور امہات المؤمنینؓ کی ناموس کی حفاظت مسلمانوں کے دین و ایمان کا معاملہ ہے، اور ایسے ہی معاملات کے لئے غازی علم الدین شہید جیسے لوگ پیدا ہوتے ہیں جو پھانسی کی سزا کو بھی اپنے لئے اعزاز سمجھتے ہیں۔

اس لئے تحریک جعفریہ اور شیعہ برادری سے دردمندانہ اور خیرخواہانہ درخواست ہے کہ وہ اس مسئلہ کو سلیقہ اور عقل مندی سے نمٹائے، اب جب کہ شیعہ سنی علمائ نے اور خود وزیراعظم پاکستان نے اس مسئلہ کو سلجھانے کی طرف توجہ کی ہے تو انہیں الگ راہ لینا اور اس کمیٹی اور اس کی سفارشات کا بائیکاٹ کرنا کسی طرح قرین عقل و قیاس نہیں۔

(ماہنامہ بینات ربیع الاول ۱۴۲۰ھ)

دینی مدارس و مساجد

مسجد میں شراب کی بوتل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی :

مورخہ ۲۰ فروری کی شام کو راقم الحروف کراچی سے ملتان پہنچا اگلے دن صبح سویرے یہ خبر سنی کہ آج رات ساہیوال کے دو دینی اداروں جامعہ رشیدیہ اور جامعہ فریدیہ پر پولیس نے چھاپہ مارا۔ دونوں جگہوں سے اسلحہ اور جامع مسجد رشیدیہ کی صفوں کے نیچے سے شراب کی بوتل برآمد کی گئی۔ خبر کچھ ایسی نوعیت کی تھی کہ سن کر عقل ہی سُن ہو جائے۔ خیال ہوا کہ شاید دینی درس گاہوں کے خلاف کسی نئی سازش کی تمہید تیار ہو رہی ہو گی۔ لیکن اگلے دن اخبارات کی شہ سرخیوں نے ساری حیرت دور کر دی اور یہ نیا انکشاف ہوا کہ پشاور سے کراچی تک تمام تعلیم گاہوں سے بھاری مقدار میں اسلحہ اور شراب برآمد ہوئی۔ گویا کالج اور یونیورسٹیاں درس گاہوں کی بجائے ناجائز اسلحہ کے گودام اور شراب کی بھٹیاں ثابت ہوئی ہیں۔ فیا للعجب۔

تعلیم گاہوں کی حیثیت تو خیر جو ہو سو ہو لیکن "جامع مسجد" اور شراب کی بوتل کا باہمی ربط اب بھی عقل سے بالاتر ہی رہا۔ جامع مسجد کے نمازی مسجد میں نماز پڑھتے پڑھتے شرابی بن گئے؟ یا کسی منچلے "شرابی" کو بوتل سمیت مسجد میں سر بسجود ہونے کی توفیق ہو گئی؟ یہ معمہ لاینحل ہی رہا اور اس حادثہ میں ایک معماتی پہلو یہ بھی پیدا ہوا کہ ان سطور کا راقم کئی سال تک اس "جامع مسجد" رشیدیہ میں رہا کم از کم اپنے آٹھ سالہ

دور قیام میں تو یہی دیکھا کہ جامع مسجد کا کوئی نمازی شراب کے رنگ و بو سے آشنا نہیں۔ الٰہی دو تین مہینے میں یہ انقلاب آگیا کہ خانہ خدا شراب کی بوتلوں کا سٹور بن گیا؟

حیرت و استعجاب کے عالم میں ساہیوال کا سفر کیا۔ مولانا حبیب اللہ صاحب رشیدی ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ اور مولانا ابوالنصر منظور احمد شاہ صاحب مہتمم جامعہ فریدیہ سے ملاقات ہوئی اور اصل حقائق سامنے آئے۔

جامعہ رشیدیہ

جامع مسجد رشیدیہ میں پولیس نے کوئی ساڑھے تین بجے جب کہ پورے شہر میں سناٹا تھا مورچے سنبھالے اور مولانا حبیب اللہ صاحب کو بالاخانہ سے طلب فرمایا وہ لباس شب خوابی میں اسی طرح اتر آئے۔ دروازے پر پولیس کے سپاہی استقبال کے لئے حاضر تھے خیال ہوا کہ غالباً گرفتاری کا کوئی پروانہ رات کی تاریکی میں آیا ہوگا۔ اس لیے معزز مہمانوں سے گزارش کی گئی کہ آپ حضرات تیار ہو کر آئے ہیں اس لئے میں بھی تیار ہو کر حاضر ہو جاتا ہوں بولے نہیں۔ آپ کو گرفتار کرنا مقصود نہیں بس ذرا ڈی ایس پی صاحب کی بات سن لیجئے۔

وہ بہت اچھا کہہ کر مسجد کے احاطہ میں ان کے ساتھ آگئے صاحب سے ملاقات ہوئی ارشاد ہوا کہ مدرسہ میں کسی نے بم رکھ دیا ہے اور ناجائز اسلحہ بھی ہوگا۔ ہم تفتیش کے لئے آئے ہیں "تفتیش" شروع ہو گئی اوپر نیچے جو کچھ دیکھنا تھا دیکھا' کچھ نہ ملا چھوٹے بچوں کے اٹیچی کیس اور ٹرنک بھی کھول کر بکھیرے گئے دو ایک چاقو نکل آئے۔ حاجی صاحب کے کمرے میں سبزی اور گوشت بنانے کی ایک دو چھریاں پڑی تھیں وہ بھی "تحویل" میں لے لی گئیں اور پولیس کے پرچے کی اصطلاح میں ان کو

خنجر کی حیثیت نصیب ہوئی تہہ خانے کی تفتیش کے لئے کہا گیا اور ارادہ بھی فرمایا گیا۔ مگر سیڑھیوں ہی سے واپس لوٹ آئے پاس ہی مسجد کی صفیں رکھی تھیں' ایک سپاہی نے پُرعزم لہجے میں کہا کہ ان صفوں کے نیچے کچھ ضرور ہوگا۔ صفیں ہٹانا شروع ہوئیں ابھی دو تین صفیں ہٹائی گئی تھیں کہ نیچے سے ایک کمانی دار چاقو اور پانچ چھ اونس ڈیٹول کی آدھی شیشی بر آمد ہوئی جس میں سرخ رنگ کا محلول سا تھا۔ اسپرٹ کی ٹوس آ رہی تھی انسپکٹر صاحب نے تحکمانہ لہجہ میں پوچھا! مولانا یہ کیا ہے؟ اور پھر خود ہی جواب بھی مرحمت ہوا کہ یہ شراب کی بوتل ہے ـــــــــ ناظم صاحب نے عرض کیا کہ صاحب یہ تو آپ ہی جانتے ہوں گے کہ یہ کیا ہے؟ ہمیں تو سرخ رنگ کی دوائی سی نظر آ رہی ہے۔ نہیں! نہیں! یہ شراب ہے "بہت اچھا" وہی ہو گی۔

اتنے میں ایک سپاہی ادھر سے آیا اور کہا کہ ہمیں بر آمدے کے اوپر کا "دوبارہ" معائنہ کرنا چاہئے ـــــ ابھی چھت پر بھی نہ پہنچے تھے کہ مسجد کے جنوبی بیرونی دروازے کی ڈیوڑھی پر "اسلحہ" نظر پڑا۔ دو ٹوٹے ہوئے پستول ایک بوسیدہ پیٹی میں چار کارتوس۔ ناظم صاحب کو اٹھانے کا حکم دیا گیا انہوں نے معذرت کر دی۔

بالآخر یہ ناخوشگوار فرض جناب انسپکٹر پولیس کو ادا کرنا پڑا پولیس نے اپنی کارگزاری کا چارٹ تیار کیا۔ مجسٹریٹ صاحب اور ناظم صاحب کے دستخط لیے اور باہر سے لائے ہوئے دو سبزی فروشوں کے (بحیثیت گواہ) کے مواہیر پر دستخط ثبت کرائے اور "تفتیش" کا عمل مکمل ہو گیا۔

جامعہ فریدیہ

جامعہ فریدیہ شہر سے باہر کی طرف ہے اور اس کے بانی و مہتمم مولانا منظور احمد شاہ ڈسٹرکٹ خطیب ساہی وال کا قیام شہر میں ہوتا ہے۔ ٹھیک یہی وقت جامعہ فریدیہ

کی "تفتیش" کا تھا۔ پولیس نے معصوم بچوں کو جگا جگا کر ڈرایا دھمکایا۔ کسی طرح شہر میں مولانا کو اطلاع پہنچ گئی، وہ فوراً وہاں پہنچ گئے، جا کر دیکھا تو عجیب دلربا منظر تھا دس گیارہ سال کے دو بچے لائن حاضر ہیں اور پولیس افسر بصد جاہ و جلال ان سے پوچھ گچھ فرما رہے ہیں۔ "جرم" یہ تھا کہ ان بچوں کے بکسوں سے قلم بنانے کے "چاقو" برآمد ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں پولیس نے مزید گشت لگایا تو بالا خانے کے ایک کمرے کے بند روشن دان کی بیرونی جانب سے ایک زنگ آلود شکستہ "پستول" برآمد کر لیا۔ کارگزاری کا چارٹر مرتب کیا۔ دستخط لیے اور تفتیش مکمل ہو گئی۔ سنا ہے ان دو معصوم ملزموں کو پولیس تھانے لے گئی لیکن ازراہِ مراحم خسروانہ ان کو رہائی عطا فرمادی گئی۔

ردِ عمل

صبح ہوئی تو مسجد سے شراب اور دو مقدس دینی اداروں سے "ناجائز اسلحہ" کی خبر شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ ہر شخص کی زبان پر پولیس کی کارروائی کے خلاف "شرم شرم" کے الفاظ تھے۔ جمعہ کے اجتماعات میں اس کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کیا گیا۔ مذمت کی قراردادیں منظور کی گئی۔

مجلس عمل، متحدہ جمہوری محاذ، جمعیت علماء اسلام پاکستان، جماعت اسلامی، بار روم اور خود عوامی پارٹی کے سنجیدہ حلقوں سے اسے شرمناک حرکت قرار دیا گیا.....

آثار و نتائج

۱.........اسلام اور اسلامی معاشرہ میں "خانۂ خدا" کو جو عظمت و تقدس حاصل ہے وہ کسی باشعور سے مخفی نہیں۔ انگریز برصغیر میں ڈیڑھ سو سال حکمران رہا، مگر اس کو بھی

جرأت نہ ہوئی کہ "مسجد سے شراب" بر آمد کرنے کی ذلیل حرکت کرے۔ جن لوگوں نے یہ گھناؤنا منصوبہ تیار کیا انہوں نے اللہ کے گھر کی حرمت و تقدس کو پامال کر کے نہ صرف خود اپنی قبر ہی جہنم کے انگاروں سے بھری، بلکہ پورے پاکستانی معاشرے پر خدا کے غضب کو ٹوٹ پڑنے کی دعوت دی ہے۔ گزشتہ دنوں حوالات میں علما کو برہنہ کر کے ان کے ساتھ فاحشہ عورتوں کے فوٹو لیے گئے۔ اب براہِ راست "خانۂ خدا" کو "شراب خانہ" بنانے کی سازش کی گئی۔ کیا انسانی تاریخ میں اس سے بڑھ کر بیمار ذہنیت کا مظاہرہ کبھی دیکھنے میں آیا؟۔

۲۔۔۔ اس افسوسناک واقعہ کا ایک افسوس ناک پہلو یہ بھی ہے تفتیش کا یہ عمل ملک بھر کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہوا اور اخبارات میں بتایا گیا کہ یہ ملک دشمن عناصر کے خلاف مہم کا ایک حصہ ہے۔ ٹھیک اس تفتیش کے دوران جامع مسجد رشیدیہ سے "شراب کی بوتل" بر آمد کرنے سے کیا عوام کو یہ تاثر نہیں ملے گا کہ ملک بھر کی تعلیم گاہوں میں جو "بھاری اسلحہ" بر آمد کیا گیا ہے اس کی حقیقت بھی مسجد سے شراب بر آمد کرنے سے زیادہ نہیں؟

۳۔ اس واقعہ سے پولیس کی کارکردگی کا بھرم بھی اچھی طرح کھل جاتا ہے۔ فرضی مقدمات بنانے کے فن میں پولیس پہلے بھی خاصی نیک نام ہے لیکن اس تفتیش سے تو پولیس کی "نیک نامی" میں ایسا اضافہ ہوا کہ پاکستان کی تاریخ میں ہمیشہ ایک یادگار کی حیثیت اختیار کر جائے گی۔

۴......اس واقعہ سے عوام میں جو خوف و ہراس کی فضا پھیل گئی اس کا اظہار نوکِ قلم سے ممکن نہیں۔ ہر شریف آدمی احساس عدم تحفظ کا شکار ہے کہ نہ جانے کس دن رات کے ساڑھے تین بجے تفتیش کا چکر چل جائے اور اس کے گھر سے نہ معلوم

کیا کیا نکال لیا جائے!!!

۵ اس واقعہ کا سب سے زیادہ تاریک پہلو یہ ہے کہ گندگی اور تعفن سے انسانیت و شرافت دم بخود ہے۔ خود غرضی اور ابلہ فریبی کا یہ آخری نقطہ ہے۔ اب اس سرزمین کا کوئی ٹکڑا دجل و تلبیس کے شیطانی حربوں سے محفوظ نہیں رہا۔ آج اگر مسجد سے شراب کی بوتل بر آمد کی جاسکتی ہے اور تہذیب و شرافت کو دم مارنے کی اجازت نہیں تو کل کلاں اس سے بڑے حادثے کی توقع بے جا نہیں۔ جو لوگ اپنی نجس فطرت کے ذریعہ خدا کے پاک گھر کو شراب سے ملوث کر سکتے ہیں انہیں کسی شریف آدمی کی عزت و ناموس کی کیا لاج ہو گی ؟

جن لوگوں کو قومی خزانوں سے موٹی موٹی تنخواہیں صرف اس مقصد کے لیے دی جاتی ہیں کہ وہ انسانیت کے دامن کو غنڈوں کی دستبرد سے بچائیں جب انہی کے ہاتھوں سے خدا کے گھر کا دامنِ تقدس تار تار ہو جائے تو انسانوں کی عزت و ناموس کو ٹکے سیر بیچ دینے کے لیے وہ کیوں تیار نہ ہوں گے؟ جن کو خدا سے شرم نہیں وہ انسانوں سے کیوں شرمائیں گے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ

محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔

(ماہنامہ بینات ۱۳۶۶ھ)

ناقدین دینی مدارس کی خدمت میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

ماہنامہ اردو ڈائجسٹ میں "ہمارے دینی مدارس منکہ"---- کے عنوان سے دینی مدارس پر طنز واستہزا پر مشتمل کسی ضیا شاہد صاحب کا مضمون چھپا ہے' ذیل کے مراسلات میں بعض قارئین نے اس پر اظہار خیال فرمایا ہے' ہم شروع میں ہر دو مراسلات نقل کر کے جناب ضیا شاہد کے مضمون کا نہایت مختصر جائزہ لیں گے :

پہلا خط

"السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

جنوری ۱۹۶۷ء کے اردو ڈائجسٹ میں "ہمارے دینی مدارس" کے عنوان سے ضیا شاہد کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں موصوف نے مدارس دینیہ پر طنز کیا ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ اس کا پورا جائزہ "بینات" کے کسی شمارے میں آنا چاہئے۔

افسوس ہے کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات کی طرف سے دینی نصاب تعلیم میں تبدیلی کا تو بڑے زور وشور سے مطالبہ کیا جاتا ہے' کہ یہ نصاب موجودہ تقاضوں کو پورا نہیں کرتا' مگر دوسری طرف جس نصاب تعلیم کو پڑھ کر وہ علمائے کرام پر طنز کرتے ہیں کیا وہ نصاب تعلیم' دین کی "الف" کے تقاضوں کو بھی پورا کرسکتا ہے یا نہیں؟ جب اس پر غور کیا جاتا ہے تو یہ حضرات صفر نظر آتے ہیں'

مگر پھر بھی اعتراضات میں سب سے آگے نظر آئیں گے' امید ہے
آپ مطالعہ کے بعد مضمون کے خدوخال کا اچھی طرح سے جائزہ
لیں گے' اور صحیح صورت حال قوم کے مفکرین کے سامنے پیش
فرمائیں گے ــــــ

(ع۔ ح بورے والا' ضلع ملتان)۔"

دوسرا خط

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رسالہ اردو ڈائجسٹ کے سالنامہ میں "ہمارے دینی مدارس"
کے عنوان سے ضیا شاہد نے ایک مضمون لکھا ہے اس کی طرف
آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں' آپ وہ رسالہ مہیا کرکے اس
پورے مضمون کا مطالعہ فرمائیں' اس نے دینی مدارس سے عوام کو
متنفر کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے اور نصاب تعلیم اور طرز تعلیم
وغیرہ پر تنقید کی ہے۔

آج سے تقریباً بارہ سال پہلے دو ماہ کے لئے وہ یہاں نیم والی
مسجد میں آیا تھا' اور وہ حافظ غلام محمد صاحب مرحوم کا زمانہ تھا' حافظ
غلام محمد صاحب فرشتہ خصلت درویش آدمی تھے' اور اس نے جو
چٹائی والے حجرے کا ذکر کیا ہے وہ بالکل غلط ہے' اس وقت ایسا کوئی
حجرہ نہیں تھا موجودہ تعمیر بعد میں ہوئی ہے' اور اس طرح دیگر باتیں
محض بے تکی کہی ہیں' اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ دیگر مدارس
کے متعلق اس نے جو باتیں کہی ہیں وہ کس حد تک درست ہوں

گی؟ بہرحال اس نے دینی مدارس کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے'
اس کی والدہ بہت نیک ہے اس کی کوشش تھی کہ میرا لڑکا بھی دینی
علم پڑھے اور دیندار بن جائے۔

بنابریں میری یہ خواہش ہے کہ آپ مولانا سے مشورہ کرکے
جو خامیاں اور اعتراضات اس نے دینی مدارس پر کئے ہیں اس پر
ایک مفصل اور جامع مانع مضمون تحریر فرمائیں ع
گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

(م۔ا۔ کمالیہ ضلع لائلپور)"۔

قارئین کی فرمائش پر ضیا شاہد کا یہ مضمون پڑھا' موصوف نے طنز واستہزا کے لہجے میں جو افسانہ طرازی کی ہے ہمارے نزدیک وہ اس لائق نہیں' کہ اس پر تفصیلی بحث کی جائے' اس کی مثال بالکل ایسی سمجھئے' جیسے کوئی بے شعور بچہ نادانی سے باپ کی داڑھی پکڑ لیتا ہے' ان کے اس طفلانہ انداز نگارش میں خاص قسم کی "صالحیت" کو نمایاں کرنے کے کوشش ضرور کی گئی ہے' لیکن انہوں نے خواہ مخواہ کا تکلف کیا ان کی برخورداری' سعادت اور صلاحیت کے لئے یہی دلیل بجائے خود کافی وزنی تھی' کہ وہ اپنی نیک نفس والدہ کی تمنا پوری نہ کرسکے' انہوں نے اپنی تحریر کے بین السطور میں یہ وضاحت بھی چھوڑی ہے کہ ان کا مزاج فطرۃً دینی مدارس کی ضد پر واقع ہوا ہے' اس لئے دینی مدارس کے بارے میں ان کے افسانہ نگار قلم نے جن احساسات کی ترجمانی کی ہے' ان سے مدارس عربیہ کی حیثیت مجروح نہیں ہوتی' بلکہ خود ان کے فطری مزاج کا حدود اربعہ متعین ہوجاتا ہے' بقول مولانا روم :

حملہ برخود مے کنی اے سادہ مرد
ہمچوں آں شیرے کہ برخود حملہ کرد

بنا بریں ہمیں ان سے یہ شکایت تو نہیں ہونی چاہئے کہ انہوں نے یہ سب کچھ کیوں لکھا' البتہ یہ شکایت ضرور ہے کہ انہوں نے "وارثینِ اصحابِ صُفّہ" پر صرف وہی فقرے چست کرنے پر اکتفا کیوں کیا جو لارڈ میکالے کے دور سے آج تک ہر "مغرب نواز" کے یہاں وردِ زبان ہیں؟ انہیں چاہئے تھا کہ "اردو ڈائجسٹ" کی افسانوی ادبیت میں اضافہ کیلئے مہذب گالیوں کا نیا علم عروض وضع کرتے' اور اگر ان کی نو آموزی اس معاملہ میں سدِّ راہ تھی تو دیگر اربابِ فضل و کمال سے استفادہ کرتے۔

دینی مدارس کے خلاف علم جہاد بلند کرنے والوں کو خود اپنا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے ایک لمحہ یہ سوچ لینا چاہئے' کہ ان کی اس معرکہ آرائی کی تہ میں دین دشمنی کا چور تو چھپا ہوا نہیں ہے؟ وہی دین جسے کافی عرصہ ہوا گھر سے' دوکان سے' بازار سے' عدالت سے' مقننہ سے' ایوان حکومت سے الغرض فرد و معاشرہ کی زندگی کے ہر گوشے سے نکالا جاچکا ہے' لیکن مسجد و مدرسہ اور خانقاہ و رباط میں اس کے "آثارِ قیمہ" کا کہیں کہیں سراغ مل جاتا ہے' کیا دینی مدارس میں پڑھنے پڑھانے والے ان کی نظر میں اس لئے تو نہیں کھٹکتے؟ کہ ان لوگوں نے تاریک حجروں' شکستہ مسجدوں اور خستہ حال مدرسوں میں دین کو کیوں پناہ دے رکھی ہے؟ کیا ان کے لئے یہ خیال تو بے چینی کا باعث نہیں بنا ہوا کہ وہی دین جو ہر میدان میں ہمارے جور و ستم سے چور ہو رہا ہے' ان لوگوں نے اپنی بے مائیگی' کسمپرسی' اور بدحالی کے باوجود اس "لب جاں دین" کی تیمارداری کا کام کیوں سنبھال رکھا ہے؟ ستم ظریفی کی حد ہے کہ آج صرف اس جرم پر طعن و تشنیع کا بازار گرم کیا جارہا ہے کہ عربی مدارس کے علما اور طلبہ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی حفاظت کے لئے اپنی زندگی وقف کردینے کی غلطی کیوں کی ہے' یہ دنیاوی مشاغل پر کیوں نہیں لپکتے۔ اذ یقول المنافقون والذین فی

قلوبھم مرض غر ھولاء دینھم

دینی مدارس کے ناقدین کو ان مدارس اور اہل مدارس سے بیر نہیں، بلکہ انہیں اصل پُرخاش ہے اس دین سے، جسے یہ لوگ اپنی راحت و آرام کو تج کر، زمانہ کے سرد وگرم سے بے نیاز ہوکر، تمام شدائد کو جھیل کر اپنے سینے سے چمٹائے ہوئے ہیں، ناقدین کا اصرار یہ ہے کہ جس طرح ہر شعبہ زندگی سے اس دین کو نکلا جاچکا ہے، یہ مولوی لوگ مسجد ومدرسہ سے بھی اسے کیوں نہیں نکال دیتے؟ تاکہ یہ ملک (بقول ان کے) دین سے بالکلیہ پاک ہوکر صحیح معنوں میں پاکستان بن جائے، ادھر مولوی کا طے شدہ فیصلہ ہے کہ :

موجِ خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جا
آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا؟

ضیا شاہد کی دوڑ اردو ڈائجسٹ تک تھی، انہوں نے اس کے ادبی صفحات اس ادبی افسانے سے رنگین کئے، کچھ لوگ خوش قسمتی سے سرکار دربار تک رسائی رکھتے ہیں، وہ بڑی مدت سے "حکومت کی خدمت میں گزارش" کررہے ہیں، کہ اس ملک کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ نہتے مولوی، شکستہ مساجد اور خستہ مدارس ہیں، اس لئے ان پر پابندی عائد کی جائے، (ملاحظہ ہوں "فکر ونظر" راولپنڈی کے اداریے)

رہے مولوی! یہ بیچارے نہ پروپیگنڈائی اسباب سے بہرہ یاب ہیں، نہ سرکار کو اکسانے کی استطاعت رکھتے ہیں، اس لئے یہ "چو طرفہ یورش" سے نڈھال ہوکر اپنے رب سے وہی دعا کرتے ---- اور کرسکتے ہیں جو ایک موقعہ پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیکسی کے عالم میں کی تھی :

"اللھم انک تسمع کلامی، وتری مکانی وتعلم سری وعلانیتی، لا یخفی علیک شیئی من

امری' وانا البائس الفقیر المستغیث المستجیر الوجل المشفق المقرب المعترف بذنبی' اسالک مسالة المسکین وابتهل الیک ابتهال المذنب الذلیل وادعوک دعاء الخائف الضریر ودعاء من خضعت لک رقبته وفاضت لک عبرته وذل لک جسمه ورغم لک انفه' اللهم لا تجعلنی بدعائک شقیا وکن بی رؤفا رحیما' یا خیر المسؤلین ویا خیر المعطین' اللهم الیک اشکو ضعف قوتی وقلة حیلتی وهوانی علی الناس' یا ارحم الراحمین الی من تکلنی' الی عدو یتهجمنی ام الی قریب ملکته' امری' ان لم تکن ساخطا علی فلا ابالی غیر ان عافیتک اوسع لی۔"

ترجمہ :۔"اے اللہ تو میری بات سنتا ہے' میری جگہ کو دیکھتا ہے' اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے' میرا کوئی معاملہ تجھ سے چھپا ہوا نہیں' اور میں مصیبت زدہ ہوں' محتاج ہوں' فریادی ہوں' پناہ کا طالب ہوں' ترساں ہوں' ہراساں ہوں' اپنے گناہ کا اقرار واعتراف کرتا ہوں میں تجھ سے بیکس کی طرح سوال کرتا ہوں' اور ذلیل گنہ گار کی طرح تیرے سامنے گڑگڑاتا ہوں' اور خوفزدہ آفت رسیدہ کی طرح تجھ سے مانگتا ہوں' اور اس شخص کی طرح مانگتا ہوں جس کی

گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہو' جس کے آنسو تیرے سامنے بہہ رہے ہوں جس کا جسم تیرے سامنے ذلیل ہو' اور جس کی ناک تیرے سامنے رگڑی جارہی ہو' اے اللہ! مجھے میری دعا میں ناکام نہ کیجئے اور مجھ پر مہربان اور رحیم ہوجایئے' اے ان سب سے بہتر جن سے مانگا جائے' اور اے سب دینے والوں سے بہتر! یا اللہ! میں اپنی کمزوری' کم سامانی' اور لوگوں کی نظر میں بے وقعتی کی شکایت تجھ سے ہی کرتا ہوں' اے ارحم الراحمین! تو مجھے کس کے سپرد کرتا ہے' آیا کسی دشمن کے جو مجھ پر سینہ زوری کرے' یا کسی عزیز کے' کہ جس کے قبضے میں میرا معاملہ دیدے' اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کوئی پروا نہیں مگر پھر بھی تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسیع ہے۔"

کیا یہ دین حق کا زندہ معجزہ نہیں ہے کہ دینی مدارس نے اپنوں کی سرد مہری اور غیروں کی ستم ظریفی کے باوجود بے بضاعتی' اور بے سروسامانی کے مایوس کن حالات میں بھی وراثت نبویؐ کو محفوظ رکھا' یہی ان کا مشن ہے' اور اس میں وہ بتائیدِ خداوندی کامیاب ہیں' اور جب تک اللہ تعالیٰ کو اس دین کا باقی رکھنا منظور ہے یہ دینی قلعے انشاء اللہ باقی رہیں گے۔ ولو کرہ الکافرون۔ اگر دینی مدارس کے ناقدین کو دین خداوندی سے ذرہ بھی ہمدردی ہے' اور ان کے دل میں انصاف کی کوئی رمق باقی ہے تو انہیں دینی مدارس کی بدخواہی کا رویہ ترک کردینا چاہئے' آخر دین کے اس آخری سہارے پر مسلسل یورش اور جارحیت سے ملک وملت کے لئے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوگا' انہیں کھلے دل سے مان لینا چاہئے کہ اس ملک میں دین کو باقی رہنا ہے' اور اس کے لئے دینی مدارس کا بقا ایک فطری ضرورت ہے۔

آخر میں ہم گزارش کردینا چاہتے ہیں کہ ہمیں "جواب آں غزل" کی روش پسند نہیں' ورنہ حقائق کی روشنی میں ہم واضح کرسکتے ہیں کہ پرائمری اسکولوں سے لے کر اعلیٰ تعلیمی اداروں تک میں ملت کے نونہالوں کے ساتھ کیا کچھ ہوتا ہے' جس کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ وہ معاشی بدحالی' ذہنی آوارگی اور روحانی دق کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں' بلکہ بسا اوقات خودکشی کا ارتکاب بھی کرتے ہیں۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ۔

(بینات ذو الحجہ ۱۳۸۶ھ)

سرکاری زمین پر تعمیر شدہ مساجد کا حکم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اخباری اطلاع کے مطابق مساجد کے بارے میں ایک سرکاری حکم جاری ہوا ہے جس کا متن حسب ذیل ہے:

"کراچی ۳۰ جنوری وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس آفتاب حسین نے فیصلہ دیا ہے کہ سرکاری قطعہ اراضی پر حکومت کی اجازت کے بغیر تعمیر کی جانے والی مسجد شرعی طور پر مسجد نہیں ہو گی۔ چیف جسٹس نے یہ فیصلہ صدر ضیاء الحق کے ایک استفسار کے جواب میں دیا ہے جس میں صدر ضیاء الحق نے سرکاری قطعات اراضی پر حکومت کی اجازت کے بغیر تعمیر کی جانے والی مساجد کی شرعی حیثیت معلوم کی تھی تاکہ اسلامی قوانین کی روشنی میں کارروائی کی جاسکے۔ بتایا جاتا ہے کہ صدر ضیاء الحق کے دورہ فیصل آباد کے دوران ان کی توجہ حکومت کی اراضی پر غیر قانونی طریقے سے تعمیر ہونے والی چند مساجد کی جانب دلائی گئی تھی، جس سے متعلقہ علاقے کے ترقیاتی منصوبے متاثر ہوئے ہیں اسی قسم کی صورتحال ملک کے دوسرے حصوں میں بھی پائی جاتی ہے، صدر ضیاء الحق نے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو سراہتے ہوئے چاروں صوبوں کے گورنر، سیکریٹری قانون، سیکریٹری بلدیات اور ورکرز کو ہدایت کی ہے کہ اس فیصلے کی روشنی میں جہاں کہیں بھی غیر قانونی طریقے سے تعمیر کی گئی مسجد ملے اس کے بارے میں حسب ضرورت مناسب کارروائی کی جائے۔ شرعی عدالت کے فیصلے میں کہا گیا ہے کہ حکومت کی ملکیت میں جو قطعات اراضی ہیں حکومت سے اجازت

لیے بغیر اگر وہاں مسجد تعمیر کی گئی ہے تو وہ شرعی معنوں میں مسجد نہیں ہے، اور نہ حکومت سے اجازت لینے سے پہلے اس میں نماز پڑھنے سے مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ اب اگر حکومت اجازت دے دے تو وہ شرعی مسجد بن جائے گی اور اگر حکومت اجازت نہ دے تو شرعاً اسے مسجد نہیں کہا جائے گا۔ دریں اثناء کے ڈی اے سیکریٹری نے ڈیپارٹمنٹ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی اور اپنے تمام متعلقہ زون کے سربراہوں کو ہدایت کی ہے کہ سرکاری قطعات اراضی پر غیر قانونی طریقے سے تعمیر کی جانے والی مساجد کے بارے میں کارروائی کے لیے مذکورہ فیصلے سے رجوع کیا جائے۔

اس سلسلے میں کسی کارروائی سے قبل یہ معلوم کیا جائے کہ غیر قانونی طور پر تعمیر کی جانے والی مسجد کے لیے متعلقہ ڈپٹی کمشنر سے این او سی لیا گیا ہے، اور مسجد کی تعمیر ہونے والی اراضی کسی اسکیم کے لئے مختص نہیں ہے یا اس سے کسی سروسز کی فراہمی تو متاثر نہیں ہو رہی ہے، یا یہ اراضی اہم عمارتوں اور پل کی تعمیر کے لئے تو مختص نہیں ہے یا اس غیر قانونی مسجد کی تعمیر سے کسی علاقے کو منصوبہ اور ترقیاتی کام تو متاثر نہیں ہو رہے ہیں۔ ہدایت میں مزید کہا گیا ہے کہ ان تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد ہی مسجد کو باضابطہ بنایا جائے"۔

(روزنامہ جسارت ۲۱ جنوری ۱۹۸۳ء)

مساجد کا معاملہ شرعی اور معاشرتی حیثیت سے بہت ہی نازک اور حساس ہے۔ ہماری مخلصانہ رائے ہے کہ حکومت کو اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھاتے ہوئے اس کے عواقب و نتائج کے تمام پہلوؤں پر اچھی طرح غور کر لینا چاہئے۔ اور نیچے کے افسروں کی "سب اچھا" پر کوئی اقدام کر کے سنگین نتائج کو مول نہیں لینا چاہئے۔ ممکن ہے کہ بعض مساجد ایسی بھی ہوں جو حکومت کے اہم مقاصد کے لئے مختص کئے گئے قطعات اراضی پر زبردستی تعمیر کر لی

گئی ہوں۔

لیکن اس حکم میں ان تمام مساجد کو شامل کرلینا جو گورنمنٹ کی اجازت کے بغیر مسلمانوں کی آبادیوں میں ضرورت کی بناء پر تعمیر کی گئی ہیں اور جن میں سالہا سال سے جمعہ و جماعت کا اہتمام چلا آتا ہے بہت بڑا ظلم ہوگا۔ بہت سی مساجد ایسی ہیں کہ گورنمنٹ کے اعلیٰ حکام سے ان کی توسیع کے لئے مسجد سے ملحقہ جگہ کی درخواست کی گئی۔ باوجودیکہ وہ قطعہ بالکل خالی پڑا ہے مگر انتظامیہ کے مغرور یا بے دین حکام نے اس درخواست کو مسترد کردیا یا سرخ فیتے کی نذر کردیا۔

بہرحال ایک مسلمان حکومت کا مساجد کے انہدام کا حکم جاری کرنا اس کے لئے کسی طرح بھی نیک شگون نہیں ہے' ہمیں اندیشہ ہے کہ یہ تجویز حکومت کے بدخواہ افسروں نے حکومت کو، عوام میں بدنام کرنے کے لئے پیش کی ہو۔ تاکہ عوام کو یہ تاثر دیا جائے کہ اسلامی حکومتیں تو مساجد کو تعمیر کیا کرتی ہیں۔ یہ کیسی اسلامی حکومت ہے جو مساجد کے شہید کرنے کا حکم دے رہی ہے۔

جب کہ حکومت غیر قانونی کچی آبادیوں کو منظور کر رہی ہے تو جو مساجد حکومت کی منظوری کے بغیر تعمیر کی گئی ہیں آخر ان کی منظوری دینے میں بخل سے کیوں کام لیا جا رہا ہے۔ اس حکم پر اگر عمل کیا گیا تو ہمیں اندیشہ ہے کہ اس سے حکومت کی ایسی بدنامی ہوگی کہ اس کی وجہ سے اس کے پاؤں اکھڑ جائیں گے۔ حق تعالیٰ شانہ تمام فتنوں سے حفاظت فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ
محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

طلبائے اور اربابِ مدارس کی خدمت میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو عنبہ خولانی رضی اللہ عنہ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کیا گیا ہے ": لا یزال اللّٰہ یغرس فی الدین غرسا یستعملھم فی طاعتہ" (ص ۳) (اللہ تعالیٰ اس دین کے باغ میں ہمیشہ نئے نئے پودے لگاتا رہے گا جن کو اپنی اطاعت میں استعمال فرمائے گا۔)

اس ارشاد نبویؐ کے مطابق یہ کہنا بجا ہو گا کہ گزشتہ صدی میں ہمارے دینی مدارس ہی ویرانۂ ہند میں دینِ خداوندی کے باغبان رہے، انہوں نے دین کی آبیاری کی، اس کی سرسبزی و شادابی کو قائم رکھا۔ اس میں نئے نئے گل بوٹے لگائے، انہی کے دم سے علومِ نبوت زندہ و تابندہ رہے، انہی کے طفیل قال اللہ وقال الرسول کی پاکیزہ صدائیں مشام جان کو معطر اور جذبات ایمان کو تازہ کرتی رہیں۔ انہی دینی مدارس کی برکت سے گلشن دین سدا بہار رہا۔ یہی وہ قلعے تھے جن سے دین کا دفاع ہوا۔ یہی وہ چھاؤنیاں تھیں جن میں پاسبانی دین و ملت کی تربیت دی گئی۔ یہی وہ جزیرے تھے جو مغربیت کے طوفان بلا خیز میں دین اور اہل دین کا مأمن بنے رہے، اور جنہوں نے مادیت کے ایمان شکن تھپیڑوں میں ملت اسلامیہ کو ایمانی و روحانی غذا مہیا کی۔

بحمد اللہ ہمارے دینی مدارس سینکڑوں مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے اب تک اپنا فریضہ انجام دے رہے ہیں، لیکن نئی صدی میں عالمی انقلابات اور اندرونی و بیرونی تغیرات کے جو خطرات لاحق ہیں وہ علمائے امت سے مزید عزیمت و استقامت کا تقاضا

کرتے ہیں۔ انہیں بھرپور عزم اور ناقابل تسخیر حوصلہ وولولہ کے ساتھ مستقبل میں پاسبانی دین وملت کا فرض ادا کرنا ہے' اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایمان ویقین کے اسلحہ سے لیس ہوں اور سلف صالحین کے نقش قدم پر مضبوطی سے قائم ہوں۔

علوم نبوت بہت ہی قیمتی متاع ہے اور جن لوگوں کو حق تعالیٰ شانہ نے اس کے لئے منتخب فرمایا ہے وہ بہت ہی خوش قسمت اور سعادت مند ہیں۔ وہ حق تعالیٰ شانہ کے اس احسان عظیم کا جتنا شکر بجالائیں کم ہے۔ اس لئے دینی علوم کے طلبہ کو اس عنایت الٰہی کا استحضار ہمیشہ رکھنا چاہئے کہ انہیں علوم وحی کے حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائی' انہیں یہ دیکھ کر کبھی مغموم اور پریشان نہیں ہونا چاہئے کہ آج کی مادیت زدہ دنیا ان کی ناقدر شناس ہے۔ یا ان کی عزت ومنزلت اور ان کے مرتبہ ومقام سے ناآشنا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف ایک قطعہ منسوب ہے :

رضینا قسمة الجبار فینا
لنا علم وللجهال مال
فان المال یفنی عنقریب
وان العلم باق لایزال

ترجمہ :"ہم اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم پر راضی ہیں کہ ہمیں علم عطا فرمایا' اور جاہلوں کو مال دیا' کیونکہ مال عنقریب فنا ہوجائے گا اور علم باقی اور لازوال دولت ہے"۔

زمین کے سارے خزانے اور یہاں کی ساری دولتیں ایک مرتبہ "سبحان اللہ" کہنے کی قیمت نہیں' پس ایسی بے قیمت چیز پر جو لوگ اپنی صلاحتیں کھپارہے ہیں ان کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنا اور اہل دنیا کے مقابلہ میں علوم نبوت کے حاملین کا اپنے کو کمتر سمجھنا درحقیقت علوم نبوت کی ناقدری ہے۔ بہت سے نادان طلبہ

اپنی ناداری وبیکسی اور ابنائے دنیا کی جھوٹی کر وفر کو دیکھ کر احساس کمتری کا شکار ہوجاتے ہیں' جو اس بات کی علامت ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی اس نعمت کی عظمت کو نہیں جانتے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی ہے' اور نہ اس کرّوفر کی لعنت ہی سے واقف ہیں جن میں فساق وفجار مبتلا ہیں' حدیث میں ہے :

"لا تغبطن فاجرا بنعمته فانک لا تدریٰ ماھو لاق بعد موته' ان له عند اللّٰه قاتلا لا یموت یعنی النار۔

(رواہ فی شرح السنة مشکوٰۃ ص۴۴۷)

ترجمہ :"کسی فاجر کو ناز ونعمت میں دیکھ کر اس پر رشک نہ کرو' کیونکہ تم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد اسے کس چیز کا سامنا کرنا ہوگا' بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لئے ایک ایسا قاتل ہے جو کبھی نہ مرے گا۔ یعنی آگ"۔

حضرات سلف صالحین اور ہمارے اکابر کا یہی مذاق تھا کہ وہ علوم نبوت کے حصول اور مرضیات الٰہی کی توفیق کو حق تعالیٰ شانہ کی سب سے بڑی نعمت سمجھتے تھے' اور اس کے مقابلہ میں دنیا کی بڑی سے بڑی دولت اور عزت ومنصب کو پرپشہ کے برابر نہیں جانتے تھے۔ حضرت پیران پیر شاہ گیلانیؒ کا قطعہ مشہور ہے جو شاہ سنجر کے جواب میں انہوں نے تحریر فرمایا تھا :

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد
گر در دل بود ہوس ملک سنجرم
زاں گاہ کہ خبر یافتم از ملک نیم شب
من ملک نیمروز بجوئے نمی خرم

ترجمہ :" چتر سنجری کی طرح میرے نصیبے کا چہرہ سیاہ ہوجائے
اگر میرے دل میں ملک سنجر کی ہوس بھی ہو' جب سے مجھے "ملک
نیم شب" کی خبر ملی ہے' میں ملک نیمروز کو ایک جو کے بدلے میں بھی
لینے کے لئے تیار نہیں ہوں"۔

شیخ المشائخ شاہ غلام علی مجددی دہلویؒ کی خدمت میں کسی نواب نے ان کے مطبخ کے لئے کچھ اوقاف مخصوص کرنے کی پیشکش کی تھی' اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحب نے اسی خط کی پشت پر یہ شعر لکھ کر بھیج دیا :

ما آبروئے فقر وقناعت نمی بریم
با بادشاہ بگو کہ روزی مقرر است

ترجمہ :"ہم فقر وقناعت کی آبرو کو بٹہ نہیں لگائیں گے۔
بادشاہ سے کہہ دو کہ روزی لکھی جاچکی ہے"۔

حاملین علوم نبوت کا مادی آسائشوں کی خاطر اہل دنیا کے سامنے ذلیل ہونا یا جھوٹی عزت ومنصب کے لئے ان کی طرف لپکنا بہت ہی مذموم ہے۔ حدیث میں ہے:

ان اناسا من امتی سیفقہون فی الدین
ویقرؤن القرآن یقولون ناتی الامراء فنصیب
من دنیاھم ونعتزلھم بدیننا۔ ولا یکون ذلک' کما
لا یجتنی من القتاد الا الشوک. کذلک
لا یجتنی من قربھم الا قال محمد بن الصباح
کانہ یعنی الخطایا۔ (رواہ ابن ماجہ' مشکوٰۃ)

ترجمہ :" میری امت کے کچھ لوگ دین کا علم حاصل کریں گے اور
قرآن پڑھیں گے۔ وہ کہیں گے کہ ہم امرا کے پاس جاکر ان کی دنیا

میں حصہ لگائیں گے' اور اپنے دین کو ان سے الگ تھلگ رکھیں
گے (کہ ان کے گناہ میں شریک نہیں ہوں گے) حالانکہ ایسا نہیں
ہوگا' جس طرح قتاد کے جھاڑ سے کانٹوں کے سوا کچھ حاصل نہیں
ہوسکتا' اسی طرح ان کے قرب سے گناہوں کے سوا کچھ حاصل نہیں
ہوسکتا"۔

اہل دنیا اگر مردار دنیا پر ناز کرتے ہیں تو اہل علم کو بجا طور پر اس نعمت پر ناز کرنا چاہئے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی ہے۔ اہل علم کا فرض ہے کہ وہ علوم نبوت کی تذلیل کا سبب نہ بنیں' اور دنیا کی کسی دولت اور کسی منصب واعزاز کی طرف آنکھ اٹھاکر نہ دیکھیں۔ ان کی شان تو وہ ہونی چاہئے جو حدیث نبویؐ میں ارشاد فرمائی گئی ہے:

"نعم الرجل الفقیه ان احتیج الیه نفع'
وان استغنی عنه اغنی نفسه" (رواه رزین' مشکوٰة)

ترجمہ: "کیا ہی خوب ہے مرد فقیہ' کہ اگر لوگوں کو اس کی احتیاج ہو
تو نفع پہنچاتا ہے اور اگر اس سے استغنا کیا جائے تو اپنے نفس کو بے
نیاز کرلیتا ہے"۔

اہل علم' اہل دنیا کے محتاج نہیں' بلکہ انہیں سراپا استغنا ہونا چاہئے۔ ان کے پاس جو دولت ہے اہل دنیا اگر محتاج بن کر ان سے اس دولت کا استفادہ کرنا چاہیں تو "نعم الامیر علی باب الفقیر" کا مصداق ہوں گے۔ لیکن اگر اہل علم' اہل دنیا کے محتاج بن کر ان کے دروازے پر جائیں تو "بئس الفقیر علی باب الامیر" کے مصداق ہوں گے۔

دینی علوم کے حصول کا مقصد نہ دنیا کمانا ہے' نہ اہل دنیا کی نظر میں عزت ووجاہت حاصل کرنا' بلکہ اس کا مقصد محض حق تعالیٰ شانہ کی رضا کا حصول ہے' اور یہ

رضائے الٰہی محض حرف خوانی اور ورق گردانی سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ احکام الٰہیہ کی تعمیل اور آنحضرت ﷺ کی سنن طیبہ کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے۔ پس علوم نبوت کے حاملین و طالبین کو سب سے زیادہ اہتمام اس کا ہونا چاہئے کہ ان کا علم صرف دانستن کی حد تک نہ رہے' بلکہ ان کا حال و قال اور ان کی پوری زندگی اس علم کے رنگ میں ڈھلنی چاہئے۔ عالم بے عمل حق تعالیٰ شانہ کی نظر میں بہت ہی مبغوض ہے۔ وہ صرف اپنا ہی نقصان نہیں کرتا بلکہ خلق خدا کی راہ بھی مارتا ہے۔ لوگ جس طرح عالم باعمل کے اخلاق واعمال کو دیکھ کر دین کی راہ پر آتے ہیں' اسی طرح عالم بے عمل کے کرتوتوں کو دیکھ کر دین سے متنفر اور برگشتہ بھی ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد منقول ہے کہ عالم بے عمل کی مثال ایسی ہے جیسے دہانے کا پتھر' کہ وہ نہ خود سیراب ہوتا ہے اور نہ دوسروں کو سیراب ہونے دیتا ہے۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علم جو دل میں سرایت کرجائے' یہ علم تو نافع اور سود مند ہے اور دوسرا وہ علم جو صرف زبان تک محدود ہو' یہ ابن آدم کے خلاف اللہ تعالیٰ کی حجت ہے۔ علم کے نافع ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ علم بذات خود صحیح ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کا استعمال بھی صحیح ہو۔ اگر علم صحیح نہ ہو تو وہ بھی وبال ہے' اور اگر علم تو صحیح ہو مگر اس کا استعمال صحیح نہ ہو تو وہ بھی وبال ہے۔ دینی علوم کی تحصیل میں نیت صحیح ہوگی تو علم بھی صحیح ہوگا' اور اس کا استعمال بھی صحیح ہوگا۔ لیکن اگر شروع سے ہی نیت فاسد ہو تو علم بھی فاسد اور اس کا استعمال بھی فاسد ہی ہوگا۔ اس لئے سب سے زیادہ اہتمام تصحیح نیت کا ہونا چاہئے اور پھر اس کی ہمیشہ تجدید کرتے رہنا چاہئے' اہل بصیرت کے نزدیک تو دینی خدمات کی نیت سے علم حاصل کرنا مثلاً ہم وعظ و تقریر کریں گے' درس و تدریس میں مشغول ہوں گے' تصنیف و تالیف کریں گے وغیرہ وغیرہ' یہ نیتیں بھی علم کے لئے حجاب بن

جاتی ہیں۔ حصول علم کی نیت تو بس یہ ہونی چاہئے کہ ہم خدا تعالیٰ کے احکام معلوم کر کے حق تعالیٰ شانہ کی مرضیات کو اپنائیں گے' اور نامرضیات سے اجتناب کریں گے' پھر حق تعالیٰ شانہ کو اس سے کوئی خدمت لینا ہوگی تو خود ہی لے لیں گے اور اس کی صورتیں بھی پیدا فرمادیں گے۔ بہرحال سب سے اہم واقدم تو خود اپنی اصلاح اور اپنی زندگی کو مرضیات الٰہی میں ڈھالنا ہے۔

جس طرح علم "بغیر استاد" عادۃً نہیں آتا' بلکہ اس کے لئے کسی عالم کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنا ضروری ہے اسی طرح علم کا استعمال بھی سیکھنے کی چیز ہے' اور اس کے لئے کسی مرشد و مربی کی صحبت اور تربیت و نگرانی ضروری ہے۔ اس اصلاح و تربیت کے بغیر نہ عادۃً علم کا صحیح استعمال آتا ہے اور نہ اس پر صحیح ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابر کو اس کا ہمیشہ اہتمام رہا ہے کہ کسی صاحب ارشاد کی نگرانی میں اپنے نفس کی اصلاح کی جائے اور اسے خود رائی اور خود روی کے مرض میں مبتلا نہ ہونے دیا جائے۔ لیکن اب الا ماشاء اللہ اس کی ضرورت ہی ذہنوں سے نکل گئی ہے۔ اور صرف لفظ دانی و حرف خوانی ہی کو کافی و وافی سمجھ لیا گیا ہے۔ اسی کی نحوست ہے کہ سنن و آداب تو کجا؟ فرائض کا اہتمام بھی رفتہ رفتہ مٹ رہا ہے' اور اعمال نبوت کی وقعت و عظمت قلوب سے نکل رہی ہے۔ غیر مقصود چیزیں مقاصد کی حیثیت اختیار کررہی ہیں' اور اہم مقاصد ثانوی حیثیت اختیار کررہے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی۔

ہمارے دینی مدارس صرف حروف والفاظ کی مشق گاہیں نہیں ہونی چاہئیں' بلکہ ان کو اصلاح باطن کی تربیت گاہیں بننا چاہئے حضرات مدرسین خود ذاکر و شاغل' اہل باطن اور صاحب نسبت ہوں' اور طلبہ ان کی خدمت میں جہاں علوم ظاہرہ سیکھیں وہاں اپنے اپنے ظرف واستعداد کے مطابق ان کی صحبت میں حق تعالیٰ شانہ کی محبت

اور دیگر باطنی کیفیات سے بھی بہرہ افروز ہوں ان کی پاکیزہ زندگی ایک مستقل درس حیات کی حامل ہو' اس کے لئے ضروری ہے کہ اہل مدارس کا اکابرین اہل قلوب سے اصلاحی تعلق ہو تاکہ دینی مدارس کی فضا اتباع سنت کے نور سے منور اور ذکر الٰہی سے معمور ہو۔

بے عنایات حق وخاصان حق
گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق

ہمارے اکابر کو مقاصد کا اہتمام تھا وسائل کو وسائل کے درجے مین رکھتے تھے۔ اور زوائد سے حتی الوسع احتراز فرماتے تھے' لیکن اب انقلاب زمانہ کی وجہ سے مقاصد معدوم ہوتے جارہے ہیں وسائل مقاصد کی جگہ لے رہے ہیں اور زوائد کا اہتمام مقاصد کی طرح کیا جارہا ہے۔ چنانچہ مدارس کی تعمیرات' فرنیچر اور آرائش وغیرہ کا تو خوب زور وشور بڑھ رہا ہے۔ مگر تعلیم کی سطح روز بروز گرتی جارہی ہے۔ کتابوں کی تدریس میں بھی مقاصد سے زیادہ زوائد پر زور دیا جانے لگا ہے جس سے تعلیم کیفاً وکمّاً متاثر ہوتی ہے۔ ابھی نصف صدی پہلے ہمارا جو تعلیمی معیار تھا' اس کے مقابلہ میں موجودہ معیار صفر نظر آتا ہے۔ اساتذہ میں خلوص وانہماک' اوقات میں برکت اور دیگر مشاغل سے یکسوئی' اور طلبہ میں مطالعہ وتکرار کا شوق' تعلیمی موانع سے احتراز' اساتذہ سے تعلق ومحبت وغیرہ تمام چیزیں رفتہ رفتہ قصۂ پارنیہ بن رہی ہیں' ہمارے اکابر' طلبہ کو بیعت نہیں فرماتے تھے کہ اس سے ان کی تعلیم میں حرج ہوگا۔ لیکن اب طلبہ بڑی پابندی اور شوق سے اخبارات ورسائل کا مطالعہ کرتے ہیں' خبروں پر تبصرے کرتے ہیں مگر ان کے خیال میں ان کا کوئی تعلیمی حرج نہیں ہوتا اسی طرح مدارس کے لئے تکثیر چندہ' یا تکثیر سواد پر بہت توجہ ہے لیکن جو طلبہ ان کے پاس امانت ہیں ان کی اصلاح وتربیت کا اتنا اہتمام نہیں۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی

قدس سرہ نے "تذکرۃ الخلیل" میں حضرت شیخ الہندؒ کے حالات میں اس تغیر کا عجیب نقشہ کھینچا ہے۔ طویل ہونے کے باوجود جی چاہتا ہے کہ یہاں ان کا پورا اقتباس نقل کردیا جائے۔ حضرت مولانا لکھتے ہیں :

"ایک مرتبہ بندہ حاضر تھا آپ نے (یعنی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہ نے) سر اٹھایا اور فرمایا مولوی عاشق الٰہی ایک بات کہوں، ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ ہندوستان میں علم کی اتنی کمی تھی کہ دور کیوں جاؤ خود ہمارے اضلاع میں بھی جنازہ کی نماز پڑھانے والا مشکل سے ملتا تھا اور آج علم کی کثرت کا یہ حال ہے کہ شہر تو شہر کوئی قصبہ بلکہ شاید کوئی گاؤں بھی ایسا نہ ہو جہاں کوئی مولوی نہ مل جائے۔

اس کے بعد ذرا دوسرا پہلو دیکھو کہ غدر (سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی جس کا نام انگریزوں نے غدر رکھ دیا تھا اور مختصر اور حکومت کی وجہ سے وہی شائع ہوگیا حالانکہ یہ پاکستان کا بیج اس وقت بویا گیا تھا جو نوے سال بعد پھل لے آیا۔ ناقل) کا زمانہ گزرے کچھ مدت نہیں ہوئی کہ ابھی اس کے دیکھنے والے بھی زندہ ہیں اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ پھانسی گڑی ہوئی تھی اور ناکردہ ان مظلوموں کا پرا بندھا ہوا تھا جن کو پھانسی کا حکم دیا جاچکا تھا' وہ لوگ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ایک نعش کو اتارا جارہا ہے اور دوسرے کو زندہ چڑھایا جارہا ہے' اس طرح پر موت ان کی نظر کے سامنے تھی اور ان کو عین الیقین تھا کہ چند منٹ بعد میرا شمار مُردوں میں ہوا چاہتا ہے۔ بایں ہمہ کوئی جھوٹوں بھی ان کے متعلق ضعف

ایمان کا یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ کسی بچہ نے بھی موت سے ڈر کر اسلام سے انحراف یا تبدیل مذہب کا خیال کیا ہو۔ باوجود (یعنی عام آدمیوں میں) قلت علم اور غلبہ جہالت کے ان کا ایمان اتنا پختہ تھا کہ مرنا قبول تھا مگر مذہب پر حرف آنا قبول نہ تھا' اور آج بایں کثرت علم ضعف ایمان کا یہ حال ہے کہ ذرا ڈنڈے کے خوف یا دو پیسہ بلکہ دو حرف (خطاب جیسے ڈاکٹر وغیرہ) انگریزی کے عطیہ کی طمع دلا کر جو چاہے کہلالو اور جو چاہے کرالو۔

عجیب بات ہے کہ قلت علم کے وقت ایمان میں اتنی قوت' اور کثرت علم کے زمانہ میں ایمان کی اتنی کمزوری۔ اس کے بعد فرمایا سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک جگہ علامت قیامت بیان کیا علم کا کم ہونا' اور دوسری جگہ فرمایا کہ قیامت کے قریب علم زیادہ ہو جائے گا۔ اہل باطن نے بغیر دیکھے نور فراست سے تطبیق دی تھی مگر ہم بدنصیبوں نے اس وقت کو آنکھوں سے دیکھ لیا کہ صورت علم کثیر ہو گئی مگر حقیقت علم قلیل ہو گئی اور یہی خاص علامت ہے قرب قیامت کی۔

ایک مرتبہ ایسے ہی فکر سے افاقہ پاکر فرمانے لگے مولوی عاشق الٰہی میں غور کیا کرتا ہوں ابھی چند سال ہوئے چندوں میں اتنی قلت تھی کہ دو دو چار چار پیسے بھی قدر کے ساتھ لئے جاتے تھے اور مدرسین وطلبہ کو چھپر کے سایہ میں بیٹھنا بھی نعمت معلوم ہوتا تھا' بایں ہمہ علما ایسے تیار ہوتے تھے کہ باید وشاید۔ آج انہی روکھی سوکھی کھا کر پڑھنے والوں کی بدولت دین کا ماہتاب چمک رہا ہے اور

اب چندوں کا یہ حال ہے کہ ریاستوں سے ہزارہا روپیہ مقرر ہے اور امرا و متمول تاجروں سے کثیر کثیر رقمیں آتی ہیں، مگر نہ علم میں وہ برکت ہے نہ حال اور عمل میں وہ اخلاص۔ مدارس کو دیکھو تو تعمیرات زائدہ میں ترقی اور عالی شان عمارتوں کی بھرمار۔ طلبہ کو دیکھو تو ہر طرح امرا جیسے باورچی خانے اور اس پر بھی ان کو شکایت اور اعتراض۔ آہ زمانہ ہی پلٹ گیا۔ ظاہرداری ہر جگہ بڑھ گئی اور بطن واندرون ہر چیز کا جاتا رہا، آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ پہلے جو نتیجہ پیسوں میں نکلا وہ آج ہزاروں روپیہ میں بھی نہیں نکلتا۔ ذرا سکوت فرماکر خود ارشاد فرمایا کہ میرے خیال میں اس کی وجہ یہ آتی ہے کہ اس زمانے میں حلت حرمت کا اہتمام مسلمانوں کے قلوب سے جاتا رہا اور حب مال نے چرالیا کہ روپیہ کمانے کی فکر میں حدود شرعیہ کا تذکرہ بھی لوگوں کو ناگوار گزرنے لگا ہے اس لئے پہلے جو کچھ مدرسوں میں آتا تھا اگرچہ مقدار میں قلیل ہوتا تھا مگر حلال خالص اور محنت و ریاضت کا کمایا ہوا بابرکت آتا تھا۔ لہٰذا اس کے ثمرات بھی شیریں اور بابرکت ہوتے تھے، اور آج گو مقدار میں کثیر آتا ہے مگر اس میں اکثر حصہ وہ ہوتا ہے جس میں شریعت کے جواز و عدم جواز کا لحاظ نہیں رکھا گیا، لہٰذا وہ یہاں آکر بھی یا مٹی میں ملائے جانے کے قابل ہوتا ہے اور فضول تعمیرات میں خرچ ہوجاتا ہے یا زوائد امور میں صرف ہوجاتا ہے، چھنٹ چھنٹا کر جو حلال بچتا ہے وہ مد تعلیم میں صرف ہوتا ہے مگر وہ اقل قلیل ہے لہٰذا علم موروث کا ثمرہ بھی اقل قلیل۔

صدق اللہ العلی العظیم الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات۔ (تذکرۃ الخلیل ص۱۸۱، ۱۸۲)

ہمارے دینی مدارس میں جو طلبہ دینی علوم حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں ان کی حیثیت مہمانان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور اس حیثیت سے وہ بہت ہی لائق قدر ہیں۔ ترمذی شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آپؐ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے فرمایا :

ان الناس لکم تبع وان رجالا یاتونکم من اقطار الارض یتفقهون فی الدین واذا اتوکم فاستوصوا بهم خیرا۔ (جامع ترمذی ص۸۹ ج۲)

ترجمہ :"بے شک لوگ تمہارے تابع ہیں اور بے شک کچھ لوگ زمین کے اقطار واطراف سے دین کی فہم حاصل کرنے کے لئے تمہارے پاس آئیں گے، اور جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کے بارے میں (میں تم کو) بھلائی کی وصیت (کرتا ہوں۔ اسے) قبول کرو"۔

ابو ہارون العبدی کہتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں جب ہم طلب علم کے لئے حاضر ہوتے تو وہ یہ کہہ کر ہمارا استقبال فرماتے" : مرحبا بوصیة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔(مرحبا ان لوگوں کو جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی)۔

پس وصیت نبویؐ کے مطابق اہل مدارس اور حضرات اساتذہ کو دینی علوم کے طلبہ پر باپ سے زیادہ شفیق ہونا چاہئے۔ شفقت کے صرف یہ معنی نہیں کہ ان کی ہر

ممکن خاطر ومدارت کی جائے' اور ان کی راحت رسانی کا حتی الوسع اہتمام کیا جائے بلکہ اصل شفقت یہ ہے کہ ان کے اوقات کو امانت سمجھ کر انہیں زیادہ سے زیادہ قیمتی بنایا جائے تاکہ ان کے اوقات کا کوئی لمحہ ضائع نہ ہو' ورنہ اہل مدارس اور حضرات اساتذہ سے اس کی مسئولیت ہوگی۔ اس سلسلہ میں جن باتوں کا اہتمام ضروری ہے وہ یہ ہیں:

۱ـــــــ اوقات درس کی شدت سے پابندی کی جائے اور نصاب کی جتنی مقدار سال کے لئے مقرر ہے اس کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔ اوقات درس میں ادھر ادھر کی باتیں نہ کی جائیں جس سے طلبہ کے سبق کا نقصان ہو۔ یا مقدار خواندگی متاثر ہو۔

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے فتاویٰ سے ایک سوال وجواب نقل کرتا ہوں جس سے اس کام کی نزاکت کا اندازہ ہوسکے گا:

"سوال: مدرسہ کے وقت معین میں مدرس کو کوئی اپنا کام پیش آیا اور اس نے اپنا کام کیا اور خارج از وقت مدرسہ اس نے اس کے عوض تعلیم دی تو اس صورت میں وہ مستحق کل تنخواہ کا ہوسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: مدرسی عقد اجارہ ہے' اگر باہم معاہدہ اجارہ کے وقت' وقت کی تعین ہوئی ہے کہ فلاں وقت میں کام کرنا ہوگا تو دوسرے وقت میں کام کرنے سے مستحق اجر کا نہیں' اور اگر صرف مقدار معین ہوئی اور (وقت کی) تخصیص نہیں ہوئی تو مستحق اجر ہے۔ فقط"۔ (امداد الفتاویٰ ص۳۵۶ ج۳)

۲ـــــــ اسی کے ساتھ اوقات درس سے طلبہ کی غیر حاضری وبے توجہی ان کے لئے بہت ہی نقصان دہ ہے بغیر کسی قوی عذر کے اس کو برداشت نہ کیا جائے۔ اگر حضرات اساتذہ کو خود اسباق کا اہتمام اور اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس ہو تو طلبہ کی

غفلت و بے توجہی کی نوبت شاذ و نادر ہی آسکتی ہے۔

۳۔۔۔۔۔۔ آج کل درس میں لمبی لمبی تقریریں کرنے اور حشو و زوائد امور کو بیان کرنے کا رواج چل نکلا ہے اس سے طلبہ پر استاذ کی قابلیت ولیاقت بلکہ ہمہ دانی کا رعب تو ضرور بیٹھ جاتا ہے مگر یہ چیز طلبہ کی استعداد کے لئے سم قاتل ہے۔ شفیق اساتذہ کا یہ فرض ہے کہ اپنے ارشادات کتاب کے نفس مضمون کی وضاحت تک محدود رکھیں، اور کتاب کا خلاصہ طلبہ کے ذہن نشین کرادیں۔ زیادہ سے زیادہ بس اتنا کریں کہ اگر کوئی سوال بہت ہی متبادر ہو یا مصنف کی عبارت میں کوئی غلطی ہو تو اس کی طرف متوجہ کردیا کریں۔ زائد تقریریں نہ طلبہ کو یاد رہتی ہیں، اور نہ وہ ان کے لئے کار آمد و مفید ثابت ہوتی ہیں۔ اس لئے یہ لمبی لمبی تقریریں طلبہ کا وقت ضائع کرنے کے ذیل میں آتی ہیں۔ اس کے بجائے یہ ہونا چاہئے کہ طلبہ میں کتاب فہمی کا ملکہ پیدا کرنے اور فن کے ضروری مسائل محفوظ کرانے کا اہتمام کیا جائے۔ ان لمبی تقریروں سے مقدار خواندگی بھی متاثر ہوتی ہے۔ چنانچہ قیام پاکستان سے پہلے اساتذہ کے یہاں نحو میر سے کافیہ تک ایک سال میں ہوجاتا تھا مگر اب دو سال میں بھی یہ مقدار پوری نہیں ہوتی۔

۴۔۔۔ حسن تدبیر سے طلبہ کو مطالعہ و تکرار اور محنت وانہماک کا عادی بنانا بھی ضروری ہے۔ طالب علمی کے زمانہ میں طلبہ کو تحصیل علم میں اس قدر انہماک ہونا چاہئے کہ انہیں محاورے کی زبان میں دنیا ومافیہا کی خبر نہ ہو۔ تجربہ یہ ہے کہ جو طالب علم کند ذہن اور غبی ہو مگر تحصیل علم میں ہمہ تن منہمک ہو وہ کامیاب ہوجاتا ہے اور حق تعالیٰ شانہ اس کو دینی خدمات کی توفیق بھی عطا فرماتے ہیں اس کے برعکس جو طالب علم بلا کا ذکی وذہین ہو مگر بے پروائی کے ساتھ پڑھتا ہو اور تن وتوش یا سیر وتفریح میں وقت ضائع کرتا ہو وہ علم کی برکات سے محروم رہتا ہے اور بعد از فراغ

اسے دینی خدمات کی توفیق نہیں ہوتی۔ چار چیزیں علمی برکت کا موجب ہیں علمی انہماک، ورع و تقویٰ، اساتذہ کا احترام اور دینی کتابوں کا احترام ---------- جس طالب علم سے ان چار میں سے ایک چیز بھی سلب کرلی جائے اس کا علم کبھی خیر و برکت کا موجب نہیں ہوتا۔

۵ ---- درس و مطالعہ کے علاوہ طلبہ کے اخلاق و اعمال کی نگرانی بھی اہل مدارس اور حضرات اساتذہ کا فریضہ ہے۔ نوجوانی کو جنون کا ایک شعبہ کہا گیا ہے۔ اس زمانہ میں فہم ناپختہ اور جذبات میں ہیجان ہوتا ہے اس لئے نفس و شیطان کو دخل اندازی کا موقع زیادہ ملتا ہے پھر فساد زمانہ اور ماحول کے اثرات بھی نوجوان طلبہ کے ذہن کو متاثر کرتے ہیں اس لئے دینی مدارس میں طلبہ کو اس طرح رہنا اور رکھنا چاہئے جس طرح ایک شیر خوار بچہ اپنی والدہ کی گود میں ہوتا ہے۔ فرائض کی پابندی اور سنن و آداب کی بجا آوری کی انہیں عادت ڈالی جائے۔ غیر شرعی وضع قطع، لباس و پوشاک اور عادات و اطوار سے ان کو بچایا جائے، اور اس بات کا بطور خاص اہتمام کیا جائے کہ زمانے کی سرد و گرم ہوائیں ان کے ذہن و فکر کو متاثر نہ کریں۔

۶ ---- دین کا ایک اہم شعبہ اخلاقیات ہیں۔ پہلے زمانوں میں اخلاقیات پر متعدد کتابیں زیر تدریس رہا کرتی تھیں اور پھر حضرات اساتذہ کی صحبت کیمیا اثر سے بھی طلبہ بہت کچھ سیکھتے تھے، مگر اب نہ وہ فیضانِ صحبت ہے اور نہ کتابوں کے مطالعہ و تدریس کا رواج ہے۔ اس لئے اس شعبہ میں خاصی کمی محسوس ہونے لگی ہے۔ اور اس کی وجہ سے علم کے انوار و برکات مٹتے جارہے ہیں۔ حضرات اساتذہ کرام اور اہل مدارس کو اس کے تدارک کی بھی فکر کرنی چاہئے۔ مختلف درجات کے مناسب اخلاق کی کتابیں بھی طلبہ کے زیر مطالعہ رہنی چاہئیں، اور مناسب ہوگا کہ حضرات اساتذہ و طلبہ کا ایک وقت اس کے لئے بھی مخصوص ہو۔

۷ـــــ مادیت کے غلبہ کی وجہ سے ہر طرف ہوا وہوس کا زور بندھ رہا ہے۔ نیکی وصلاح کی استعدادیں رفتہ رفتہ ختم ہو رہی ہیں اور شر وفساد وبائے عام کی شکل اختیار کر رہا ہے۔ بعض اوقات تو حالات کی شدت، فتنوں کی یلغار اور نیکی کی پسپائی کو دیکھ کر کچھ ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ شاید قیامت کے آنے میں اب زیادہ وقت نہیں رہا۔ ان تمام فتنوں کا علاج ذکر الٰہی اور سنتِ نبویؐ کا التزام ہے۔

یوں تو دینی علوم کا سیکھنا سکھانا بھی ذکر الٰہی میں شامل ہے بلکہ یہ اعلیٰ ترین ذکر ہے۔ لیکن اس کے مثمر برکات ہونے کے لئے بھی اصلاح نفس اور اخلاص وخشیت درکار ہے، اگر اہل مدارس اس طرف توجہ فرمائیں تو کم از کم ہفتہ میں ایک وقت ایسا تجویز کرلیا جائے جس میں قرب وجوار کے اہل ذکر جمع ہو جایا کریں، اور حضرات اساتذہ اور کچھ مخصوص طلبہ اس وقت ذکر واذکار میں مشغول رہیں اور ذکر سے فراغ کے بعد کوئی اصلاحی کتاب پڑھ کر سنادی جائے تو یہ سلسلہ بہت سی برکات کا موجب اور فتنوں کے انسداد کا باعث ہو سکتا ہے۔ کئی سال سے حضرت اقدس مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم مدنی دامت فیوضہم اہل مدارس کو مدارس میں سلسلہ ذکر جاری کرنے کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔ حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ "بصائر وعبر" میں اس پر لکھ بھی چکے ہیں۔ زمانہ جن بے پناہ فتنوں کی لپیٹ میں ہے، ان کا تریاق ذکر الٰہی اور رجوع الی اللہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ اور یہ فریضہ سب سے زیادہ علما وصلحا ہی پر عائد ہوتا ہے۔ اس لئے حضرات علما کرام اور اہل مدارس کو اس طرف خصوصی طور پر متوجہ ہونا چاہئے۔ حق تعالیٰ شانہ امت مرحومہ پر رحم فرمائیں، اور دینی مدارس کو تمام آفات وفتن سے محفوظ رکھ کر ان کے برکات سے امت کو مستفید فرمائیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ صفوۃ البریۃ

محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

(بینات ربیعین ۱۴۰۱ھ)

درسِ نظامی کی سند
اور
یونیورسٹی گرانٹس کمیشن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سابقہ حکومت نے دینی مدارس کے فضلا کے بارے میں یہ منظور کیا تھا کہ اگر وہ بی۔اے کا انگریزی پرچہ پاس کر لیں تو ان کی سند ایم۔ اے کے مساوی تسلیم کی جائے گی؛ موجودہ دور حکومت میں غیر مشروط طور پر دینی مدارس کی سند فضیلت کو ایم اے کے مساوی تسلیم کیا گیا۔ چنانچہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے ستمبر ۱۹۸۱ء میں یونیورسٹیوں کو حکمنامہ جاری کیا کہ اب تعلیم و تدریس کے میدان میں دینی مدارس کی سند بغیر کسی شرط کے ایم۔ اے کے مساوی تسلیم کی جائے۔ لیکن یونیورسٹیوں نے عملی طور پر اس حکم کو تسلیم نہیں کیا۔ صدر پاکستان کو اس کی طرف توجہ دلائی گئی تو صدر کے حکم پر یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے دسمبر ۱۹۸۱ء ۱۹۸۲ء میں علماء اور یونی ورسٹیوں کے حکام کا ایک مشترکہ اجلاس طلب کیا اور اس فیصلہ کی دوبارہ توثیق کی گئی۔ لیکن یونیورسٹیوں کا ردعمل بدستور سابق رہا۔ اس پر یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن کے اجلاس منعقدہ ۱۳ نومبر ۱۹۸۲ء میں ـــ پھر ایک قرار داد منظور کی گئی کہ دینی مدارس کی سند کو ایم۔ اے کے مساوی تسلیم کیا جائے، جسے گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان اور پشاور یونیورسٹی نے تسلیم کر لیا، لیکن باقی یونی ورسٹیاں بدستور انکار پر مصر رہیں۔ کراچی یونیورسٹی کا تحریری انکار یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے اجلاس میں پیش کیا گیا۔

جس پر فروری ۱۹۸۳ء میں کمیشن نے کراچی یونیورسٹی کو بذریعہ خط مطلع کیا کہ یہ سند ایم۔ اے کے مساوی ہے۔ اور یونیورسٹی کی تعبیر صحیح نہیں۔ اس کے باوجود یونی ورسٹی آمادہ تسلیم نہیں۔

یونیورسٹی کے اس توہین آمیز اور تکلیف دہ رویہ کا اصل منشا یہ ہے کہ جن حضرات کی تعلیم و تربیت اور ذہنی نشو و نما لارڈ میکالے نظام کے تحت ہوئی ہے ان کے نزدیک دین اور دینی تعلیم کا لفظ ہی سرے سے مہمل ہے۔ اور ان کے خیال میں انسانیت کا معیار صرف انگریزیت ہے۔ جس شخص نے حدیث شریف کا ایک سبق بھی نہ پڑھا ہو لیکن اس نے مغرب کے کسی یہودی پروفیسر کے مشوروں کے مطابق کسی موضوع پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ دیا ہو وہ ہماری یونیورسٹیوں میں درس حدیث کے لئے موزوں ترین آدمی سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس دارالعلوم کا شیخ الحدیث' جس نے خوش قسمتی سے اپنے دل و دماغ اور زبان کو انگریزی کی گٹ بٹ سے آلودہ نہ کیا ہو وہ لارڈ میکالے کی اولاد کے نزدیک نہ صرف یہ کہ یونیورسٹی میں درس حدیث کا اہل نہیں' بلکہ ان کی اصطلاح میں "چٹا ان پڑھ" ہے' انگریزوں کو رخصت ہوئے ۳۶ سال گزر گئے مگر ہماری تعلیم گاہوں اور دانش کدوں میں آج بھی لارڈ میکالے نظام تعلیم کا راج ہے۔ اور زمام تعلیم لارڈ میکالے نظام تعلیم کے فرزندوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے اگر وہ دینی مدارس کی اعلیٰ سند کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تو اس پر کوئی تعجب نہیں' بلکہ یہ ان کی ذہنی ساخت کا فطری تقاضا ہے۔ جب تک ان کی ذہنی ساخت تبدیل نہیں ہوتی۔ جب تک انگریزیت کا بھوت ان کے سروں سے نہیں اترتا۔ اور جب تک لارڈ میکالے نظام تعلیم کے تقدس کا خناس ان کے دلوں سے نہیں نکلتا' تب تک صورت حال میں تبدیلی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس نظام تعلیم کی سب سے بڑی خصوصیت تکبر اور لادینیت ہے۔

اور جو لوگ متکبر بھی ہوں اور لادین بھی' کبر اور لادینیت ان کے دل و دماغ میں کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہو ان کے نزدیک دین اور اہل دین کی اور علم اور اہل علم کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے' اور ان کے دلوں میں انگریزیت کے بغیر انسانیت کا کیا احترام ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہمیں ان حضرات کے طرز عمل پر افسوس ضرور ہے مگر تعجب ذرا بھی نہیں۔ البتہ حکومت اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی دو عملی پر ضرور تعجب ہے۔ اگر حکومت اپنے کسی حکم کو نافذ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تو ایسے احکامات صادر کرنے کا شوق کیوں فرمایا جاتا ہے؟۔

دینی مدارس کے طلبہ کا رعایتی ٹکٹ

اسی نوعیت کا ایک مسئلہ دینی مدارس کے طلبہ کے رعایتی کرایوں کا ہے۔ کالج اور یونیورسٹی کے طلبہ بس اور ریل کے رعایتی کرایوں کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اعلان فرمایا کہ کرایوں میں جو رعایت کالج اور یونی ورسٹی کے طلبہ کو دی جاتی ہے دینی مدارس کے طلبہ کو بھی دی جائے گی۔ لیکن ہماری اطلاعات کے مطابق محکمہ ریلوے نے اب تک اس کی تعمیل نہیں کی۔ وہ اس رعایت کا مستحق صرف ان مدارس کے طلبہ کو سمجھتا ہے جو محکمہ تعلیم یا اوقاف کے منظور شدہ ہوں۔ جب کہ جناب صدر کا اعلان بلا تخصیص تمام دینی مدارس کے طلبہ کے لئے تھا۔ اور وزارت تعلیم کے مشیر مذہبی امور جناب مولانا یوسف طلال صاحب محکمہ ریلوے کو تحریری طور پر مطلع کر چکے ہیں کہ وفاق المدارس سے ملحقہ سب مدارس کے طلبہ کرایوں کی رعایت کا استحقاق رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود ریلوے کے افسران عالی مقام دینی طلبہ کو یہ حق دینے کے لئے آمادہ نہیں۔ شاید وہ دینی مدارس کے طلبہ کو

اس عزت افزائی کے لائق نہیں سمجھتے۔ اور عذر یہ ہے کہ انہیں اس سلسلہ میں کوئی باقاعدہ حکم نہیں پہنچا۔ اگر جناب صدر دینی مدارس کے طلبہ کو اس رعایت کا مستحق سمجھتے ہیں تو اس کے لئے ریلوے کو باقاعدہ حکم جاری کر دینا کوئی مشکل نہیں۔

جناب صدر کے اعلان اور متعلقہ محکموں کے انکار نے دینی طلبہ کو تین چار سال سے اضطراب و تشویش میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اب گومگو اور تذبذب کی یہ کیفیت ختم ہو جانی چاہیے۔ اگر ان طلبہ کو رعایت دینا منظور ہے تو اس کے لئے متعلقہ محکموں کو باقاعدہ حکم جاری کر دیا جائے۔ اور اگر یہ طلبہ اس رعایت کے مستحق نہیں تب بھی کوئی مضائقہ نہیں، مگر اس کا صاف اعلان کر دیا جائے۔ جس طرح وہ آج تک اس رعایت کے بغیر جی رہے ہیں آئندہ بھی انشاء اللہ جیتے رہیں گے۔ ہمارا مقصد تحریر ان مہمانان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کسی رعایت کی' بھیک مانگنا نہیں بلکہ ان گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ ان کو مزید ذلیل نہ کیا جائے۔ اس معاملے میں دو ٹوک فیصلہ کر کے انہیں یکسو کر دیا جائے۔ اور اس اضطراب و تشویش کی کیفیت سے انہیں نجات دلائی جائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ
سیدنا محمد و آلہ واصحابہ
واتباعہ اجمعین الی یوم الدین۔

(بینات شعبان ۱۴۰۳ھ)

حکومت کی مدارس دشمنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

قیام پاکستان سے اب تک افسر شاہی کی طرف سے وقتاً فوقتاً یہ کوشش ہوتی رہی ہے کہ دینی مدارس کو سرکاری تحویل میں لے کر ان کی موجودہ افادیت کو ختم کردیا جائے اور انہیں جدید نظام تعلیم کی مشینری کا ایک پرزہ بنادیا جائے۔ ابھی چند ہی سال پہلے ۱۹۷۹ء میں صدر مملکت کی جانب سے ایک "قومی کمیٹی برائے دینی مدارس" قائم کی گئی، جس نے دینی مدارس کے بارے میں ایک مفصل رپورٹ تیار کی، اور دینی مدارس کے بارے میں اپنی تجاویز اور سفارشات پیش کیں۔ جنوری ۱۹۸۱ء کے بینات میں راقم الحروف نے اس رپورٹ پر ایک مفصل تبصرہ کیا تھا، (قارئین کی سہولت کے لئے اسے زیر نظر شمارے میں دوبارہ شائع کیا جارہا ہے)۔

بعد ازاں تحریر اور سفارشات کو بروئے کار لانے کے لئے وزارت تعلیم نے ایک منصوبہ کا خاکہ مرتب کیا، جس کا متن مع راقم الحروف کے تبصرے کے اپریل ۱۹۸۱ء کے بینات میں شائع ہوا (قارئین کی سہولت کے لئے اسے بھی اس شمارہ میں دوبارہ شائع کیا جارہا ہے)۔

"وفاق المدارس العربیہ" کی جانب سے اس سرکاری منصوبہ کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار کیا گیا تھا۔

اب یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی جانب سے "آرڈی نینس برائے قیام مدرسہ" کا

مسودہ سامنے آیا ہے جس کے ذریعہ "مدرسہ بورڈ" کو قانونی شکل دی گئی ہے' اور دینی مدارس کو اسی بورڈ کے ماتحت اور اس کی ہدایات کا پابند کردیا گیا ہے' (قارئین کی سہولت کے لئے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے تجویز کردہ حالیہ مسودہ قانون کا پورا متن اس شمارے میں پیش کیا جارہا ہے)۔

"وفاق المدارس العربیہ" نے اس مسودہ کے خلاف اپنے رد عمل کا اظہار مندرجہ ذیل قرار داد کے ذریعہ کیا ہے :

آج بتاریخ ۲۴ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۵ھ بمطابق ۱۷ مارچ ۱۹۸۵ء جامعہ علوم اسلامیہ کراچی میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کا اہم ہنگامی اجلاس زیر صدارت حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی منعقد ہوا' جس میں حسب ذیل ارکان شریک ہوئے :

(۱) صدر الوفاق مولانا محمد ادریس صاحب۔

(۲) ناظم اعلیٰ مولانا سلیم اللہ خان صاحب کراچی۔

(۳) نائب صدر مولانا عبید اللہ صاحب لاہور۔

(۴) رکن عاملہ مولانا محمد عبداللہ صاحب اسلام آباد۔

(۵) مولانا محمد یوسف جلندری۔

(۶) مولانا انوار الحق صاحب اکوڑہ خٹک۔

(۷) مولانا مفتی غلام قادر صاحب خیرپور۔

(۸) سید اختر حسن صاحب مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ اسلام آباد۔

(۹) مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب ناظم تعلیمات جامعہ علوم اسلامیہ کراچی۔

(۱۰) مولانا محمد یوسف لدھیانوی کراچی۔

(۱۱) مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ کراچی۔

(۱۲) مولانا مفتی ولی حسن صاحب شیخ الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ کراچی۔

(۱۳) مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی مہتمم دار العلوم کراچی۔

(۱۴) مولانا محمد جمیل خان صاحب ناظم ذیلی دفتر کراچی۔

(۱۵)مولانا محمد حنیف صاحب مہتمم خیر المدارس ملتان۔

(۱۶)مولانا مفتی محمد انور شاہ صاحب ناظم امتحانات وفاق المدارس العربیہ پاکستان۔

(۱۷) مولانا محمد تقی صاحب جسٹس شریعت کورٹ۔

(۱۸)مولانا فیض احمد صاحب مہتمم جامعہ قاسم العلوم ملتان۔

(۱۹)مولانا عبد الحلیم صاحب نائب مہتمم نجم المدارس کلاچی ڈیرہ اسماعیل خان۔

اجلاس میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے ترتیب دیئے ہوئے مجوزہ "مسودہ قانون برائے مدارس عربیہ" پر غور کیا گیا' اجلاس میں متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی طرف سے اس مسودہ قانون کو مسترد کیا جاتا ہے جس کی وجوہات حسب ذیل ہیں :

۱۔۔۔ صدر مملکت کی قائم کردہ "قومی کمیٹی برائے دینی مدارس" نے ۱۹۸۰ء میں ایک رپورٹ مرتب کی تھی جسے "وفاق المدارس العربیہ پاکستان" کی مجلس شوریٰ اور مجلس عمومی کے مشترکہ اجلاس میں (جو ۲۱ر محرم الحرام ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۰ر نومبر ۱۹۸۰ء کو مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے دار الحدیث میں منعقد ہوا تھا) ایک متفقہ قرار داد کے ذریعہ مسترد کردیا گیا تھا۔ زیر بحث حالیہ مسودہ قانون بھی قومی کمیٹی کے مسودہ قانون کا چربہ ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ نقصان دہ ہے لہٰذا اس کے قبول کئے جانے کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔

۲۔۔۔۔۔۔۔اس مسودہ قانون کے ذریعہ مدارس دینیہ کی ہیئت کو بدلنے' ان کی آزادی کو سلب کرنے' انہیں حکومتی اداروں کے تابع بنانے کی کوشش کی گئی ہے جس سے مدارس عربیہ کا مقصد وجود فوت ہوجاتا ہے۔

۳۔۔۔۔۔ پاکستان میں دینی مدارس کی روح کچلنے اور انہیں حکمرانوں کے منشاء کے مطابق ڈھالنے کی کوششیں قریبا ہر دور میں ہوتی رہی ہیں۔ "وفاق المدارس العربیہ پاکستان" کی تنظیم بجا طور پر محسوس کرتی ہے کہ حالیہ مسودہ قانون بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے

جس کے ذریعہ مدارس عربیہ کو ایک سرکاری بورڈ کے حوالے کرنا پیش نظر ہے جب کہ اس بورڈ کے بیشتر ارکان سرکاری آفیسروں پر مشتمل ہیں جو ظاہر ہے کہ دینی تعلیم اور مدارس عربیہ کے مزاج و مقاصد ہی سے ناآشنا ہیں۔ اس لئے "وفاق المدارس العربیہ پاکستان" اس کو یکسر مسترد کرنے پر مجبور ہے۔

۴۔ یہ مسودہ قانون جس طرح اندھیرے میں بیٹھ کر مرتب کیا گیا ہے یہ ایک الگ داستان ہے، ۱۲ فروری ۱۹۸۵ء کے نگران کمیٹی کے اجلاس میں طے ہوا تھا کہ مجوزہ بورڈ وفاق کی طرح خالصۃ دینی مدارس کے حضرات پر مشتمل ہوگا، اور ناظمین وفاق پر مشتمل ذیلی کمیٹی بورڈ کا جو خاکہ تیار کرے گی وہ "نگران کمیٹی" میں پیش ہوگا لیکن ۱۳ فروری کے محولہ بالا فیصلہ سے روگردانی کی گئی۔ مجوزہ بورڈ کو باہر کے لوگوں سے بھر دیا گیا ہے اور "نگران کمیٹی" کا اجلاس بلانے کے لئے گھر میں بیٹھ کر اس کا مسودہ قانون مرتب کر لیا گیا، اور اب اسے بالا بالا نفاذ کیلئے بھیجا جا رہا ہے۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر یہ مسودہ قانون ہم مسترد کرتے ہیں اگر اس کو نافذ کیا گیا تو دینی طبقوں میں شدید اضطراب پیدا ہوگا جو کسی طرح ملک و ملت کے لئے مفید نہیں اس لئے صدر پاکستان سے گزارش ہے کہ وہ اس کو نافذ نہ کریں"۔

"وفاق المدارس العربیہ" کی اس متفقہ قرارداد کے بعد اس مسودہ قانون پر کسی بحث کی ضرورت نہیں رہ جاتی، لیکن دو چیزوں کی وضاحت ضروری ہے:

اول یہ کہ اس مسودہ قانون کی تمہید میں کہا گیا ہے کہ:

"نگران کمیٹی برائے دینی مدارس قائم کردہ یونی ورسٹی گرانٹس نے، جس میں تمام مکاتب فکر کے نمائندہ علماء شامل ہیں، اپنے اجلاس منعقدہ ۱۳ فروری ۱۹۸۵ء میں متعلقہ سفارش کی کہ:

"ایک خود مختار ادارہ قائم کیا جائے جو کہ دینی مدارس کے امتحانات کا انعقاد، نتائج کا اعلان اور اسناد کا اجراء جیسے اہم امور انجام دے، اور اس کو ملک میں کسی بھی وفاق، تنظیم یا انفرادی مدرسہ کے

الحق کا اختیار ہو' اس کے قیام سے تمام مسائل جو اس وقت دینی مدارس کو درپیش ہیں' بشمول سندات کی معادلت' نصاب کا معیار وغیرہ حل کرنے میں مدد ملے"۔

اس اقتباس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ مسودہ قانون تمام مکاتب فکر پر مشتمل نگران کمیٹی کی ہدایت اور مشورے پر مرتب کیا گیا ہے' حالانکہ یہ قطعاً خلاف دفعہ ہے۔ نگران کمیٹی کی سفارش یہ تھی کہ یہ بورڈ دینی مدارس کے افراد پر مشتمل ہونا چاہئے' لیکن زیر نظر مسودہ قانون میں نگران کمیٹی کی سفارش کے علی الرغم بورڈ کے ارکان (صدر کے علاوہ) گیارہ تجویز کئے گئے ہیں' ان میں چار دینی مدارس سے لئے گئے ہیں اور باقی سات یونیورسٹی گرانٹس کمیشن' وزارت مذہبی امور اسلامی یونیورسٹی اور زکوۃ بورڈ سے لئے گئے ہیں' اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے چیئرمین کو "مدرسہ بورڈ" کا صدر تجویز کیا گیا ہے' بورڈ کی اس ہیئت ترکیبی سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ بورڈ مدارس عربیہ کے بارے میں کس قسم کے فیصلے کرے گا' اور یہ کہ مدارس عربیہ ان فیصلوں کے سامنے کس قدر بے دست وپا ہوں گے؟ کیا تمام مکاتب فکر کے نمائندہ علما پر مشتمل نگران کمیٹی نے ایسے ہی بورڈ کے قیام کی تجویز پیش کی تھی؟ جس کا خاکہ اس مجوزہ آرڈی نینس میں پیش کیا گیا ہے؟

پھر جب کہ وفاق المدارس العربیہ کی قرار داد میں کہا گیا ہے کہ نگران کمیٹی نے فیصلہ کیا تھا کہ مدرسہ بورڈ کا مسودہ غور و فکر کے لئے نگران کمیٹی کے سامنے پیش کیا جائے گا' اور کمیٹی اس میں ضروری اصلاح وترمیم کے بعد منظوری دے گی لیکن آرڈی نینس کا مسودہ مرتب کرنے والے بزر جمہروں نے اس فیصلے سے صریح انحراف کرتے ہوئے اس کمیٹی کو آرڈی نینس کا مسودہ دکھانے کی بھی زحمت ضروری نہیں سمجھی' نہ اس میں کسی صلاح وترمیم کی گنجائش محسوس کی' بلکہ اسے حرف آخر تصور کرتے ہوئے سیدھا صدر مملکت کو نفاذ کے لئے بھیج دیا گیا' اس کے باوجود یہ تاثر دینا کہ یہ مسودہ گویا "تمام مکاتب فکر کے علماء" کی نگرانی اور مشورہ سے تیار کیا گیا ہے' کس قدر خلاف واقعہ بات ہے۔

اسی مسودہ میں "مدرسہ بورڈ" کے جو اختیارات وفرائض اور اس کا جو دائرہ عمل

تجویز کیا گیا ہے (دیکھئے مسودہ کی شق نمبر۶ الف) اس پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہو گا کہ اس آرڈی نینس کے بعد مدارس عربیہ کی آزادی وخود مختاری محض ایک مہمل لفظ ہو گا، ورنہ نصاب تعلیم، نظام تعلیم اور معیار تعلیم میں دینی مدارس بورڈ کی ہدایات کے قانوناً پابند ہوں گے، اور ان کی زمام اختیار تمام تر بورڈ کے ہاتھ میں ہو گی۔ یہ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، ملک سے دینی مدارس کے نظام کو ختم کرنے اور دینی تعلیم کی روح کو کچلنے کے مراوف ہے۔

حق تعالیٰ شانہ دین، دینی علوم اور دینی مدارس کی حفاظت فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلی آلہٖ واصحابہٖ واتباعہٖ اجمعین الی یوم الدین۔

(ماہنامہ بینات جولائی ۱۹۸۰ء)

دینی مدارس اور سفارشات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گزشتہ سال جنوری میں ڈاکٹر ہالے پوتا کی صدارت میں دینی مدارس سے متعلق ایک قومی کمیٹی قائم کی گئی تھی جس نے اپنی رپورٹ پیش کردی ہے اور صدر جنرل محمد ضیاءالحق کی زیرِ صدارت کابینہ کے ایک اجلاس میں اس پر غور کرنے کے بعد کمیٹی کی سفارشات کو اصولی طور پر منظور کرلیا گیا ہے، اسی طرح قومی کمیٹی کی سفارشات کو عملی جامہ پہنانے کا طریق کار وضع کرنے کے لئے جو سب کمیٹی مقرر کی گئی تھی اس کی سفارشات کو بھی منظور کرلیا گیا مگر چونکہ دونوں کمیٹیوں کی سفارشات میں بعض اختلافات تھے اس لئے دونوں کے مشترکہ اجلاس میں ان اختلافات کو دور کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

ہمارے عربی و دینی مدارس نے انگریزی دورِ اقتدار میں دینی علوم، دینی فہم اور دینی روایات کے تحفظ کی خاطر ایک خاص نوعیت کے طرز تعلیم کی طرح ڈالی، دینی مدارس کے اس رنگ ڈھنگ اور ان کے مخصوص طرز تعلیم اور نصاب تعلیم پر اس دور میں بھی انگشت نمائی ہوتی رہی، لیکن جن باخدا، روشن ضمیر اور صاحب بصیرت بزرگوں نے یہ طرز اپنایا تھا وہ جانتے تھے کہ ہندوستان میں دینی علوم کے تحفظ و بقا کی یہی ایک صورت ہے، اور بعد کے تجربات نے بتایا کہ ان بزرگوں کی بصیرت سو فیصد صحیح ثابت

ہوئی۔

آزادی کے بعد تقریباً ہر گورنمنٹ نے اس امر کو محسوس کیا کہ دینی مدارس کا یہ دیرینہ طرز تعلیم بدل جانا چاہئے، اور اس کے لئے بعض حکومتوں نے کوششیں بھی کیں، موجودہ دور حکومت میں دینی مدارس سے متعلق قومی کمیٹی کا قیام بھی اسی تسلسل کے ضمن میں آتا ہے۔

ابھی تک یہ بات منظر عام پر نہیں آسکی کہ کمیٹی کی سفارشات کیا ہیں؟ اور انہیں نافذ کرنے کے لئے کیا لائحہ عمل تجویز کیا گیا ہے؟ البتہ اس قدر معلوم ہے کہ کمیٹی کی ایک سفارش جدید نصاب سے متعلق بھی تھی اور یہ کہ کمیٹی میں شریک بعض جید علماء نے اس کے خلاف اختلافی نوٹ لکھا اور دلائل سے واضح کیا کہ یہ سفارش دینی مدارس کی قلب ماہیت پر منتج ہوگی۔

اصولی طور پر جو بات دیکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ جن حالات میں دین کے تحفظ کے لئے دینی مدارس کا نظام عمل میں آیا تھا کیا ان حالات میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے؟ بادی نظر میں حالات بہت کچھ بدل چکے ہیں، وہ غلامی کا دور تھا اور یہ آزادی کا دور ہے، لیکن اگر گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہی حالات جوں کے توں اب بھی باقی ہیں، اور ان میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

دینی مدارس کا نظام جب قائم ہوا اس وقت حالات یہ تھے کہ عصری تعلیم گاہوں میں دینی علوم اور دینی اقدار کے تحفظ کا کوئی احساس نہیں تھا، بلکہ ان کا نصاب تعلیم، فلسفہ تعلیم اور طرز تعلیم مغربیت کے محور پر گردش کرتا تھا، ان میں اگر دینی علوم پڑھائے جاتے تھے تو وہ بھی دین کی خاطر نہیں بلکہ محض حصول دنیا کے لئے تھے اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ دینی علوم و اقدار کے تحفظ کے لئے الگ قومی ادارے

قائم کئے جائیں اور ان کا طرز ایسا رکھا جائے کہ دنیوی منصب و جاہ کے عشاق اس کوچے میں قدم نہ رکھ سکیں، بلکہ یہاں صرف وہی لوگ آئیں جنہوں نے دنیا کی ہر آسائش و آزمائش سے بالاتر ہوکر دینی علوم سے رشتہ جوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہو، اس جرم وفا میں ان کو گالیاں دی گئیں، طعن و تشنیع کے تیروں سے ان کے سینے چھلنی کئے گئے، ان کے حق میں ایسے ایسے فقرے چست کئے گئے کہ انہیں سن کر شیطان بھی پناہ مانگے، مگر آفرین ہے ان دلق پوش بوریہ نشین درویشوں کو کہ انہوں نے یہ سب کچھ دیکھنے سننے کے باوجود قال اللہ وقال الرسول کی چوکھٹ سے سر اٹھانا گوارا نہ کیا کہ:

موج خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے
آستان یار سے اٹھ جائیں کیا؟

ہم دیکھتے ہیں کہ آزادی کے بعد بھی ہمارے یہاں دو متوازی نظام تعلیم چل رہے ہیں، ایک انگریزی دور کی یادگار جس کا منتہائے نظر کرسی و ملازمت، جیب اور پیٹ کے سوا کچھ نہیں، دوسرا دینی نظام تعلیم، جس کا مقصد وحید دینی علوم و اقدار کا تحفظ ہے، اگر اول الذکر مدارس تعلیم کا رخ دنیا سے دین کی طرف پھر گیا ہوتا، اور وہ مغربی طرز تعلیم کے محور پر گھومنے کے بجائے مدنی فلسفۂ تعلیم کے محور پر گردش کرنے لگتے تو ہم دینی مدارس کے ارباب حل وعقد کو پُر خلوص اور پُر زور مشورہ دے سکتے تھے کہ وہ بھی اپنے دائرہ عمل میں تبدیلی پیدا کرلیں تاکہ عصری تعلیم اور دینی تعلیم کو ہم آہنگ کیا جاسکے، لیکن جب ہماری عصری تعلیم گاہوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، نہ ان کی وضع قطع اسلامی، نہ ان کی نشست و برخاست اسلامی، نہ ان کا طرز بود و باش اسلامی، نہ ان کے جذبات اسلامی، نہ ان کے مقاصد اسلامی، بلکہ اول سے آخر تک دنیا ہی دنیا

مطمح نظر ہے، بلکہ برائے نام اسلامیات جو رکھی گئی ہے وہ بھی خالص دنیا کی خاطر ہے، جس سے نہ جذبۂ عمل پیدا ہوتا ہے، نہ فکر آخرت، نہ تعلق مع اللہ کی دولت نصیب ہوتی، نہ اصلاح معاد کی، تو یہ بات فہم سے بالاتر ہے کہ آخر دینی مدارس کی کایا پلٹ کرنے پر کیوں زور دیا جاتا ہے؟ یہ معدودے چند درویش، جو خدا تعالیٰ کے دین کے لئے وقف ہوگئے ہیں ان کو بھی دنیا ہی کا کلوروفام سنگھا کر آخر مدہوش و بیہوش کرنے کی کوشش کیوں کی جاتی ہے؟

اگر جناب صدر اور ان کے رفقاء عصری مدارس کی اصلاح کی طرف توجہ فرماتے، ان کے طرز تعلیم، نصاب تعلیم اور فلسفۂ تعلیم میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کرتے تو مدارس عربیہ کی ''اصلاح خود بخود ہوجاتی، لیکن موجودہ حالات میں دینی مدارس کے ڈھانچہ کو تبدیل کردینا ہمارے نزدیک نہ ان مدارس کے حق میں بہتر ہوگا، نہ ملک و ملت کے حق میں آج برصغیر میں دینی علوم کی پختگی، دینی فہم کی سلامتی اور دینی اقدار کے آثار ونشانات جو نظر آتے ہیں ان کی نظیر پوری دنیا میں کہیں نہیں ملتی، اور یہ انہی دینی مدارس کے طرز تعلیم اور ان بوریہ نشین طالب علموں کے اخلاص کی برکت ہے، اگر یہ نظام تعلیم بدل دیا گیا تو چند سال بعد یہاں کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، دینی مدارس ضرور ہوں گے مگر دین نہیں ہوگا۔

اس ضمن میں ہم ان علمائے کرام سے بھی گزارش کرنا چاہتے ہیں جن کی خیرخواہی کے لئے یہ سب کچھ ہوگا کہ یہ ان کے لئے شدید آزمائش ہے، انہیں اپنی خداداد بصیرت سے فیصلہ کرنا چاہئے کہ ان حالات میں دین کے تحفظ کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔ واللہ الموفق لکل خیر وسعادۃ

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۸؍جولائی ۱۹۸۰ء)

دینی مدارس کے لئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک اخباری خبر میں بتایا گیا ہے کہ وفاقی حکومت نے دینی مدارس کی قومی کمیٹی کی جو رپورٹ منظور کی ہے اس کے مطابق دینی مدارس میں سائنسی تجربہ گاہیں قائم کی جائیں گی، اور ان میں جدید سائنسی سامان مہیا کیا جائے گا، اس کے علاوہ درجات ابتدائیہ متوسطہ اور عالیہ کو تدریسی کِٹ فراہم کی جائیں گی تاکہ یہ ادارے عام تعلیمی اداروں سے پیچھے نہ رہیں، قومی کمیٹی کی متفقہ رپورٹ کے مطابق دینی مدارس میں بک بینک قائم کئے جائیں گے، عالم اسلام کے خصوصی نقشے اور اٹلس تیار کروائے جائیں گے، جن میں مسلمانوں کے ماضی و حال کے جغرافیائی، میدانی، طبعی، زرعی اور سیاسی حالات، دینی و ثقافتی مراکز پر معلومات، آبی گزرگاہوں اور تجارتی راستوں کے علاوہ دوسرے کوائف بھی درج ہوں گے۔

یہ خبر جہاں دینی مدارس اور ان کے ارباب حل وعقد کے لئے مژدۂ دنیا فزا ہے، وہاں یہ خبر ان کے لئے ایک امتحان و ابتلاء کی حیثیت بھی رکھتی ہے کہ آیا اس تبدیلی کے بعد وہ اپنے اصل مشن اسلامی و دینی علوم کے تحفظ کو بھی ملحوظ رکھ سکیں گے؟ اب تک ہمارے دینی مدارس قرآن وسنت کے علوم کی تعلیم اور ان میں گہری بصیرت و مہارت پیدا کرنے کے لئے وقف ہیں، دینی مدارس کی ایک صدی سے زائد تاریخ

شاہد ہے کہ انہوں نے جدیدیت ومغربیت اور الحاد وکجروی کے سارے طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے قرآن وسنت کی ٹھوس تعلیم کا بندوبست کیا ہے اور کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کے ایسے ماہرین مسلسل تیار کئے ہیں جن کے علم وفہم اور دیانت اور امانت پر قوم اعتماد کرسکے، چنانچہ عام مسلمانوں نے دینی مسائل کے لئے ہمیشہ ایسے علمائے امت ہی سے رجوع کرنا ضروری سمجھا ہے جو دینی مدارس کے مستند ہوں۔

لیکن جب دینی مدارس کو دینی درسگاہوں کے بجائے سائنسی اداروں میں تبدیل کردیا جائے گا تو ظاہر ہے کہ یہاں سائنس اور ٹیکنالوجی کے ماہرین تو پیدا نہیں ہوں گے، البتہ یہ ضرور ہوگا کہ اس دوعملی کے نتیجے میں یہاں قرآن وسنت کے ماہرین بھی تیار نہیں ہوسکیں گے، اور رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک آپہنچے گی کہ ملک میں کوئی صحیح دینی مسئلہ بتانے والا بھی باقی نہیں رہے گا۔ دینی مدارس میں سائنسی تجربہ گاہیں قائم کرنے کی مثال ایسی ہے جیسا کہ قانون کی درس گاہوں میں سائنس کی تعلیم دی جائے اور طبی درسگاہوں میں کپڑا بننے، جوتا گانٹھنے، سینے پرونے اور کھانے پکانے کے طریقے سکھائے جائیں۔ یہ فنون اپنی جگہ کتنے ہی مفید اور ضروری سہی لیکن قانون اور طب کی درسگاہوں میں ان کو ٹھونسنا بالکل ہی انمل اور بے جوڑ ہے، اسی طرح ملک وملت کے لئے سائنسی ترقی خواہ کتنی ضروری کیوں نہ ہو، لیکن یہ دینی مدارس کا موضوع نہیں، حکومت اس سائنسی سامان کو دینی مدارس میں جو ضائع کرنا چاہتی ہے اس کے بجائے بہتر ہوگا کہ اتنے خرچ سے ایک مستقل سائنسی ادارہ قائم کردیا جائے، یا موجودہ سائنسی اداروں کو ترقی دی جائے، جن بزرگوں نے دینی مدارس کو ''سائنسی سینٹر'' میں تبدیل کرنے کا مشورہ دیا ہے، اُن کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ نہ دینی نقطۂ نظر سے مفید ہے اور نہ فنی اور سائنسی ترقی کے لئے بارآور ہوسکتا ہے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۱ر نومبر ۱۹۸۰ء)

قومی کمیٹی برائے دینی مدارس

کی رپورٹ پر تبصرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ' اما بعد

بتاریخ ۱۷ جنوری ۱۹۷۹ء کو صدر پاکستان نے ایک حکم کے ذریعہ "قومی کمیٹی برائے دینی مدارس پاکستان" تشکیل فرمائی' جس کی ۲۳۸ صفحوں پر محیط رپورٹ حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ یہ رپورٹ آٹھ ابواب اور پندرہ ضمیموں پر مشتمل ہے' اس میں قومی کمیٹی نے دینی مدارس کے بارے میں تجاویز اور سفارشات پیش کی ہیں۔

اس رپورٹ پر دینی مدارس کے ارباب حل وعقد کی جانب سے مختلف قسم کے رد عمل کا اظہار کیا گیا ہے۔ اخباری اطلاع کے مطابق بریلوی مکتب فکر کے بعض اکابر کی جانب سے اس رپورٹ کو خوش آمدید کہا گیا ہے' چنانچہ روزنامہ نوائے وقت نے اپنے نمائندے کے حوالے سے یہ خبر شائع کی ہے :

> "صدر ضیاء دینی مدارس کے نصاب کے متعلق اہم اعلان کریں گے"۔

> "ملتان۔ ۱۰ نومبر (نمائندہ نوائے وقت) چیئرمین قومی کمیٹی برائے دینی مدارس اور ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان' ڈاکٹر عبدالواحد نے کہا ہے کہ صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق دینی مدارس کے نصاب سے متعلق ایک اہم اعلان جاری کریں گے' انہوں نے بتایا کہ دینی مدارس کے لئے مخصوص مجوزہ نصاب کی سفارشات ہر مکتبہ فکر کے علماء کرام کی باہمی مشاورت کے تحت مرتب کی گئی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ اس نصاب کا بنیادی مقصد دینی درس گاہوں اور دوسرے تعلیمی اداروں کے

نصاب کو ہم آہنگ بنانا ہے۔

ڈاکٹر عبد الواحد بذریعہ طیارہ آج یہاں ملتان پہنچے، اور انہوں نے مرکزی جماعت اہل سنت کے سربراہ علامہ سید احمد سعید کاظمی سے مجوزہ (نصاب) سے متعلق مذاکرات کئے، ان کے ہمراہ وفاقی وزارت برائے مذہبی امور کے ڈپٹی سیکریٹری اظہر احمد خان اور صوبائی قومی کمیٹی کے، سیکریٹری و صوبائی علماء اکیڈمی کے ڈائرکٹر جناب محمد یوسف بھی تھے۔

ڈاکٹر عبدالواحد نے اس بارے میں تردید کی ہے کہ علامہ سید احمد سعید کاظمی مجوزہ نصاب کے متعلق متفق نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس نصاب کی تکمیل میں جماعت اہل سنت پاکستان کے اکابرین، جن میں علامہ سید محمود احمد رضوی، فیصل آباد کے شیخ الحدیث مولانا غلام رسول اور رحمت اللہ نظامی بھی شامل ہوئے تھے۔ اور یہ نصاب تمام شریک علماء کی مشترکہ جدوجہد کے بعد مکمل کیا گیا ہے۔

دریں اثناء علامہ سید احمد سعید کاظمی نے نمائندہ نوائے وقت سے گفتو کرتے ہوئے بتایا کہ دینی مدارس کے مجوزہ نصاب کی سفارشات پر انہیں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ بنظر استحسان دیکھا گیا ہے۔ تاہم میں نے صدر مملکت سے یہ درخواست کی تھی کہ اس نصاب کے ساتھ ساتھ قدیم دینی علوم کے تحفظ اور انہیں جاری رکھنے کے لئے بھی ضروری اقدامات کئے جائیں۔" (روزنامہ نوائے وقت کراچی ۱۱ نومبر ۱۹۸۰ء)

اس کے بر عکس دیو بندی مکتب فکر کی تنظیم "وفاق المدارس" نے مجلس شوریٰ اور مجلس عمومی کے مشترکہ اجلاس میں (جو ۲۱ محرم الحرام ۱۴۰۱ھ۔ بمطابق ۳۰ نومبر ۱۹۸۰ء کو مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے دارالحدیث میں ہوا) ایک متفقہ قرار داد کے ذریعہ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس کے نصاب کے سلسلہ میں سفارشات کو مسترد کردیا، اور ۳۰

رجب ۱۳۹۹ھ کو منعقد ہونے والی وفاق کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں کمیٹی سے متعلق منظور ہونے والی قرار داد کی توثیق بھی کردی۔ اجلاس نے وفاق سے ملحق مدارس کو ہدایت کی کہ وہ قومی کمیٹی کے تجویز کردہ مخلوط نصاب کو قبول نہ کریں۔ (روزنامہ جنگ کراچی ص ۱۳ مورخہ ۸ دسمبر ۱۹۸۰ء)

وفاق المدارس کی مجلس شوریٰ اور مجلس عمومی کے مشترکہ اجلاس کی قرار داد کا متن حسب ذیل ہے:

"وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس شوریٰ "قومی کمیٹی برائے دینی مدارس" کے تجویز کردہ نصاب اور سفارشات پر کلی غور وخوض اور بحث وتمحیص کے بعد باتفاق رائے اس نصاب اور سفارشات کو مسترد کرتی ہے' اور اجلاس مجلس عاملہ منعقدہ ۳۰ر رجب ۱۳۹۹ھ کی منظور کردہ قرار داد متعلق "قومی کمیٹی برائے دینی مدارس" کی توثیق کرتی ہے' اور وفاق سے ملحق مدارس فوقانیہ' وسطانیہ اور ابتدائیہ کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس کے مخلوط نصاب اور سفارشات کو قبول نہ کریں' اور وفاق کے جو نمائندے اس کمیٹی کے رکن ہیں' وہ آئندہ اس کمیٹی کے اجلاسوں میں شرکت سے احتراز کریں' اس لئے کہ انہوں نے وفاق کی پیش کردہ متبادل تجاویز کو نہ صرف یہ کہ منظور نہیں کیا بلکہ اسے قابل اعتناء بھی نہ سمجھا"۔

اہل حدیث اور شیعہ مکتب فکر کے اکابر کا رد عمل سامنے نہیں آیا' اسی طرح جو مدارس "وفاق المدارس العربیہ" کی تنظیم سے منسلک نہیں' ان کا عندیہ بھی معلوم نہیں ہوسکا۔ ہمارے خیال میں "قومی کمیٹی برائے دینی مدارس پاکستان" کی سفارشات دینی مدارس کی ماہیت ومزاج' ان کے مقصد وموضوع اور دائرہ عمل میں انقلابی تبدیلیوں کی حامل ہیں' اس لئے وہ دینی مدارس کے ارباب حل وعقد کے نہایت گہرے اور سنجیدہ غور وفکر کی

مستحق ہیں۔ ان حضرات کو تمام آثار و نتائج پر غور کرنے کے بعد اپنے نفع و نقصان کا میزانیہ مرتب کرنا چاہئے' اور اس احتمال کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ اگر ان سفارشات کو طوعاً و کرہاً نافذ کردیا گیا تو ان حضرات کا لائحہ عمل کیا ہوگا؟ اور وہ دینی علوم کے تحفظ کے سلسلہ میں کیا طریق کار اختیار فرمائیں گے۔

"قومی کمیٹی برائے دینی مدارس پاکستان" کی سفارشات کے بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کمیٹی کے فاضل ارکان ہمارے دینی مدارس کی موجودہ پسماندگی کو دور کرنا اور ان کے فارغ التحصیل حضرات کو عصری تعلیم گاہوں کے تعلیم یافتہ حضرات کے برابر حقوق دلانا چاہتے ہیں' اور اس کے لئے انہوں نے جو سفارشات مرتب کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک طرف دینی مدارس اپنے نصاب میں ایسی تبدیلیاں کریں کہ دینی مدارس کا نصاب تعلیم مروجہ نظام تعلیم سے ہم آہنگ ہوجائے' دوسری طرف حکومت سے سفارش کی گئی ہے کہ وہ دینی مدارس کی بھی اسی طرح سرپرستی کرے جس طرح جدید تعلیم گاہوں کی سرپرستی کرتی ہے' اور دینی مدارس کی ان ڈگریوں کو بھی' جو تبدیل شدہ نصاب کے مطابق دی جائیں' قبول کیا جائے۔

جہاں تک دینی مدارس کے نصاب کی رائج الوقت نظام تعلیم سے ہم آہنگی کا سوال ہے' ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ یہ جدید و قدیم نظام تعلیم میں تفریق کیوں پیدا ہوئی؟ اور وہ کیا وجوہ و اسباب تھے؟ جن کی بنا پر دینی مدارس کو رائج الوقت نظام تعلیم سے ہٹ کر اپنا الگ نظام تعلیم اختیار کرنا پڑا؟ اور پھر ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ جو وجوہ اور اسباب قدیم وجدید نظامہائے تعلیم کی علیحدگی کا موجب ہوئے' کیا وہ ختم ہوچکے ہیں' یا اب بھی موجود ہیں؟ اور پھر اس پر غور کرنا چاہئے کہ اس ہم آہنگی کا معقول' فطری اور قابل قبول طریق کار کیا ہوسکتا ہے؟ گویا نصاب تعلیم کی ہم آہنگی پر غور کرتے ہوئے اگر ہم ان تین بنیادی نکات کو پیش نظر نہیں رکھتے تو ہمارے غور و فکر کا سفر صحیح منزل پر ختم نہیں ہوگا' اور ہم مصنوعیت اور غیر معقولیت کا شکار ہوکر رہ جائیں گے۔

جہاں تک پہلے نکتے کا تعلق ہے' اس کی تشریح کے لئے ہم "قومی کمیٹی برائے دینی

مدارس" کی رپورٹ کا باب چہارم بعنوان "دینی مدارس بعہد برطانیہ" کا حوالہ دینا کافی سمجھتے ہیں، رپورٹ کے فاضل مرتبین لکھتے ہیں:

"برطانوی ماہرین تعلیم کی دینی مدارس کے متعلق رائے"

"اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط سے ایسٹ انڈیا کمپنی کا اقتدار بڑھتا چلا گیا، لیکن کمپنی مسلمانوں کے نظام تعلیم میں کوئی ترمیم نہ کر سکی، اس وقت تک اعلیٰ حکومتی مناصب پر مسلمان فائز تھے، مشہور انگریز مصنف ڈاکٹر ہنٹر نے اپنی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" میں اسلامی نظام تعلیم پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:

"مسلمان اس طریقہ تعلیم سے اعلیٰ قابلیت اور دنیوی تربیت حاصل کرتے تھے، ہم اپنے دور حکومت کے پچھلے پچھتر سال میں انتظام ملک کی خاطر اسی طریقہ تعلیم سے متواتر فائدہ اٹھاتے رہے اس دوران ہم نے اپنا طریقہ تعلیم بھی رائج کرنا شروع کر دیا تھا، پھر جونہی ایک نسل اس نئے طریقے کے تحت پیدا ہوگئی ہم نے مسلمانوں کے پرانے طریقے کو خیرباد کہہ دیا جس سے مسلمان نوجوانوں پر ہر قسم کی سرکاری زندگی کا دروازہ بند ہوگیا"۔

ملک کی زبان فارسی تھی اور عدالتوں میں فقہ اسلامی کے مطابق فیصلے ہوتے تھے، لہٰذا کمپنی نے اسی قدیم طرز تعلیم کے مطابق ۱۷۸۱ء میں کلکتہ مدرسہ قائم کیا، ۱۷۹۷ء میں سر چارلس گرانٹ نے جدید انگریزی تعلیم کی ابتداء کی۔ اس نے کمپنی کے ڈائریکٹروں کے لئے ایک رپورٹ مرتب کی جس میں کہا گیا کہ ابتداء میں ذریعہ تعلیم ہندوستانی زبان ہو، اور بتدریج انگریزی کو رواج دیا جائے، جس طرح مسلمانوں کے عہد میں

فارسی کو بتدریج عروج حاصل ہوا۔ برصغیر پاک وہند میں انگریزی نظام تعلیم کا اصل موجد لارڈ میکالے تھا جس نے ۱۸۳۴ء میں اپنی کوشش سے انگریزی تعلیم کا اجراء منظور کرایا' اپنے نظام تعلیم کے حق میں اس نے حسب ذیل دلائل پیش کئے :

" انگریزی تعلیم حکومت کا فرض ہے' انگریزی زبان ہندوستانیوں کیلئے مغرب کے ترقی یافتہ اور وسعت پذیر علوم کا دروازہ کھول دے گی اور ایک زمانہ آئے گا کہ ہندوستان مغربیت کا جامہ اختیار کرلے گا اور یہ قوی امید ہے کہ ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگا جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی مگر خیالات اور تمدن میں انگریز ہوگا"۔

سن ۱۸۳۴ء میں عدالتوں سے فارسی کو خارج کیا گیا اور ۱۸۴۹ء سے حکومت کی پالیسی میں واضح تبدیلی پیدا ہوئی' ملازمتوں میں انگریزی دان امیدواروں کو ترجیح دی جانے لگی' نئی تعلیمی پالیسی کی غرض وغایت بھی یہی تھی کہ مغربی علوم اور افکار کے ذریعے ہندوستانیوں میں مغربی تہذیب وتمدن کو ترقی دی جائے۔

اسلامی نظام تعلیم کو ختم کرنے کے لئے انگریزوں نے صرف مذکورہ بالا اقدامات ہی نہیں کئے بلکہ براہ راست ذرائع بھی اختیار کئے' بنگال میں مسلمانوں کے اوقاف ضبط کرلئے گئے اور ان اوقاف کی آمدنی کا تقریباً اسی ہزار روپیہ سالانہ دوسری قوموں کی تعلیم پر صرف ہوتا تھا' اس ضبطی کے متعلق ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے :

"اس حقیقت کو چھپانے سے کیا فائدہ کہ مسلمانوں کے نزدیک اگر ہم (انگریز) اس جائیداد کو جو اس مصرف کے لئے ہمارے قبضہ میں دی گئی تھی' ٹھیک ٹھیک استعمال کرتے تو بنگال میں ان (مسلمانوں) کے پاس

آج بھی نہایت اعلیٰ اور شاندار تعلیمی ادارے موجود ہوتے"۔

ہنٹر مزید لکھتا ہے :

"سینکڑوں پرانے خاندان تباہ ہوگئے اور مسلمانوں کا تعلیمی نظام جس کا دار ومدار ان معافیات پر تھا بالکل تہ وبالا ہوگیا' مسلمانوں کے تعلیمی ادارے اٹھارہ سال کی مسلسل لوٹ کھسوٹ کے بعد یک قلم مٹ گئے"۔

اسلامی نظام تعلیم کے خلاف انگریزوں کی معاندانہ پالیسیوں کا نتیجہ ہنٹر ان الفاظ میں بیان کرتا ہے :

"کلکتہ میں مشکل سے کوئی دفتر ایسا ہوگا جس میں بجز چپڑاسی یا چٹھی رساں یا دفتری کے مسلمان کو کوئی نوکری مل سکے"۔

اس بے سرو سامانی کے عالم میں مسلمانوں نے اپنے نئے سفر کا آغاز کیا۔

موجودہ دینی مدارس کے قیام کا تاریخی پس منظر

انگریزوں نے ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت سلاطین دہلی اور سلاطین مغلیہ کے عہدوں میں قائم ہونے والے دینی مدارس اور ان کے مصارف واخراجات کے لئے قائم کردہ اوقاف ووظائف کو ختم کیا اور ان کی جگہ انگریزی نظام تعلیم کو رواج دیا اب مسلمانوں کے پاس نہ حکومت تھی نہ سلطنت' نہ دولت نہ ذرائع دولت' مزید یہ کہ وہ حکمران وقت کے دشمنوں میں سر فہرست تھے' ان حالات میں مسلمانوں کا واحد سہارا اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی بھیجی ہوئی تعلیمات تھیں' چنانچہ مسلمانوں نے اسی ذات لازوال پر بھروسہ کرکے اس کے بھیجے ہوئے دین حق کی حفاظت اور مسلمانوں میں اس کی تبلیغ واشاعت کے لئے نئے سلسلہ دینی

مدارس کے قیام کا آغاز کیا' علماء اسلام نے توکلاً علی اللہ درختوں اور
دیواروں کے سائے تلے اور خستہ و خراب حجروں میں قال اللہ و قال
الرسول کی صدا بلند کی اور ان پیکران علم و عرفان اور زہد و تقویٰ کے حلقہ
تلامذہ میں صرف' نحو' قرآن' حدیث' فقہ وکلام کی تعلیم و تدریس کا
سلسلہ شروع ہوا' اور جگہ جگہ یہ حلقہ ہائے تعلیم و تعلم دینی مدارس کی
شکل اختیار کرنے لگے' دینی مدارس کے عہد نو کی بنیاد علماء کے علم وزہد'
مخیر حضرات کے عطیات نیک اور دیندار مسلمان زمینداروں اور تاجروں
کے دیہی و نہری اوقاف پر رکھی گئی' اس طرح یہ دینی ادارے حکومت کی
مالی اعانت اور سرپرستی کے بغیر اسلام کی روحانی' اخلاقی اور دینی قوت کے
بھروسے پر چلتے رہے۔

دینی مدارس نے مستقل مالی اور مادی ذرائع آمدن کے فقدان کے
باوجود ملت اسلامیہ کی عظیم الشان خدمات انجام دیں' مسلمانوں کا ملی
تشخص انہی کی بدولت قائم رہا' اور وہ انگریز اور ہندو کی دوہری معاندت
کے باوجود پاکستان جیسا عظیم ملک قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے"۔

(رپورٹ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس ص۱۴ تا ۴۴)

اس طویل اقتباس کا خلاصہ یہ ہے کہ انگریز بہادر کو اسلام کے نظام تعلیم سے کوئی
سروکار نہ تھا' اس نے مسلمانوں کے نظام تعلیم کو کچلنے اور "ہندی مسلمانوں" کو خیالات
اور تمدن میں انگریز بنانے کے لئے جدید نظام تعلیم جاری کیا' جس کے طفیل جدید تعلیم یافتہ
حضرات نہ صرف اپنے دین سے نا آشنا رہتے تھے بلکہ ان کی فکری و نظری پرواز دین کے
مخالف سمت ہوتی تھی' ہندی مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھنے کے لئے اکابر علمائے امت
نے دینی مدارس کی بنیاد ڈالی' اور ان میں خالص مذہبی و دینی نظام تعلیم جاری کیا۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جو نظام تعلیم انگریز نے (اسلام دشمنی کی غرض سے)
ہندوستان میں رائج کیا تھا' کیا عصری تعلیم گاہوں میں اب بھی ٹھیک وہی نظام تعلیم جاری

ہے' یا ہم مسلمانوں نے ہمت مردانہ اور جرات ایمانی سے کام لے کر اس کو ختم کردیا ہے' اس کے لئے کسی باریک تحقیق و تفتیش کی ضرورت نہیں' آج کے کالجوں' یونیورسٹیوں اور جدید تعلیم گاہوں کا انگریزی عہد کی تعلیم گاہوں سے مقابلہ کرلیا جائے' ہم نے انگریزی نظام تعلیم میں کوئی مثبت اور دور رس تبدیلی نہیں کی' بلکہ آج بھی عصری تعلیم گاہوں میں ٹھیک وہی نظام تعلیم اپنے تمام لوازم او رآثار ونتائج کے ساتھ رائج ہے جو انگریزی دور میں تھا' پس جو وجوہ واسباب انگریزی دور میں دینی مدارس کے نظام تعلیم کو الگ کرنے کا موجب ہوئے جب وہ سب کے سب جوں کے توں موجود ہیں تو دینی مدارس کے نظام تعلیم کو عصری تعلیم گاہوں سے ہم آہنگ کرنے کا مطلب اس کے سوا کیا ہوگا کہ ان ٹوٹے پھوٹے مدارس کو بھی' جو دینی علوم کا تحفظ کررہے ہیں' انگریزی دور کے نظام تعلیم میں مدغم کردیا جائے' اور جو ادارے دین کے نام پر اور دین کی خاطر چل رہے ہیں' انہیں خالص دینی خدمت سے محروم کرکے عصری علوم کا خادم بنادیا جائے' اس نکتہ پر بار بار غور فرمایئے کیا یہ نتیجہ "دو دونی چار" کی طرح واضح نہیں ہے؟

اَب ہم تیسرے نکتہ کو لیتے ہیں کہ دینی مدارس کے نظام تعلیم کو جدید نظام تعلیم سے ہم آہنگ کرنے کا معقول اور صحیح طریقہ کیا ہوسکتا ہے؟

اس کا جواب بھی نکتہ دوم سے واضح ہوجاتا ہے' وہ یہ کہ ایک مسلمان ملک میں جو تعلیم گاہیں مسلمانوں کے روپے سے چل رہی ہیں' اور جن میں مسلمانوں ہی کے بچے تعلیم پارہے ہیں' سب سے پہلے ان کے نظام تعلیم کو بدلا جائے' اور اس جدید نظام تعلیم میں انگریزیت کے جتنے جراثیم پائے جاتے ہیں' ہماری جدید تعلیم گاہوں کو ان سے یکسرپاک کردیا جائے' تاکہ جدید تعلیم گاہوں کے تعلیم یافتہ حضرات جہاں علوم جدیدہ کے ماہر ہوں' وہاں وہ دین اور دینی اقدار کے بھی علم بردار ہوں' جب جدید تعلیم گاہوں میں یہ انقلابی تبدیلی آجائے تو دینی مدارس کے نظام تعلیم کو ان سے ہم آہنگ کرنے کی فکر کی جاسکتی ہے' ایک چیز کو دوسری چیز کے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جبکہ ایک چیز کامل ومکمل اور معیاری ہو' اور دوسری ناقص' نامکمل اور غیر معیاری۔ جو حضرات

دینی مدارس کے نظام تعلیم کو جدید نظام تعلیم سے ہم آہنگ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں وہ گویا یہ فرض کرلیتے ہیں کہ جدید نظام تعلیم تو معیاری ہے اگر نقص یا کجی ہے تو صرف دینی مدارس کے نظام تعلیم میں' ہمارے نزدیک یہ سوچ نہ صرف خلاف واقعہ ہے بلکہ ایک مسلمان کی حیثیت سے لائق صد ماتم بھی ہے' دعوے سے کہا جاسکتا ہے' اور انشاء اللہ یہ دعویٰ واقعات کی کسوٹی پر غلط ثابت نہیں ہوگا کہ دینی مدارس کا نظام تعلیم اپنے موضوع اور دائرہ عمل کے لحاظ سے کامل اور معیاری ہے' اس کے برعکس جدید تعلیم گاہوں کا نظام دینی نقطہ نظر سے تو کیا معیاری ہوتا خود ان کے موضوع ودائرہ عمل کے اعتبار سے بھی لائق رشک نہیں' غریب دینی مدارس پر اصلاح کا نزلہ اس لئے گرتا ہے کہ یہ ایسے افراد پیدا نہیں کرتے۔ یا نہیں کرنا چاہتے۔ جو صرف دنیا کا کوڑا اکٹھا کرنے کو مقصد زندگی بنالیں۔

یہاں بر سبیل تذکرہ ایک اور امر کی طرف اشارہ بھی ضروری ہے' دینی مدارس کی اصلاح کے لئے جو قومی کمیٹی تشکیل دی گئی اس میں جدید تعلیم کے ماہرین کو بھی بھرپور نمائندگی دی گئی' اور کمیٹی کے صدر اور ناظم بھی انہی حضرات کو مقرر کیا گیا' ہم ان کے علم وفضل کا اعتراف اور دینی مدارس کے بارے میں ان کے نیک ومخلصانہ جذبات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دینی نظام تعلیم کی اصلاح پر غور کرنے کے لئے جو کمیٹیاں تشکیل دی گئی ہیں کیا کبھی علوم نبوت کے ماہرین کو بھی ان میں نمائندگی دی گئی اور ان کی آراء اور مشوروں سے بھی استفادہ کیا گیا؟ اس طرز عمل کے معنی اس کے سوا کیا ہیں کہ علوم نبوت کے ماہرین تو ہمارے جدید طبقہ کی نظر میں اتنی رذیل اور گھٹیا مخلوق ہیں کہ نہ کسی نظام کی اصلاح کے لئے ان سے مشورہ لیا جاسکتا ہے' اور نہ شریعت بنچوں میں ان کو نمائندگی دی جاسکتی ہے' اور نہ جدید تعلیم گاہوں میں علوم نبوت کی تدریس ہی کا انہیں اہل سمجھا جاتا ہے' جب تک کہ ان کے نام کے ساتھ ڈاکٹریٹ' یا بی اے اور ایم اے کا سابقہ ولاحقہ نہ ہو۔ لیکن چشم بد دور جدید نظام تعلیم کے ماہرین کو "عقل کل" کی حیثیت حاصل ہے' اور وہ اس قدر بلند وبالا مخلوق ہیں کہ خواہ ان میں سے بعض حضرات علوم نبوت کی ماہیت و مزاج' ان کے اسلوب ومنہاج' اور ان کے نظام تعلیم کی ابجد سے بھی ناآشنا ہوں

انہیں علوم نبوت کا نظام مرتب کرنے کا اہل سمجھنا چاہیے' ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ یہ طرز فکر اور یہ ذہنیت' جو حاملین علوم نبوت کو کسی باوقار منصب کا اہل بلکہ انسان تک سمجھنے کی روادار نہیں وہ علوم نبوت کی درسگاہوں کی خیر خواہی کے تقاضوں کو کس حد تک پورا کر سکتی ہے۔

قومی کمیٹی نے جو مخلوط نصاب تجویز کیا ہے اس میں ایک اور پہلو بھی لائق غور ہے اور وہ یہ کہ جدید تعلیم گاہوں میں زیر تعلیم طلبہ گھروں پر استاد رکھ کر امتحانات کی تیاری کرتے ہیں' اس کے باوجود امتحان کے نتائج بحیثیت مجموعی ۵۰ فیصد سے آگے نہیں بڑھتے ادھر دینی مدارس کا نصاب تعلیم اس قدر بھاری بھرکم ہے کہ دینی مدارس کے طلبہ پوری محنت و ریاضت کے بعد بھی اس پر بمشکل حاوی ہوسکتے ہیں' ان دونوں نصابوں کی کتربیونت کے بعد جو مخلوط نصاب تیار کیا گیا اس کے بارے میں یہ فرض کرلینا کہ مخلوط نصاب کے فارغ التحصیل حضرات قدیم وجدید دونوں کے جامع ہوں گے' واقعات ومشاہدات کے خلاف خالص خوش فہمی ہے' اس کے برعکس ہمیں اندیشہ یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں تیار ہونے والے افراد نہ دین کے رہیں گے نہ دنیا کے' نہ دینی علوم کے بارے میں ان پر اعتماد کیا جاسکے گا' اور نہ فنی ماہرین کی حیثیت سے انہیں قبول کیا جائے گا خسر الدنیا والآخرۃ۔

قومی کمیٹی نے جو قدیم وجدید کا ملغوبہ نصاب تیار کیا ہے' یہ اس سلسلہ کی پہلی کوشش نہیں' بلکہ اس پر اس سے پہلے بھی بارہا غور وفکر اور بحث و تمحیص کی نوبت آتی رہی ہے' اور اس کے تجربات بھی کئے جاچکے ہیں' لیکن یہ تجربہ ابھی تک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوا' اس کی تازہ مثال ہماری اسلامی یونیورسٹی بہاولپور ہے جسے جامعہ عباسیہ سے بدل کر قدیم وجدید کی جامع اسلامی یونیورسٹی میں تبدیل کیا گیا' اس نے جو کارنامہ انجام دیا اور جو انقلاب برپا کیا وہ سب کے سامنے ہے۔

ان تجربات کی روشنی میں ہماری دیانتدارانہ رائے یہ ہے کہ جب تک عصری تعلیم گاہوں کا منہاج تعلیم دینی اقدار سے ہم آہنگ نہیں ہوجاتا' دینی مدارس کو اپنے نہج پر کام

کرنا چاہئے، ورنہ بصورت موجودہ انہیں جدید نظام سے ہم آہنگ کرنا دینی مدارس اور علوم نبوت کی خودکشی کے مترادف ہے۔

ایک اہم تجویز قومی کمیٹی نے یہ پیش کی ہے کہ ایک خود مختار ادارہ "قومی بورڈ برائے دینی مدارس" مقرر کیا جائے، یہ بورڈ امتحانات منعقد کرائے، نتائج کا اعلان کرے، سندات اور ڈگریاں جاری کرے، دینی مدارس کے نصاب تعلیم پر نظرثانی کرے، اسلامی تعلیم کی ترقی کے جملہ امور اور طلبہ واساتذہ کی بہبودی کے لئے مشورے دے، یہ بورڈ ۲۲ ارکان پر مشتمل ہوگا، اور ہر تین سال بعد اس کی نئی تشکیل ہوا کرے گی، بورڈ میں دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ مکتب فکر کے تین تین نمائندوں کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات شامل ہوں گے:

صدر

سیکریٹری

سکریٹری وزارت مذہبی امور۔

سکریٹری مرکزی وزارت تعلیم۔

چاروں صوبوں کے محکمہ ہائے تعلیم کا ایک ایک نمائندہ جس کا درجہ صوبائی سیکریٹری سے کم نہ ہو۔

نمائندہ یونیورسٹی گرانٹ کمیشن۔

چیئرمین انٹر بورڈ کمیٹی۔

یہ قومی بورڈ کی تشکیل بھی دراصل دینی مدارس کے نظام کو عصری تعلیم گاہوں کے نظام سے مربوط وہم آہنگ کرنے کا ایک شعبہ ہے، کیونکہ چاروں مکتب ہائے فکر کے درمیان مساوات خالص دنیوی شعبہ ہی میں ممکن ہے، ورنہ دینی نقطہ نظر سے ہم آہنگی ممکن نہیں، اس لئے اس قومی بورڈ پر غور وفکر کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب کہ دینی مدارس کو موجودہ تعلیمی نظام سے ہم آہنگ کرنے کا فیصلہ کرلیا جائے۔ اور یہ فیصلہ خود محل نظر ہے۔

قومی کمیٹی نے حکومت سے دینی مدارس کی اعانت اور اساتذہ وطلبہ کی بہبود کے لئے بھی چند سفارشات کی ہیں' اور یہ تمام سفارشات بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہیں کہ دینی مدارس کے نظام کو عصری نظام کے ساتھ مربوط کردیا جائے' ان سفارشات کا خلاصہ یہ ہے :

۱۔ حکومت کی طرف سے دینی مدارس کے لئے عمارات اور اراضی کا انتظام کرنا۔

۲۔۔۔۔۔پانی' بجلی اور سوئی گیس رعایتی نرخوں پر مہیا کرنا۔

۳۔ دینی مدارس کے لئے حسب ضرورت فرنیچر کا انتظام کرنا۔

۴۔۔۔۔۔جدید مضامین بالخصوص سائنسی مضامین کی تدریس و تفہیم کے لئے دینی مدارس میں سائنسی تجربہ گاہیں قائم کرنا اور ان میں سائنسی سامان مہیا کرنا۔

۵۔ دینی مدارس کے ابتدائی' متوسط اور اعلیٰ درجات کے لئے "تدریسی کٹ" مہیا کرنا۔

۶۔۔۔۔۔کالج یونیورسٹی کی طرح دینی مدارس میں مختلف درجات کیلئے ایک "بک بینک" قائم کرنا۔

۷۔۔۔۔۔غیر ملکی نصابی کتب کی "مقامی طبع ثانی" سکیم کے تحت وہ کتابیں جو دینی مدارس میں موجود نہ ہوں' اور ان کے پانچ صد یا زیادہ نسخے درکار ہوں' انہیں چھپوا کر لاگت قیمت پر مدارس کو مہیا کرنا۔

۸۔ جو نصابی کتب یا کتب حوالہ اندرون ملک دستیاب ہوں' اور پانچ صد سے کم تعداد میں مطلوب ہوں وہ "نیشنل بک فاؤنڈیشن" سکیم کے تحت اسکولوں' کالجوں' یونیورسٹیوں کی طرح رعایتی نرخوں پر درآمد کرکے دینی مدارس کو مہیا کرنا۔

۹۔ نئے مضامین کی تدریس کیلئے تختہ سیاہ' نقشے اور چارٹس وغیرہ مہیا کرنا۔

۱۰۔ ـــ عالم اسلام کے خصوصی نقشے اور اٹلس تیار کروانا، جن میں مسلمانوں کے ماضی اور حال کے جغرافیائی، معدنی، طبعی، زرعی اور سیاسی حالات اور دینی اور ثقافتی مراکز پر معلومات، آبی گزرگاہیں، تجارتی راستے اور دیگر ضروری کوائف درج ہیں، اور وہ دینی مدارس کو مفت فراہم کرنا۔

۱۱۔ ـــ عمارت کی مرمت و توسیع، اساتذہ کے مشاہروں اور سہولتوں، طلباء کے وظائف اور سہولتوں، فرنیچر، کتب، اور دیگر ضروریات میں حکومت کا کسی قسم کی مداخلت کے بغیر اعانت کرنا، مدارس کو دی گئی رقوم کو انکم ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دینا، اور دینی مدارس کو دی گئی زکوۃ حکومت کو دی گئی تصور کرنا۔

۱۲۔ ......رہائشی اسکیموں میں اراضی مختص کرتے وقت دینی مدارس کے اساتذہ و عملہ کے لئے جگہ مختص کرنا۔

۱۳۔ "ـــ سینٹرل اوور سیز ٹریننگ سکیم" کے تحت "قومی ادارہ برائے دینی مدارس پاکستان" کو بیرون ملک اساتذہ کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے لئے یونیورسٹی کی طرح موثر نمائندگی دینا۔

۱۴۔ ......دینی مدارس کے طلبہ کے لئے حکومت کا وظیفے دینا۔

۱۵۔ ......جو انعامی وظائف بورڈ یا یونیورسٹی کے طلباء کو دئے جاتے ہیں دینی مدارس کے طلبہ کو بھی دینا۔

۱۶۔ ـــ "قومی ادارہ برائے دینی مدارس" کی سفارش پر بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کے لئے دینی مدارس کے طلبہ کو وظائف دینا۔

۱۷۔ ـ "قومی ادارہ برائے دینی مدارس" کے امتحانات میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے پر یونیورسٹی کی طرح "قائد اعظم اسکالرشپ" دینا۔

۱۸۔ "......قومی ادارہ برائے دینی مدارس" پاکستان کے درجہ عالم میں سب سے زیادہ نمبر

حاصل کرنے والے طالب علم کو ثانوی تعلیمی بورڈ میں اول آنے والے طالب علم کی طرح "نشان حیدر اسکالر شپ" دینا۔

۱۹۔ ...... شریعت فیکلٹی اسلام آباد یونیورسٹی میں داخلہ کے لئے دینی مدارس کے درجہ عالیہ یا اس کے مساوی استعداد کو ضروری قرار دینا۔

۲۰۔ ___ سرکاری سکولوں' کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء کو جو سہولتیں حاصل ہیں وہی سہولتیں اور مراعات دینی مدارس کے طلبہ کو بھی دینا۔

۲۱۔ ...... ہسپتالوں اور یونانی شفا خانوں میں دینی مدارس کے اساتذہ وطلبہ کو داخلے اور علاج معالجہ کی سہولتیں دینا۔

۲۲۔ ...... دینی مدارس کے سند یافتگان کو ملازمت کے عام مواقع حاصل ہونا۔

۲۳۔ ...... مختلف تعلیمی اداروں میں داخلوں اور سرکاری وغیر سرکاری دفاتر میں ملازمتوں کے اشتہار دیتے وقت مطلوبہ قابلیت کے ضمن میں میٹرک' بی اے' ایم اے کے ساتھ قومی ادارہ کی سند بالترتیب الشہادۃ المتوسطہ' الشہادۃ العالیہ اور شہادۃ التخصص کا اندراج کرنا۔

۲۴۔ ___ اوقاف اور فوج کی مساجد کے خطباء کی آئندہ تقرری کے لئے کم از کم "قومی ادارہ برائے دینی مدارس پاکستان" کی درجہ عالیہ کی سند کا شرط ہونا۔

۲۵۔ ___ خطابت کے فرائض انجام دینے کیلئے درجہ عالیہ کے سند یافتہ کو خصوصی تربیت کے بعد قومی تنخواہ کا چودھواں اسکیل دینا۔

۲۶۔ ...... اسکولوں' کالجوں میں دینیات اور عربی کے مضامین پڑھانے کیلئے دینی مدارس کے درجہ عالیہ یا درجہ تخصص کے فاضلین کو ترجیح دینا۔

۲۷۔ ___ وزارت مذہبی امور اور محکمہ اوقاف کی ملازمتوں نیز دیگر دفاتر میں مذہبی اور

شرعی عہدوں پر تقرر کے وقت "قومی ادارہ برائے دینی مدارس پاکستان" کے سند یافتگان کو ترجیح دینا۔

یہ ہیں وہ سفارشیں جو ہم نے قومی کمیٹی کی رپورٹ سے نقل کی ہیں (دیکھئے ص ۱۰۱ تا ۱۰۹)۔ جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے یہ تمام سفارشات اس شرط کے ساتھ مشروط ہیں کہ دینی مدارس "قومی بورڈ برائے دینی مدارس پاکستان" سے منسلک ہوں' یہ سفارشات ہمارے خستہ حال ناتوان دینی مدارس کے لئے بہت خوش آئند ہیں' اور بہت ممکن ہے کہ ہمارے دینی مدارس کے منتظمین' اساتذہ اور طلبہ ان کی دلفریبی پر فریفتہ ہوجائیں' لیکن یہاں چند پہلوؤں کو نظرانداز کرنا کسی طرح مناسب نہ ہوگا۔

اول : یہ کہ قومی کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق دینی مدارس حکومت کی عنایت و مراحم خسروانہ کے اسی وقت مستحق ہیں جب کہ وہ "قومی بورڈ برائے دینی مدارس" سے منسلک ہوں' موجودہ حالت میں وہ خصوصی رعایات تو کجا؟ عام انسانی رعایتوں کے مستحق قرار نہیں پاتے' مثلاً جدید تعلیمی اداروں (پرائمری اور مڈل تک) تدریس اور کسی دینی و شرعی منصب کے وہ اہل نہیں' نہ وہ اوقاف اور فوج کی مسجد میں "دو رکعت کے امام" بن سکتے ہیں' نہ شرعی پنچوں میں ان کو رکنیت دی جاسکتی ہے' نہ کسی عدالت میں وہ کسی شرعی و فقہی مسئلہ کی تشریح و توضیح کے اہل ہیں' نہ رہائشی اسکیموں میں ان کو قطعات اراضی حاصل ہوسکتے ہیں' نہ ان کو سفری سہولتیں مہیا کی جاسکتی ہیں' اور نہ ہسپتالوں اور شفاخانوں میں داخلہ وعلاج کی سہولت انہیں مل سکتی ہے۔

صدر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے ایک بار دینی مدارس کے طلبہ کو بھی سفر کی وہی سہولتیں دینے کا اعلان فرمایا تھا جو تعلیم جدید کے نونہالوں کو دی جاتی ہیں' اس اعلان سے متاثر ہوکر ہمارے دینی مدارس کے بعض طلبہ نے اپنے شناختی کارڈ بنوالئے' اس سلسلہ میں یہ لطیفہ قابل ذکر ہے کہ راقم الحروف لاہور کی ایک بس میں سفر کررہا تھا' ہمارے کسی دینی مدرسے کے ایک طالب علم بس پر سوار ہوئے اور انہوں نے اپنا شناختی کارڈ پیش کیا' مگر بس کنڈیکٹر نے حقارت آمیز لہجے میں کہا کہ "جناب! یہ فلاں افسر کی بس ہے' کسی یتیم خانے کی

بس نہیں، پورا کرایہ ادا کیجئے"۔ طالب علم نے خفیف ہو کر پورا کرایہ ادا کر دیا، اتنے میں کسی اسکول کالج کے چند طالب علم سوار ہوئے، اور انہوں نے شناختی کارڈ دکھانے کی بھی زحمت نہیں کی، بلکہ صرف "طالب علم" کا لفظ کہہ دیا، بس کنڈیکٹر نے ان کے لباس (کوٹ، پینٹ) کو دیکھ کر فوراً آدھے کرائے کے ٹکٹ ان کے حوالے کر دیئے، اور دینی مدرسہ کے طالب علم سے مخاطب ہو کر بولا "جناب! یہ ہیں طالب علم"۔

راقم الحروف کو اس باتمیز کنڈیکٹر کی حرکت سے اتنی اذیت نہیں ہوئی جتنی دینی مدرسہ کے طالب علم کے "شناختی کارڈ" دکھانے پر اذیت ہوئی، جو قوم علوم نبوت کے حاملین سے ایسا شاندار سلوک کرتی ہو کہ ان کو انسان سمجھنے کے لئے بھی تیار نہ ہو اس کے سامنے "رعایت کا کاسۂ گدائی" لے کر جانا علوم نبوت کی توہین ہے، اس معمولی لطیفے سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جدید طبقہ کی نظر میں ہمارے دینی مدارس اور ان کے اساتذہ وطلبہ کا کیا مقام ہے؟ اور وہ ان کے نزدیک کس سلوک کے مستحق ہیں؟

دوم: قومی کمیٹی نے جو سفارش کی ہے کہ اوقاف اور فوج کی مساجد کے خطباء کی آئندہ تقرری کے لئے کم از کم قومی بورڈ کے درجہ عالیہ کی سند ضروری ہو، اس کا فلسفہ یہ ہے کہ "لارڈ میکالے نظام تعلیم" کے مطابق علوم نبوت کے حاملین ناخواندہ اور ان پڑھ افراد کی فہرست میں شامل تھے، ان "ان پڑھوں" کو کسی سرکاری ملازمت کے لئے اہل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ جن مولوی صاحبان کو سرکاری ملازمت کا شوق چراتا وہ منشی فاضل، مولوی فاضل وغیرہ کر کے سرکاری ملازمت کیا کرتے تھے۔ انگریزوں کے رخصت ہونے کے بعد بھی چونکہ اسلامیہ جمہوریہ پاکستان میں لارڈ میکالے نظام تعلیم رائج رہا۔ (جو اب تک رائج ہے) اس لئے علوم نبوت کے حاملین بدستور "ان پڑھ" رہے۔ چنانچہ ایوب خان کے دور میں ان کے بی ڈی نظام کے ممبران کی نامزدگی کے سلسلہ میں ایک ضلع کے ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر بالقابہ نے ایک تحصیل کے صدر مقام کا دورہ رکھا، اور لوگوں سے فرمایا کہ اپنے علاقہ کے شرفاء کے نام پیش کریں۔ کسی منچلے نے اس کے لئے ایک مولوی صاحب کا نام بھی پیش کر دیا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب پوچھتے ہیں کہ ان کی تعلیم؟ جواب ملا "یہ قرآن کے حافظ

ہیں"۔ ڈپٹی صاحب نے فرمایا کہ بھئی میں تعلیم پوچھ رہا ہوں' جواب ملا' "یہ قرآن وحدیث اور فقہ اسلام کے عالم ہیں"۔ ڈپٹی صاحب نے پھر کہا' میاں میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ ان کی تعلیم کیا ہے' جواب ملا' یہ دارالعلوم دیوبند کے سند یافتہ ہیں"۔ اب ڈپٹی صاحب نے تیز لہجے میں کہا کہ میں یہ دریافت کر رہا ہوں کہ یہ پرائمری پاس ہیں یا انہوں نے مڈل کیا ہے۔ میں تعلیم پوچھ رہا ہوں۔

یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ایک شخص خواہ قرآن وحدیث کا کتنا ہی تبحر عالم ہو' جب تک اس نے میٹرک نہ کیا ہو وہ سرکاری اصطلاح میں "ان پڑھ" ہے۔ قومی بورڈ نے ملغوبہ نصاب مرتب کر کے ان سرکاری ان پڑھوں کو پڑھوں لکھوں کی صف میں شامل کرنے کی کوشش کی ہے' اور جب تک کسی طالب علم نے ان کا یہ ملغوبہ ہضم نہ کیا ہو وہ ان کی زبان میں بدستور جاہل اور ان پڑھ رہے گا۔ ظاہر ہے کہ ایسا جاہل اور ان پڑھ اوقاف اور فوج کی مسجد میں خطابت کا اہل کیسے ہو سکتا ہے۔ گویا اوقاف اور فوج کی امامت ایسا بلند وبالا منصب ہے کہ کوئی شخص اپنے دور کا ابو حنیفہ ہو' رازی ہو' غزالی ہو' ابن تیمیہ ہو' انور شاہ ہو۔ اگر اس نے خوش قسمتی سے بورڈ کا امتحان نہیں دیا تو اس بلند ترین منصب کے لائق نہیں۔

دلچسپ لطیفہ یہ ہے کہ یہ طالب علم' جو مطلوبہ سرکاری ڈگری لئے پھرتے ہوں' وہ تو اس منصب کے اہل ہیں' لیکن ان کے لائق صد احترام اساتذہ بدستور نااہل رہیں گے' ہم نہیں سمجھتے کہ اس سے بڑھ کر علمائے امت کی توہین وتذلیل کیا ہو سکتی ہے؟

سوم : ایک طرف تو قومی کمیٹی یہ سفارش کرتی ہے کہ سرکاری مراعات ان مدارس سے مختص ہوں جو قومی کمیٹی کا ملغوبہ نصاب قبول کریں' نیز دینی مدارس کو قومی بورڈ کے کنٹرول میں دینے کی تجویز پیش کرتی ہے۔ دوسری طرف اس پر بھی زور دیا گیا ہے کہ دینی مدارس کو بالکل آزادانہ کام کرنے کا موقع دیا جائے اور ان کے کام میں کوئی مداخلت نہ کی جائے۔

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جب عمارات' فرنیچر' اساتذہ کی تنخواہیں' طلبہ کے وظائف' نصابی وغیر نصابی کتب کی فراہمی وغیرہ تمام امور میں حکومت دینی مدارس کا بار

اٹھائے گی' اور جب سرکاری قومی بورڈ ان دینی مدارس کو کنٹرول کرے گا تو یہ دینی مدارس سرکاری مداخلت کے بغیر "بالکل آزادانہ کام" کیسے کرسکیں گے؟ اور اس صورت حال کے بعد دینی مدارس اور عصری تعلیم گاہوں کے درمیان کیا فرق باقی رہ جائے گا؟ دینی مدارس آزادانہ ماحول میں اسی وقت کام کرسکتے ہیں کہ جب وہ اپنے مصارف میں سرکاری اعانت کے دست نگر نہ ہوں' اور نہ سرکاری ہیئت منتظمہ ان کو کنٹرول کررہی ہو' اسی لئے حضرت حجتہ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ نے دارالعلوم دیوبند کے آٹھ اساسی اصولوں میں تحریر فرمایا تھا:

(٦) "اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں' جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا' اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانہ' تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجا' جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے' ہاتھ سے جاتا رہے گا' اور امداد غیبی موقوف ہوجائے گی' اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہوجائے گا۔ القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

(٧) سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

(٨) تامقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندے سے امید ناموری نہ ہو' بالجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے"۔

ہمارے دینی مدارس نے آزادی سے پہلے یا آزادی کے بعد جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں اس کے اور بہت سے اسباب کے علاوہ ان مدارس کا سرکاری اعانت کا دست نگر نہ ہونا اور سرکاری مداخلت سے پاک ہونا بھی ہے' اگر خدانخواستہ حضرت نانوتویؒ کے ان زریں اصولوں کو ملحوظ نہ رکھا جاتا تو ان مدارس کی افادیت ختم ہوکر رہ جاتی۔ قومی کمیٹی

کی سفارشات پر اگر عمل کیا گیا تو یقین سے یہ پیش گوئی کی جاسکتی ہے کہ ان مدارس سے علماء کی پیداوار ختم ہوجائے گی' اور ان کا کام صرف وفادار سرکاری ملازمین کا ایک طبقہ پیدا کرنا رہ جائے گا۔

چہارم : قومی کمیٹی نے دینی مدارس میں سائنسی علوم کی تدریس و تعلیم کے لئے جو سائنسی سامان وغیرہ مہیا کرنے کی سفارش کی ہے' ہمارے نزدیک یہ تجویز دینی مدارس کے موضوع و مقصد سے کوئی میل نہیں کھاتی۔ اب تک ہمارے دینی مدارس قرآن وسنت کے علوم کی تعلیم اور ان میں گہری بصیرت و مہارت پیدا کرنے کے لئے وقف ہیں' دینی مدارس کی ایک صدی سے زائد تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے جدیدیت و مغربیت اور الحاد و کجروی کے سارے طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے قرآن وسنت کی ٹھوس تعلیم کا بندوبست کیا ہے اور کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کے ایسے ماہرین مسلسل پیدا کئے ہیں جن کے علم و فہم اور دیانت و امانت پر قوم اعتماد کرسکے' چنانچہ عام مسلمانوں نے دینی مسائل کے لئے ہمیشہ ایسے علماء امت ہی سے رجوع کرنا ضروری سمجھا ہے جو دینی مدارس کے مستند ہوں۔

لیکن جب دینی مدارس کو دینی درس گاہوں کے بجائے سائنسی اداروں میں تبدیل کردیا جائے گا تو ظاہر ہے کہ یہاں سائنس اور ٹیکنالوجی کے ماہرین تو پیدا نہیں ہوں گے البتہ یہ ضرور ہوگا کہ اس دو عملی کے نتیجے میں یہاں قرآن وسنت کے ماہرین بھی تیار نہیں ہوسکیں گے' اور رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ ملک میں کوئی صحیح دینی مسئلہ بتانے والا بھی باقی نہیں رہے گا۔

دینی مدارس میں سائنسی تجربہ گاہیں قائم کرنے کی مثال ایسی ہے کہ قانون کی درس گاہوں میں سائنس کی تعلیم دی جائے' اور طبی درس گاہوں میں کپڑا بننے' جوتا گانٹھنے' سینے پرونے اور کھانے پکانے کے طریقے سکھائے جائیں' یہ فنون اپنی جگہ کتنے ہی مفید اور ضروری سہی لیکن قانون اور طب کی درس گاہوں میں ان کو ٹھونسنا بالکل ہی انمل اور بے جوڑ ہے۔ اسی طرح ملک وملت کے لئے سائنسی ترقی خواہ کتنی ہی ضروری کیوں نہ لیکن یہ دینی مدارس کا موضوع نہیں۔ حکومت اس سائنسی سامان کو دینی مدارس میں جو ضائع کرنا

چاہتی ہے اس کے بجائے بہتر ہوگا کہ اتنے خرچ سے ایک مستقل سائنسی ادارہ قائم کردیا جائے یا موجودہ سائنسی اداروں کو ترقی دی جائے، جن بزرگوں نے دینی مدارس کو "سائنسی سنٹر" میں تبدیل کرنے کا مشورہ دیا ہے وہ نہ دینی نقطہ نظر سے مفید ہے اور نہ فنی اور سائنسی ترقی کے لئے بار آور ہوسکتا ہے۔

آخر میں کمیٹی کی حسن کارکردگی کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ جس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ کمیٹی کو پورے ضلع ساہیوال میں دیوبندی مسلک کا صرف ایک مدرسہ مل سکا اور بریلوی مکتب فکر کے ۱۹۔ اسی طرح پورے ضلع گجرات میں اول الذکر صرف ایک اور موخر الذکر ۱۳۔ کراچی کے جن مدارس کا معائنہ کمیٹی کے فاضل ارکان نے فرمایا ان میں لائق ذکر صرف ایک جامعہ امامیہ نظر آیا باقی صفر۔ اسی سے رپورٹ میں درج شدہ باقی اعداد و شمار کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ واللہ المستعان۔

(ماہنامہ بینات نومبر ۱۹۸۰ء)

قومی کمیٹی کے مجوزہ منصوبہ پر تبصرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

حکومت کی جانب سے تشکیل کردہ "قومی کمیٹی برائے دینی مدارس پاکستان" کی رپورٹ پر مفصل تبصرہ اور اسکے بارے میں مختلف مسلک کے علماء کرام کے رد عمل کا تذکرہ کرتے ہوئے ہم نے صفر المظفر ۱۴۰۱ھ کے "بصائر و عبر" میں لکھا تھا :

"ہمارے خیال میں "قومی کمیٹی برائے دینی مدارس پاکستان" کی سفارشات، دینی مدارس کی ہیئت و مزاج، ان کے مقصد و موضوع اور ان کے دائرہ عمل میں انقلابی تبدیلیوں کی حامل ہیں۔ اس لئے وہ دینی مدارس کے ارباب حل و عقد کے نہایت گہرے اور سنجیدہ غور و فکر کے مستحق ہیں۔ ان حضرات کو تمام آثار و نتائج پر غور کرنے کے بعد اپنے نفع و نقصان کا میزانیہ مرتب کرنا چاہئے، اور اس احتمال کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ اگر ان سفارشات کو طوعاً و کرہاً (بزور قانون) نافذ کردیا گیا تو ان حضرات کا لائحہ عمل کیا ہوگا، اور وہ دینی علوم کے تحفظ کے سلسلہ میں کیا طریق کار اختیار فرمائیں گے"۔

قومی کمیٹی کے مجوزہ قومی بورڈ کے اجلاس منعقدہ ۱۵ دسمبر ۱۹۸۰ء میں طے پایا تھا کہ وزارت تعلیم دینی مدارس کی قومی کمیٹی کی سفارشات پر عمل درآمد کے لئے ایک جامع منصوبہ تیار کرے گی، وزارت تعلیم نے جو منصوبہ تیار کیا ہے اس کا متن حسب ذیل ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجوزہ منصوبہ برائے نفاذ

قومی کمیٹی برائے دینی مدارس کی سفارشات

۱۔ پہلا اہم ترین اقدام یہ ہے کہ حکومت کے ایکٹ یا ریزولیشن کے تحت ایک مقتدرہ (اتھارٹی) کی تشکیل کی جائے جو قومی کمیٹی کی سفارشات کا تفصیلی جائزہ لے' ان کے نفاذ واجرا کے لئے سکیمیں مرتب کرے' دینی اداروں کی سرگرمیوں کی نگرانی' جائزے اور ان میں ہم آہنگی قائم کرنے کا اہتمام کرے۔ اس سلسلے میں ربط وانتظام کے لئے ضروری ڈھانچہ وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان میں قائم کیا جائے۔

۲۔ امتحانات کا اہتمام کرنے کے لئے اور دوسرے متعلقہ ضروری امور انجام دینے کے لئے مقتدرہ کے تحت ایک بورڈ قائم کیا جائے جس کی ذمہ داریاں حسب ذیل ہیں :

(۱) منظور شدہ اداروں کا معائنہ کرنا یا معائنے کا اہتمام کرنا اور معائنے کی روداد طلب کرنا۔

(۲) نصابات وتدریسی مواد مقرر کرنا اور متعلقہ قواعد وضوابط مرتب کرنا۔

(۳) امتحانوں میں داخلے کی شرائط' شرح فیس امیدواروں کی اہلیت کا تعین کرنا' امتحان میں داخلے کی اجازت دینا اور مقررہ فیس وصول کرنا۔

(۴) امتحان میں کامیاب ہونے والے امیدواروں کو سندات جاری کرنا یا سندات منسوخ کرنا۔

(۵) منظور شدہ مدارس کے طلبہ کی فلاح و بہبود، رہائش، صحت اور نظم و ضبط کی نگرانی کرنا۔

(۶) وظائف، تمغہ جات، انعامات کا تعین کرنا اور مقررہ قواعد کے تحت عطا کرنا۔

(۷) منظور شدہ اداروں میں زائد نصاب سرگرمیوں کی تنظیم و ترویج۔

(۸) بورڈ اور اس کی ذیلی کمیٹیوں کے افسران، اساتذہ اور ملازمین کے فرائض سے متعلقہ قواعد و ضوابط وضع کرنا۔

۳۔ مقتدرہ کے تحت ماہرین کی ایک کمیٹی مقرر کی جائے جو عام نظام تعلیم کے تدریسی مواد کو پیش نظر رکھتے ہوئے دینی مدارس کے نصابات پر نظر ثانی کرے اور دینی مدارس میں پیشہ وارانہ / مہارتی نصابات کو رائج کرنے کی موزونیت اور امکانات کا جائزہ لے۔

۴۔ عام نظام تعلیم میں اعلیٰ درجات تک دینی تعلیم کو شامل نصاب کرلیا گیا ہے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ دینی مدارس کے نظام میں ثانوی اور اعلیٰ ثانوی درجات تک مندرجہ ذیل انتخابی مضامین نصاب کا جز قرار دیے جائیں : الف۔ زرعی تکنیکی مضامین۔

ب۔ صنعتی مضامین۔

ج۔ سائنسی علوم۔

د۔ تجارتی مضامین۔

ہ۔ گھریلو معاشیات / طالبات کے لئے۔

ان مضامین کے لئے وفاقی وزارت تعلیم کے منظور شدہ نصابات کو اختیار کیا جائے۔

۵۔ دونوں طرز کے نظام ہائے تعلیم کو قریب تر لانے اور ان کے درمیان

حائل فاصلے کو کم تر کرنے کے لئے جامع نصابات (Intigrated Curses) مرتب کئے جائیں' یہ نصابات پہلے مرحلے میں انہی منتخب اداروں میں رائج کئے جائیں جو تدریس کے لئے ضروری سہولتیں مہیا کر سکیں اور ان نصابات کو جاری کرنے پر رضامند ہوں۔

۶۔ اداروں کی موجودہ سہولتوں مثلاً اساتذہ (تربیت یافتہ' غیر تربیت یافتہ) کتب خانے' ورکشاپیں' معمل' طلبہ وغیرہ کا تفصیلی جائزہ لیا جائے' اور ان اداروں کو پوری طرح آراستہ کرنے کے لئے مرحلہ وار پروگرام بنایا جائے۔

۷۔ اساتذہ کی پیشہ ورانہ تربیت کا مرحلہ وار منصوبہ تیار کیا جائے' مختلف درجات کے اساتذہ کے لئے' حسب ضرورت ترمیم کے ساتھ' قومی نصابات کو اختیار کیا جائے۔

دوران ملازمت اساتذہ کی تربیت، تجدید تربیت کے تعلیمی توسیعی مراکز اور ابتدائی اساتذہ کے تربیتی اداروں کی خدمات سے استفادہ کیا جائے۔

۸۔ دینی اداروں میں کھیلوں اور جسمانی تعلیم کی سہولتیں بھی بہم پہنچائی جائیں۔

۹۔ مذکورہ بالا تجاویز کے مطابق تمام امور کا مکمل جائزہ لینے کے بعد حکومت کی منظوری کیلئے جامع منصوبہ تیار کیا جائے۔

۱۰۔ عملی سکیموں کی ترقی اور کامیابی کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیا جائے اور ضروری اصلاحی اقدامات کئے جائیں۔

۱۱۔ دینی مدارس کی منظوری' الحاق' اساتذہ کی اہلیت کے تعین اور حکومت کی طرف سے دی جانے والی مالی امداد کے لئے ایک واضح پالیسی مرتب کی جائے جس کی ذمہ داری مقتدرہ پر ہو۔

۱۱۔ ذیل میں اس سکیم کے مطابق، پہلے مرحلے کے نفاذ کا ایک منصوبہ تجویز کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ فرمایئے ضمیمہ الف، ب)

ضمیمہ الف :

مجوزہ تفصیلی منصوبہ

۱۔ نئی سکیم کا اجراء مرحلہ وار ہونا چاہیے۔

۲۔ پہلے مرحلے میں ایک سو مدارس کا انتخاب کیا جائے جو نئے جامع، نصابات کو اپنانے کے خواہاں ہوں، جہاں تک ممکن ہو مختلف مکاتب فکر کی متناسب نمائندگی کا خیال رکھا جائے۔

۳۔ جو ادارے نئی سکیم کو رائج کرنے پر رضامند ہوں ان کا تفصیلی جائزہ لیا جائے اور جماعت وار طلبہ کی تعداد، دینی اور عمومی مضامین کی تدریس کے لئے پہلے سے موجود اساتذہ کا تعین کرلیا جائے۔

۴۔ انہی اداروں کو ترجیح دی جائے جن میں ذیل کی سہولتیں موجود ہوں:

۱) ان کے پاس اپنی عمارات اور اقامت خانے موجود ہوں۔
قومی تعلیمی کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق ۶۵۸ر۸۳۹ اداروں میں یہ سہولت موجود ہے۔

۲) جماعت بندی کے لئے طلبہ کی کافی تعداد موجود ہو۔

۳) ایسے اساتذہ ہوں جن کے پاس تمام بورڈوں ریونیورسٹیوں کی سندات ہوں اور جو عمومی مضامین پڑھانے کے اہل ہوں۔

۴) کتب خانے، رپورٹ کے مطابق ۶۱۲ اداروں کے اپنے کتب خانے ہیں۔

۵۔ مقتدرہ کی مقرر کردہ کمیٹی ان اداروں کا معائنہ کرے اور تدریسی عملہ' سامان تدریس' درسی کتب' فرنیچر اور طلبہ برائے جماعت بندی کا جائزہ لے۔

۶۔ جدید تدریسی منصوبے کا آغاز ابتدائی درجے (جماعت اول تا پنجم) سے کیا جائے اور آئندہ سال ایک مزید اگلی جماعت کا اضافہ کیا جائے۔

۷۔ جماعت بندی کرتے وقت طلبہ کے علمی پس منظر' معیار اور ان کی عمروں کی مناسبت کو پوری طرح ملحوظ رکھا جائے۔

۸۔ دینی اداروں میں پہلے سے موجود ایسے اساتذہ جو عمومی تعلیم کی سندات رکھتے ہوں اور تربیت یافتہ نہ ہوں انہیں عام مضامین پڑھانے کے دوران ملازمت تربیتی/تجدیدی کورسوں میں شرکت کا موقع بہم پہنچایا جائے۔

۹۔ دینی مضامین کی تدریس کے لئے پہلے سے موجود قابل اساتذہ کی خدمات سے استفادہ جاری رکھا جائے۔

۱۰۔ عام مضامین کے اساتذہ کی کمی پوری کرنے کے لئے تعلیمی محکموں سے موزوں اساتذہ کی خدمات مستعار لی جائیں یا براہ راست اساتذہ بھرتی کئے جائیں۔

۱۱۔ **تربیت اساتذہ** ....یہ بات یقینی ہے کہ دینی اور عمومی مضامین کی جامع سکیم کے مطابق' تدریسی عملہ میں موجود اساتذہ تربیت یافتہ نہ ہوں گے' اور ان اداروں سے فارغ ہونے والے طلبہ بھی مستقبل قریب تک اس قابل نہ ہوں گے کہ انہیں بطور ملازم استاذ رکھا جاسکے۔ اس وقت تک ضروری ہے کہ موجودہ اساتذہ کے لئے دوران ملازمت تربیتی/تجدیدی کورسوں کا انتظام کیا جائے' اس کام میں وزارت مذہبی امور' محکمہ اوقاف' صوبائی تعلیمی توسیعی مراکز اور تربیتی اداروں کا

تعاون حاصل کیا جائے۔

۱۲۔ ــــ دینی اداروں کے موجودہ تدریسی عملے کی تنخواہوں اور الاؤنسوں کی ادائیگی متعلقہ تنظیموں ہی کے ذمہ ہو گی تاہم حکومت کی طرف سے موجودہ عملے کو جو جدید اسکیم میں شامل ہو گا' اعزازی الاؤنس پیش کیا جائے گا۔

۱۳۔ ....تمام طلبہ کے لئے پڑھنے لکھنے کا سامان زکوۃ فنڈ سے مہیا کیا جائے۔

۱۴۔ ــــ عمومی مضامین کی تدریس کے اخراجات حکومت (وزارت مذہبی امور) برداشت کرے۔

۱۵۔ ....عمارات اور اقامتی سہولتیں ادارے کی انتظامیہ کی طرف سے مہیا کی جائیں ان کی مرمت اور دیکھ بھال بھی انہی کے ذمے ہو۔

۱۶۔ ....جدید اسکیم کی کامیابی کے لئے مقامی کمیٹیوں اور زکوۃ کمیٹیوں کا تعاون حاصل کیا جائے۔

۱۷۔ ....ثانوی اور اعلیٰ درجات کے لئے تدریسی سامان' سائنسی معمل (لیبارٹریز) اور پیشہ ورانہ تربیتی مواد اور پرائمری درجے کے لئے تدریسی معاونات حکومت فراہم کرے اس غرض کے لئے عالمی تنظیموں یو این ڈی پی (اقوام متحدہ کا ترقیاتی ادارہ) یونیسف اور یونیسکو کا تعاون بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے ترقیاتی منصوبے اور غیر ملکی امداد کے لئے سکیمیں مرتب کی جائیں۔

۱۸۔ ــــ قومی مرکز برائے آلات تعلیم لاہور' یونیسف کے تعاون سے پرائمری مدارس کو قومی تدریسی کٹ تقسیم کرتا رہا ہے' اس ادارے سے رابطہ قائم کر کے ان دینی مدارس کو تدریسی کٹ مہیا کی جائے جن میں عمومی مضامین کی تدریس جاری کی جائے۔

۱۹۔ ....تعلیمی سال کے اختتام پر اس اسکیم کی ترقی اور کامیابی کا ناقدانہ جائزہ لیاجائے اس غرض کے لئے ماہرین کی کمیٹی مقرر کی جائے۔

۲۰۔ ....نئی اسکیم بتدریج اعلیٰ جماعتوں میں سال بہ سال بڑھائی جائے۔

۲۱۔ ....ہر سال مزید پچاس ادارے اس اسکیم میں شامل کئے جائیں۔

وزارت تعلیم کے اس مجوزہ منصوبہ پر غور کرنے کے لئے ۱۵ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۹۸۱ء کو راولپنڈی میں "وفاق المدارس العربیہ پاکستان" کی مجلس عاملہ کا ایک غیر معمولی اجلاس زیر صدارت حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی صدر وفاق منعقد ہوا۔ اجلاس کی اہمیت کے پیش نظر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک (سرپرست وفاق) نے بھی اس میں شرکت فرمائی، صدر اور سرپرست وفاق کے علاوہ پنجاب، سندھ، بلوچستان اور سرحد کے جن حضرات نے اس اجلاس میں شرکت فرمائی، ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں :

۱۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک (سرپرست وفاق المدارس)

۲۔ حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی، صدر وفاق المدارس، ورکن مجوزہ قومی بورڈ۔

۳۔ مولانا عبیداللہ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور (رکن مجوزہ قومی بورڈ)

۴۔ مولانا سمیع الحق اکوڑہ خٹک۔

۵۔ مولانا محمد رفیع عثمانی۔ دارالعلوم کراچی۔

۶۔ مولانا محمد ایوب جان بنوری۔ پشاور

۷۔ مولانا قاضی عبدالکریم کلاچی۔

۸۔ مولانا سلیم اللہ خان۔ جامعہ فاروقیہ کراچی۔

۹۔ مولانا قاری عبدالسمیع صاحب سرگودھا۔

۱۰۔ مولانا عبدالواحد کوئٹہ۔

۱۱۔ مولانا محمد اسعد تھانوی سکھر۔

۱۲۔ مولانا عبداللہ رائے پوری جامعہ رشیدیہ ساہیوال۔

۱۳۔ مولانا محمد شریف۔ خیرالمدارس ملتان۔

۱۴۔ مولانا غلام قادر خیرپور۔ (بہاولپور)

۱۵۔ مولانا فیض احمد، ملتان۔

۱۶۔ مولانا نور محمد، سجاول ضلع ٹھٹھہ۔

۱۷۔ مولانا قاری سعید الرحمٰن، راولپنڈی۔

۱۸۔ مولانا قاری محمد امین راولپنڈی۔

۱۹۔ مولانا مفتی محمد انور شاہ، ملتان۔

اجلاس میں قومی کمیٹی کی رپورٹ اور وزارت تعلیم کے مجوزہ منصوبہ پر طویل غور وخوض کے بعد حسب ذیل قرارداد اتفاق رائے سے منظور کی گئی۔ اور طے پایا کہ یہ قرارداد قومی کمیٹی برائے دینی مدارس کے چیئرمین اور وزارت مذہبی امور کے سیکریٹری کی خدمت میں بھیج دی جائے۔ قرارداد کا متن حسب ذیل ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

مدارس عربیہ کی فلاح و بہبودی اور ان کے نصاب و نظام تعلیم کی اصلاح کے سلسلہ میں جن مقاصد کے ماتحت قومی کمیٹی برائے دینی مدارس قائم ہوئی، اس کمیٹی میں شامل مسلک دیوبند کی ترجمانی اور وفاق المدارس العربیہ کی نمائندگی کرنے والے فاضل ارکان نے کمیٹی کے آغاز سے سفارشات کی تکمیل تک کمیٹی کے ساتھ بھرپور اور موثر تعاون کیا۔

مگر اس پورے عرصے میں ارکان نے یہ جدوجہد بھی کی کہ ایک طرف مدارس عربیہ کے نصاب کی نہایت فاضلانہ اور جامع حیثیت بھی مجروح نہ ہونے پائے جو آگے چل کر فارغ التحصیل ہونے والے علماء کے رسوخ فی الدین، تعمق اور علمی صلاحیتوں پر اثر انداز ہو، دوسری طرف موجودہ دور کی تعلیمی سندات اور ڈگریوں سے معاولہ کے ضمن میں عصری علوم ومضامین میں سے جو نہایت لازمی اور ضروری ہوں ان کو شامل نصاب کرنے پر اکتفا کیا جائے۔

اس کے ساتھ ان ارکان کا یہ غیر متزلزل موقف بھی رہا کہ مجوزہ اصلاحی اقدامات سے کوئی بھی ایسی صورت، ان مدارس کے لئے ناقابل برداشت ہوگی جس سے ان مدارس کی خود مختار حیثیت اور آزادی مجروح ہو اور صدیوں سے آزمودہ طریقہ کار میں رخنہ پڑے کیونکہ ایسی کوئی بھی مداخلت آگے چل کر مدارس کے اصل دینی مقاصد، روحانی اور اخلاقی تربیت، تعلیمی روح اور ڈھانچہ کو درہم برہم کرکے رکھ دے گی۔ کمیٹی کے سامنے جب مدارس کے اصلاحی و تنظیمی اور نصابی امور کے بارہ میں ایک خود مختار ادارہ کی تشکیل کا مسئلہ آیا تو ہمارے ان فاضل ارکان نے حکومتوں کے عمل دخل سے آزاد رکھنے کی خاطر اس بورڈ کے تشکیل کے بارے میں اپنا متبادل خاکہ پیش کیا، جو ہمارے لئے نہایت ناگزیر تھا مگر اسے نظرانداز کیا گیا اور اسے بہت معمولی اور خفیف ثابت کرنے کے لئے ہمارے ارکان کے متفقہ اختلافی نوٹ کے بجائے ایک رکن کے وضاحتی نوٹ کی صورت میں رپورٹ کے آخر میں شامل کیا گیا۔ ان ارکان کا موقف کسی علمی تنگ نظری یا جمود اور عصر حاضر کے ضروری مضامین اور علوم کو شامل کرنے سے گریز کی وجہ سے نہ تھا جب

کہ انہیں خود بھی اسے بہتر سے بہتر بنانے کا احساس ہے۔ لیکن ان مقاصد کے لئے اگر ان مدارس کی آزادی اور خود مختاری داؤ پر لگادی جاتی تو نتیجۃً ان مدارس سے امت کو دنیا کی بھلائی تو کیا ملتی دین اور دینی مقاصد سے بھی ہاتھ دھونا پڑجاتا' چنانچہ رپورٹ کے سامنے آجانے سے وفاق المدارس اور دیوبند کے اکابر علماء نے موجودہ اور مستقبل کے خدشات کے پیش نظر مورخہ ۳۰ رجب ۱۳۹۹ھ' ۲۶ر جون ۷۹ء' کو اپنی مجلس عاملہ میں اس پروگرام کو مسترد کر کے قرارداد پاس کی جس کی بعد میں مجلس شوریٰ نے ۳۰ نومبر ۸۰ھ کے اجلاس میں توثیق بھی کردی۔

قومی کمیٹی کی رپورٹ جب صدر پاکستان کو پیش کردی گئی تو اس کے نفاذ کے طریق کار وضع کرنے کے لئے صدر محترم نے اسے ذیلی کمیٹی اور پھر تنفیذی کمیٹی کے سپرد کردیا۔ ان کمیٹیوں کے سرکاری ارکان نے مجوزہ رپورٹ کی رہی سہی حیثیت بھی ختم کرنے کی سعی کی اور مدارس کے نصاب اور نظام تعلیم کی شکل میں بے دست وپا کرنے کے مشورے اور تجاویز پیش کیں۔ میٹنگوں کا یہ سلسلہ جاری رہا اور پچھلے اجلاس میں وزارت تعلیم کے فاضل سیکریٹری کے سامنے آیا انہوں نے اجلاس میں اس کے نفاذ کے لئے ایک مجوزہ خاکہ پیش کرنے کی مہلت مانگی جو انہیں دے دی گئی' اب جو ان کا مجوزہ منصوبہ برائے نفاذ ہمارے سامنے آیا' جو بائیس فروری کو مجوزہ قومی بورڈ کے اجلاس میں زیر غور ہے۔ اس نے ایک طرف تو ہمارے تمام خدشات اور اندیشوں کو قطعی ثابت کردیا اور دوسری طرف اس نئے منصوبہ کی تجاویز نے قومی کمیٹی کے

اب تک کئے ہوئے سارے کام پر بھی یک لخت پانی پھیردیا' یہ منصوبہ قومی کمیٹی کے مجوزہ قومی بورڈ برائے مدارس کے دائرہ اختیار کو بھی یہ کہہ کر ختم کرکے رکھ دیتا ہے کہ حکومت ایک مقتدرہ (اتھارٹی) کی تشکیل دے جو قومی کمیٹی کی سفارشات کا بھی تفصیلی جائزہ لے۔ دوسری طرف یہ مجوزہ منصوبہ مذکورہ قومی بورڈ کو امتحانات وسندات وغیرہ کے معاملہ میں بھی بے بس کردیتی ہے۔ جس سے مدارس حکومت کی بیوروکریسی اور وزارتوں کے باتنخواہ سرکاری افسروں کے ہاتھ کا کھلونا بن جائیں گے۔

قومی کمیٹی کی رپورٹ میں مدارس کے مروجہ بھاری نصاب کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت ضروری کم سے کم مروجہ مضامین شامل کرنے پر کفایت کی گئی' مجوزہ منصوبہ نے ان مضامین میں زرعی' تکنیکی' صنعتی اور تجارتی مضامین کا اضافہ بھی ضروری سمجھا۔ پھر جامع نصابات کی ازسرنو ترتیب اور وفاقی حکومت کے منظور شدہ نصابات کا بھی مدارس عربیہ کو پابند بنانا چاہا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر ہمارے اس یقین میں اور پختگی آگئی کہ حکومت کی ایسے آئے دن بدلتی ہوئی تجاویز' اضافوں اور ترمیمات سے مدارس عربیہ کا اصل مقصد فروغ واشاعت دین' تحفظ قرآن وسنت اور اشاعت علوم دینیہ' مخلص اہل حق علماء کی تیاری باقی نہ رہ سکے گا۔ نہ مدارس آئے دن کے بدلتے ہوئے حکومتوں اور افسران کے بدلتے ہوئے رجحانات کو مختلف نظریات کے ساتھ اپنی خود مختاری باقی رکھ سکیں گے۔ اس لئے نہ صرف یہ کہ آج کے اس اہم اجلاس میں وفاق المدارس اور مسلک دیوبند کے اکابر اپنی پچھلی قرار داد کی توثیق کرتے ہوئے وزارت تعلیم کے اس مجوزہ خاکہ کو مسترد کرتے ہیں

بلکہ دینی تعلیم کی اشاعت میں سرگرم دیگر مکاتب فکر (بریلوی' اہلحدیث اور شیعہ) کے ارباب مدارس عربیہ سے بھی توقع کرتے ہیں کہ وہ بھی اس مجوزہ اصلاحات سے قطعی لاتعلقی کا اعلان کر کے دینی تعلیم کی حفاظت کا آزمودہ طریقہ کار برقرار رکھیں گے انشاء اللہ' اسی میں دین' علماء' مدارس اور ملک و ملت کی فلاح ہوگی۔

محمد ادریس غفرلہ

صدر وفاق المدارس العربیہ ملتان

۲۱ر۳ر۸۱ء

مسلک دیوبند سے تعلق رکھنے والے اکابر نے قومی کمیٹی کی رپورٹ اور وزارت تعلیم کے مجوزہ منصوبہ کے بارے میں جو بے لچک اور دو ٹوک موقف اختیار کیا ہے اس کے دلائل اس قرار داد میں موجود ہیں' جن کا خلاصہ تین چیزیں ہیں :

۱۔ ......ارکان حکومت کا علمائے کرام کی تجاویز سے انحراف۔

۲۔ ـــ مجوزہ نصاب میں دینی مدارس کی روح کا کچل دیا جانا۔

۳۔ ......مجوزہ منصوبہ میں دینی مدارس کو ارباب حکومت کی لونڈی بنادینا کہ وہ جس طرح چاہیں ان میں تصرف کیا کریں۔

چونکہ یہ تینوں چیزیں کسی بھی مدرسہ فکر کے علماء کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتیں اس لئے قرار داد کے آخر میں دیگر مکاتب فکر کے حضرات سے بھی اپیل کی گئی ہے کہ وہ اس مجوزہ منصوبہ کو قبول نہ فرمائیں۔ یہ حضرات وفاق المدارس کی اس اپیل پر توجہ فرماتے ہیں یا نہیں؟ یہ تو ان حضرات کی صوابدید پر موقوف ہے۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ضمن میں چند گزارشات ان کی خدمت میں بھی کردی جائیں۔ تاکہ صورت حال میں کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے :

اول : دینی مدارس کی اصلاح اور ان کے لئے سرکاری کنٹرول یا سرکاری سرپرستی کا جو

منصوبہ ہمارے سامنے آیا ہے یہ کوئی نیا منصوبہ نہیں۔ بلکہ سابقہ ادوار میں بھی اس پر غور ہوتا رہا ہے' اور سرکاری افسران کا لادین طبقہ ہمیشہ سے دینی مدارس کی آزادانہ کارکردگی کو تشویش کی نگاہوں سے دیکھتا' اور ان کو رام کرنے کے لئے تدابیر سوچتا اور منصوبے بناتا رہا ہے' اس کی نشاندہی مولانا لطف اللہ پشاوری نے اپنے اس مضمون میں کی ہے جو حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے بارے میں ماہنامہ بینات کی اشاعت خاص میں شائع ہوا ہے۔ مولانا لطف اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں :

"اسکندر مرزا کے زمانہ میں پاکستان میں مغرب زدہ لوگوں کا طوطی بولتا تھا۔ حکومت کے ارباب حل وعقد پر بھی ہمیشہ اسی طبقہ کا اثر رہا' ان لوگوں کو یہ تکلیف تھی کہ حکومت جو بھی تجدد پسندانہ نئی حکمت عملی تجویز کرے' اس کے لئے صرف علماء کا طبقہ سنگ راہ بن جاتا ہے' مولانا نور الحق صاحب سابق ڈین اسلامیہ کالج پشاور نے راقم الحروف سے بیان کیا کہ ایک دفعہ سابق صدر ایوب خان نے مجھ سے کہا کہ :

"تیونس' مراکش' مصر' شام کسی جگہ بھی علماء حکومت کے خلاف دم نہیں مار سکتے' محکمہ اوقاف نے سب کو باندھ رکھا ہے' ایک پاکستان ایسا ملک ہے کہ حکومت کچھ کرتی ہے تو کراچی سے پشاور تک علماء اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کردیتے ہیں اور ملک میں ایک ہل چل پیدا ہوجاتی ہے' تم مصر جاؤ' اور وہاں جاکر جائزہ لو کہ حکومت مصر نے کس ترکیب سے علماء کو باندھ رکھا ہے' پاکستان میں بھی علماء کو پابند کرنے کے لئے ایک منصوبہ تیار کرو"۔

بریگیڈیئر گلزار احمد صاحب نے بھی میرے سامنے اسی قسم کے خیالات صدر ایوب سے نقل کئے تھے۔

چنانچہ ڈین صاحب مصر گئے' اور واپسی پر صدر ایوب کے سامنے تمام مساجد اور مدارس عربیہ کو حکومت کی تحویل میں لینے کا نسخہ کیمیا تجویز کیا' صدر ایوب نے جب اس منصوبے پر عمل در آمد کے لئے تمام مدارس عربیہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا' تو ڈین صاحب نے ان سے کہا کہ مصر اور پاکستان کے حالات مختلف ہیں' ہماری سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر ہم مدارس کو حکومت کے قبضے میں لے لیں تو مولانا محمد یوسف بنوری جیسے علماء مدارس کے بجائے مسجدوں کی چٹائیوں پر بیٹھ کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کردیں گے۔ عرب ممالک میں تو عوام کو مدارس کے لئے چندہ دینے کی عادت نہیں' مگر پاکستان میں ایسے علماء ہیں کہ اگر انہوں نے مساجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کردیا تو عوام اور مخلصین ان کو بغیر رسید کے چندے دیں گے' اور مسجدوں میں پھر سے نئے آزاد مدرسے قائم ہوجائیں گے۔ حکومت کے سرکاری مدارس میں تو دینی علوم پڑھنے کے لئے کوئی نہیں آئے گا' اس طرح ہمارا منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔

صدر ایوب نے ڈین صاحب کو مدارس عربیہ کے لئے نئے نصاب تعلیم بنانے کا حکم دیا' ڈین صاحب بڑے طمطراق کے ساتھ کراچی تشریف لائے' حیدر آباد یونیورسٹی کے داؤد پوتا بھی ان کے ہمراہ تھے' ڈین صاحب نے مفتی شفیع صاحب مرحوم اور مولانا بنوری مرحوم سے ملاقات کی اور انہیں نصاب تعلیم میں ترمیم کا مشورہ دیا' مولانا بنوری نے ان کی پوری وعظ و تقریر سن کر فرمایا :

" مدارس عربیہ کا نصاب تعلیم کون بنائے گا؟ حدیث' تفسیر اور فقہ کے نصاب مرتب کرنے میں آپ جیسے سرکاری ملازمین کی کیا حیثیت ہے؟ نصاب علماء راسخین ہی بناسکتے

ہیں' اور وہی بنائیں گے"۔

ڈین صاحب بولے' وہ علماء راسخین کون ہوں گے؟ آپ نے فرمایا :

"یہ کام یوسف بنوری اور مفتی محمد شفیع صاحب کا ہے' آپ کون آئے نصاب بنانے والے"۔

(اشاعت خاص ماہنامہ بینات محرم الحرام ۱۳۹۸ھ)

دوم .... اس سے قطع نظر کہ مجوزہ منصوبہ میں دینی مدارس کے لئے کیا مراعات تجویز کی گئی ہیں' اور علمائے کرام کی شرائط کو کس حد تک ملحوظ رکھا گیا ہے' اصل چیز جو پیش نظر رکھنے کی ہے' وہ دینی مدارس میں سرکاری مداخلت ہے' ہمیں یہ فرض کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں کہ موجودہ حکومت دینی مدارس کی بہت ہی خیر خواہ ہے' اور وہ جو کچھ بھی کررہی ہے محض دینی مدارس انکے علماء وطلباء کی فلاح وبہبودی کیلئے کررہی ہے' اور قومی کمیٹی کی سفارشات بھی فرض کیجئے نہایت مخلصانہ اور معقول ہیں' اور وزارت تعلیم کا مجوزہ منصوبہ بھی مان لیا جائے کہ دینی مدارس کے لئے فلاحی واصلاحی ہے۔

ان تمام امور کو تسلیم کرلینے کے بعد بھی علماء کرام کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اگر ایک بار دینی مدارس سرکاری تحویل میں دیدئے گئے اور انہیں قانون کے شکنجے میں کس دیا گیا تو ان کی حیثیت خالص سرکاری اداروں کی ہوگی' آج اگر ایک نیک دل حکمران ہے اور وہ دینی مدارس کو پھلتے پھولتے دیکھنا چاہتا ہے تو کل ایک ایسا شخص بھی آسکتا ہے جو دین اور دینی مدارس کا بدترین دشمن ہو۔ سرکاری تحویل میں چلے جانے کے بعد دینی مدارس صرف نام کے دینی مدارس ہوں گے۔ ورنہ عملاً وہ خالص سرکاری ادارے ہوں گے' اور ان کی کارکردگی سرکار عالی مدار کے تابع ہوگی۔ اس لئے یہ مجوزہ منصوبہ اپنے ابتدائی حالات میں کتنا ہی معصوم اور بے ضرر نظر آتا ہو' لیکن اس کا انجام دینی مدارس کو حکمرانوں کا کھلونا بنانے کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اگر علمائے کرام کو یہ صورت حال گوارا ہے تو بڑے شوق سے اس منصوبہ کو قبول فرماکر مراعات سے فیض یاب ہوسکتے ہیں۔

سوم ....جہاں تک دینی مدارس کے نصاب تعلیم کا تعلق ہے' اس میں اس کے سوا کوئی خامی نہیں کہ سرکاری حلقوں میں اس نصاب کو شرف پذیرائی حاصل نہیں۔ یہ اپنی اپنی نظر ہے کہ اس کو خامی تصور کیا جائے' یا خوبی؟ ہماری دیانت دارانہ رائے یہ ہے کہ یہ اس نصاب کی خامی نہیں' بلکہ خوبی ہے' جو نصاب تعلیم سرکاری تعلیم گاہوں میں نافذ ہے ایک جہان کا جہان اس سے استفادہ کرکے اپنی دنیا بنارہا ہے۔ اور ہزاروں میں ایک آدھ فرد ایسا ہے جو دینی مدارس کے نصاب تعلیم کے ذریعہ اپنے دین کو سیکھنا اور اپنی عاقبت کو سنوارنا چاہتا ہے۔ اگر مجوزہ سرکاری منصوبہ کے مطابق دینی مدارس میں بھی وہی نصاب تعلیم جاری کردیا جائے جس کی افراط بدہضمی کی حد تک پہنچ گئی ہے (اور جدید تعلیم گاہوں کے ہزاروں افراد اچھی ڈگریوں کا پشتارہ لئے بے روزگاری کی وادی تیہ میں سرگرداں ہیں) تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہزاروں میں سے ایک فرد جو دین سیکھنے کے لئے دینی مدارس کو قبلہ توجہ بناتا تھا' اس کے لئے بھی کوئی پناہ باقی نہیں رہے گی۔ اس لئے دینی مدارس کو جدید تعلیم گاہوں میں ڈھالنے کے بجائے یہی بہتر ہے کہ ان مدارس کو ان کے حال پر رہنے دیا جائے' اور جو لوگ سرکاری مراعات کے خواہش مند ہوں ان کو مشورہ دیا جائے کہ وہ دینی مدارس کے بجائے جدید تعلیم گاہوں سے استفادہ کریں۔ دینی مدارس کو جدید تعلیم گاہوں میں تبدیل کرکے ان کی قلب ماہیت علماء کرام کا ایک ایسا جرم ہوگا جسے تاریخ کبھی معاف نہیں کرے گی۔

چہارم ـــ اس ضمن میں ہم ارباب حکومت سے بھی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا اخلاص وخیر خواہی سر آنکھوں پر' لیکن دینی مدارس کے بارے میں جو منصوبہ زیر غور ہے اس کو بروئے کار لانا حکومت کے لئے بہت سی پریشانیوں کا باعث ہوگا۔

ا۔ ....وفاق المدارس سے منسلک مدارس اور دیوبندی مکتب فکر کے علماء اس منصوبہ کو متفقہ طور پر مسترد کرچکے ہیں' اور وہ قومی کمیٹی اور قومی بورڈ سے قطع تعلق کرچکے ہیں۔ اگر بزور قانون اس منصوبہ کو نافذ کردیا گیا تو ملک میں ایک ہیجان برپا ہوگا۔ اور موجودہ

حالات میں ملک وملت ایسے کسی ہیجان کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہم مودبانہ گزارش کریں گے کہ دینی مدارس کے علماء وطلباء کے حساس طبقہ کو ہرگز پریشان نہ کیا جائے' اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ جو لوگ یہ منصوبہ پیش کررہے ہیں' وہ درحقیقت حکومت سے بدخواہی کے مرتکب ہیں۔

۲۔ــــ دینی مدارس موجودہ حالت میں اہل خیر کے چندوں سے چل رہے ہیں' اور ان کا کوئی بوجھ سرکاری خزانے پر نہیں؛ لیکن وزارت تعلیم کے مجوزہ منصوبہ میں صرف چھ سال کے ابتدائی مرحلہ کے لئے ۱۹ء۷۶)ملین اخراجات کا اندازہ کیا گیا ہے۔ جب کہ اصل اخراجات اس سے کہیں زیادہ ہوں گے۔ اور سرکاری تحویل میں جانے کے بعد یہ توقع رکھنا عبث ہے کہ ان دینی مدارس کو قوم چندے دیا کرے گی۔ ظاہر ہے کہ کروڑوں کے ان اخراجات کو پورا کرنے کیلئے حکومت کو ٹیکس وغیرہ کے ذرائع استعمال کرنا پڑیں گے' اور جو نتائج حکومت کے پیش نظر ہیں وہ پھر بھی پورے نہیں ہوں گے۔ حکومت کو اپنی موجودہ مشکلات کے ساتھ ایک نئے دردسر کا چمٹانا ایک بے مقصد سی بات ہوگی۔

۳۔........ سرکاری تعلیم گاہوں میں آئے دن اساتذہ وطلبہ کے مطالبات کا ہنگامہ رہتا ہے' اگر دینی مدارس کو سرکاری سرپرستی میں دیدیا گیا تو ان اداروں میں مطالبات اور ہنگاموں کی ایک نئی روایت قائم ہوگی' جو نہ صرف حکومت کے لئے موجب تشویش ہوگی' بلکہ دینی مدارس کے علماء وطلباء کے شایان شان بھی نہیں ہوگی۔ اس لئے دینی مدارس کو ماڈرن بنانا نہ حکومت کے لئے مفید ہوگا' نہ دینی مدارس کے علماء وطلبہ کے لئے۔ ان کے لئے بوریائے فقر ہی موزوں ہے' اور ان کو اسی حالت میں رہنا اور رکھنا چاہئے۔ واللہ الموفق۔

(بینات رجب ۵ ۱۳۹ھ)

آرڈی نینس برائے قیام مدرسہ بورڈ

تجویز کردہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس وقت مختلف مسالک کی اپنے اپنے فکر کے مدارس پر مبنی وفاق اور تنظیمیں قائم ہیں' مذکورہ وفاقوں و تنظیموں میں وفاق المدارس العربیہ (دیوبندی) تنظیم المدارس (بریلوی) وفاق المدارس (اہلحدیث) اور وفاق المدارس (شیعہ) شامل ہیں' جو کہ اپنے اپنے ملحقہ مدارس کے آخری درجے کے امتحان کا انعقاد کرتے ہیں' اور وفاق/تنظیم کی جانب سے سند جاری کرتے ہیں مگر ایک بڑی تعداد ایسے مدرسوں کی ہے جن کا الحاق کسی وفاق یا تنظیم سے نہیں اور وہ اپنی اسناد خود جاری کرتے ہیں۔

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے ابتداءً چاروں مذکورہ بالا وفاق/تنظیم کی اسناد شہادۃ العالمیہ فی العلوم العربیہ والاسلامیہ کو ایم اے (اسلامیات' عربی) کی ڈگری کے مساوی قرار دیا تاکہ فاضلین مدارس تعلیمی اداروں میں ملازمت حاصل کر سکیں' بعد ازاں کچھ انفرادی مدارس کی اسناد کی معادلت بھی کی گئی' مگر ان اسناد کے معیار اور معتبر ہونے کے بارے میں بے شمار شکوک وشبہات وقتاً فوقتاً ظاہر کیے گئے' یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے ان معاملات میں مندرجہ ذیل شرائط بطور پیش بندی عائد کیں :

۱۔ سولہ سالہ نصاب کی ضمانت

۲۔ مختلف مرحلوں پر اسناد کا اجراء

۳۔ سند پر درجات اور دیگر کوائف کا اندراج وغیرہ

بایں ہمہ ملک میں ایک ایسے ادارے کی ضرورت ایک عرصے سے شدت سے محسوس کی جارہی ہے جو تمام مسلک کے مدارس' وفاقوں اور تنظیموں کے درمیان رابطے کا کام دے اور یکساں بنیاد پر مختلف درجات کے امتحانات کا انعقاد کرے اور اسناد جاری

کرے۔

نگراں کمیٹی برائے دینی مدارس کی قائم کردہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے جس میں تمام مکاتب فکر کے نمائندہ علماء شامل ہیں' اپنے اجلاس منعقدہ ۱۳ فروری ۱۹۸۵ء میں متفقہ سفارش کی :

ایک خود مختار ادارہ قائم کیا جائے جو کہ دینی مدارس کے امتحانات کا انعقاد ونتائج کا اعلان اور اسناد کا اجراء جیسے امور انجام دے اور اس کو ملک میں کسی بھی وفاق ر تنظیم یا انفرادی مدرسہ کے الحاق کا انعقاد ہو' اس کے قیام سے تمام مسائل جو اس وقت دینی مدارس کو درپیش ہیں' بشمول سندات کی معادات' نصاب کا معیار' وغیرہ حل کرنے میں مدد ملے گی۔

ہر گاہ کہ یہ انتہائی ضروری ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تمام دینی مدارس اپنی انفرادی آزادی' خود مختاری اور تقدس کے قائم رکھتے ہوئے مداخلت سے محفوظ ایک قانونی نظام میں منظم ہو کر تعلیم کے ایک ایسے مشترک معیار کو قائم کریں جو یکساں نصاب تعلیم' امتحانات' ذہنی وعلمی قابلیت کے درجات پر مشتمل ہو' اور جس کی بنیاد پر ایسی سندیں' ڈگریاں' سرٹیفکیٹ اور ڈپلومے دیئے جاسکیں' جو اپنی علمی وجاہت' مضامین کی درجہ بندی اور افادیت میں پاکستان کی یونیورسٹیوں اور دیگر امتحانی اداروں کے معیار کے مطابق ہوں نیز دینی مدارس کے طلباء کو وہی حقوق ومراعات حاصل ہوں جو عام نظام تعلیم کے طلباء کو میسر ہیں۔

اور ہر گاہ کہ فاضلین دینی مدارس جو اعلیٰ قابلیت اور اہلیت کے حامل ہوتے ہیں انہیں قومی نظام حیات کے جملہ شعبہ جات میں وہی حقوق ومراعات حاصل ہوں جو عام نظام تعلیم کے فاضلین کو حاصل ہیں۔

اور ہر گاہ کہ صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان مطمئن ہیں کہ ایسے سازگار حالات اور اجماع ملت موجود ہے کہ ان اغراض ومقاصد کو حاصل کرنے کے لئے فوری اقدام کئے جائیں' لہٰذا ان اختیارات کی رو سے جو اعلان ۵ جولائی ۱۹۷۷ء اور قوانین عامہ کے جاری

رہنے کے احکام ۱۹۷۷ء اور چیف مارشل لاء ناظم کے حکم نمبر ۱۹۷۷ء اور جملہ حاصل شدہ اختیارات کی رو سے جو صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان کو حاصل ہیں' صدر کے حکم سے مندرجہ ذیل آرڈی نینس جاری کیا جاتا ہے :

۱۔ مختصر عنوان واجراء۔

(الف) اس آرڈی نینس کو "دینی مدارس بورڈ آرڈی نینس 1405ھ، 1985ء کے نام سے منسوب کیا جائے گا۔

(ب) یہ آرڈی نینس پورے ملک میں فوری طور پر نافذ ہوگا۔

۲۔ تصریحات

اس آرڈی نینس میں مندرجہ ذیل الفاظ وتراکیب کے معنی بجز آنکہ وہ آرڈی نینس کی کسی دفعہ یا تصریح کے نقیض ہوں' یہ ہونگے :

(الف) بورڈ "بورڈ" سے مراد دینی مدارس پاکستان ہے جو اس آرڈی نینس کے تحت قائم کیا گیا اور جس کو آرڈی نینس میں لفظ "بورڈ" سے موسوم کیا جائے گا۔

(ب) صدر "صدر" سے مراد صدر دینی مدارس بورڈ پاکستان ہے۔

(ج) نائب صدر "نائب صدر" سے مراد نائب صدر دینی مدارس بورڈ پاکستان ہے۔

(د) معتمد (سیکریٹری) "معتمد" سے مراد وہ معتمد مراد ہے جسے بورڈ اس آرڈی نینس کے تحت مقرر کرے۔

(ر) کمیشن 'کمیشن سے مراد یونیورسٹی گرانٹس کمیشن ہے۔

(ز) حکومت' حکومت سے مراد وفاقی حکومت پاکستان ہے۔

(س) وفاق تنظیم سے مراد ایسا ادارہ ہے جو ایک مسلک کے مختلف دینی مدارس پر مشتمل ہے اور قانون کے مطابق رجسٹرڈ ہے۔

(د) مدارس ملحقہ سے مراد وہ مدارس دینیہ عربیہ ہیں جن کا مختلف وفاق/تنظیم کے ساتھ بورڈ کے ضوابط کے تحت الحاق ہو۔

(ط) ضوابط "ضوابط" سے مراد وہ ضابطے ہیں جو اس آرڈی نینس کے تحت بورڈ منظور کرے اور جن کا تعلق ان معاملات سے ہو جو اس آرڈی نینس کے ضوابط کے تحت طے کئے جانے قرار پائیں۔

(ظ) قواعد "قواعد" سے مراد وہ قواعد ہیں جو بورڈ ایسے معاملات کے متعلق طے کرے جو اس آرڈی نینس کی رو سے کئے جانے قرار پائیں۔

۳۔ بورڈ کا تقرر

....

(الف)

بورڈ برائے دینی مدارس پاکستان ایک خود مختار ادارہ ہوگا جسے قانونی حیثیت حاصل ہوگی، اور اسے دائمی وراثت اور توثیقی مہر رکھنے کے اختیارات اور اسی نام سے قانونی چارہ جوئی کرنے یا قانونی چارہ جوئی کے خلاف دفاع کے حقوق حاصل ہوں گے۔

(ب) حکومت جس قدر جلد ممکن ہوگا اس آرڈی نینس کے نفاذ کے بعد بورڈ کا قیام عمل میں لائے گی۔

ہیت ترکیبی

....

بورڈ کی ہیئت ترکیبی حسب ذیل ہوگی۔

۱۔ صدر

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کا چیئرمین بلحاظ عہدہ بورڈ کا صدر ہوگا۔

۲۔ نائب صدر چاروں وفاق (تنظیم) سے ہر سال باری باری شق نمبر ۴ (ب) (۴) کے تحت آنے والے ارکان سے بورڈ مقرر کرے گا۔

۳۔ معتمد کا تقرر بورڈ صدر کے مشورے سے کرے گا۔

(ب) ارکان

۴۔ چاروں وفاق (تنا ظیم) کے فاضلین۔

۵۔ دو ماہر تعلیم جن کا تقرر بورڈ کرے گا۔

۶۔ معتمد وزارت تعلیم یا ان کا نمائندہ جس کا رتبہ جائنٹ سیکریٹری سے کم نہ ہو۔

۷۔ معتمد وزارت مذہبی و اقلیتی امور یا ان کا نمائندہ جس کا رتبہ جائنٹ سیکریٹری سے کم نہ ہو۔

۸۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کا نمائندہ جس کا رتبہ کمیشن سے کم نہ ہو۔

۹۔ اسلامی یونیورسٹی کا ایک نمائندہ جسے رئیس الجامعہ نامزد کریں گے جس کا عہدہ نائب صدر یا ڈین سے کم نہ ہو۔

۱۰۔ ایک نمائندہ ایڈمنسٹریٹر جنرل زکوۃ بورڈ جس کا رتبہ جائنٹ سیکریٹری سے کم نہ ہو۔

(ج) اراکین کے ناموں کا اعلان یونیورسٹی گرانٹس کمیشن بذریعہ نوٹیفکیشن کرے گا۔

۵۔ قواعد و شرائط برائے اراکین بورڈ

(الف) باستثناء اراکین بلحاظ عہدہ' اراکین کی مدت رکنیت دو سال کے لئے ہوگی۔

(ب) بلحاظ عہدہ مقرر شدہ اراکین اپنا عہدہ چھوڑنے کے بعد رکن نہ رہیں گے۔

(ج) کسی رکن کی موت' استعفیٰ یا اخراج کی وجہ سے رکنیت کی جگہ خالی ہونے کی صورت میں اسے آرڈی نینس کی شرائط کے مطابق پر کیا جائے گا' اور یہ رکنیت بقیہ مدت کے لئے متصور ہوگی۔

(د) کوئی رکن رکنیت سے مستعفی ہونا چاہے تو صدر بورڈ کو تحریری استعفیٰ دے گا' مگر چیئرمین کی جانب سے منظوری تک یہ روبہ عمل نہ ہو گا۔

(ہ) اگر کوئی دماغی طور پر نا اہل ہوجائے یا کسی عدالت میں کسی اخلاقی جرم میں ماخوذ ہوکر مستوجب سزا قرار پائے تو وہ بورڈ کے فیصلے پر اپنی رکنیت سے خارج قرار پائے گا۔

(و) اراکین کا مشاہرہ' بھتہ وغیرہ بورڈ طے کرے گا۔

۶۔ بورڈ کے اختیارات و فرائض

....

(الف) اس آرڈی نینس کی شرائط کے تحت وفاق (تنظیم) کی علمی وانتظامی خود مختاری اور آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے بورڈ کو مندرجہ ذیل اختیارات حاصل ہوں گے۔

۱۔ وفاق (تنظیم) کے ساتھ مدارس کے الحاق کے لئے شرائط طے کرنا' اور ان پر عمل درآمد کی نگرانی۔

۲۔ وفاق (تنظیم) کے امتحان "شہادۃ العالیہ کا انعقاد" نتائج کا اعلان' اسناد کا اجراء اور دیگر ماتحت امتحانات کے انعقاد کی نگرانی۔

۳۔ حسب ضرورت دیگر ذیلی کمیٹیوں کا قیام اور ان کے اختیارات اور دائرہ کار کا تعین کرنا۔

۴۔ دینی مدارس کے کتب خانوں کے لئے معیار مقرر کرنا۔

۵۔ دینی مدارس کے اساتذہ کی علمی سطح کو بلند کرنے کے لئے اقدامات کرنا۔

۶۔ شہادۃ العالیہ کے امتحان کیلئے دینی مدارس کے طلباء کی مقرر شرائط پر رجسٹریشن اور داخلہ۔

۷۔ طلباء کی فلاح وبہبود، صحت، نظم وضبط واقامتی سہولیات کے لئے قواعد مرتب کرنا اور ان پر عمل درآمد کی سفارش کرنا۔

۸۔ وظائف انعامات اور تحائف دینے کا اہتمام کرنا اور اس کے لئے قواعد وضع کرنا۔

۹۔ ملحقہ مدارس کے امتحانات کے انعقاد کے لئے مختلف درجات پر نصاب کا معیار اور اس کی اصلاح کے لئے تجاویز مرتب کرنا۔

۱۰۔ ملحقہ مدارس میں ہم نصابی، تفریحی اور تعلیمی سرگرمیوں کی سرپرستی کرنا۔

۱۱۔ بورڈ کی جائیداد، آمدنی اور حاصل شدہ رقوم کا انتظام اور خرچ کی نگہداشت کرنا اور اس غرض کے لئے قواعد مرتب کرنا۔

۱۲۔ اس آرڈی نینس کے اغراض ومقاصد کے لئے معاہدے کرنا، ان کو منسوخ کرنا یا ان میں ترمیم کرنا۔

۱۳۔ سالانہ مالی میزانیہ منظور کرنا۔

۱۴۔ بورڈ کے مفاد میں منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کا حصول اور انتقال کرنا۔

۱۵۔ وقف قائم کرنا اور اس کا انتظام کرنا

۱۶۔ تمام انتظامی امور طے کرنا، اس غرض کے لئے بورڈ کے عملہ کے

تقرر اور آسامیوں کو منظور کرنا' بڑھانا یا گھٹانا اور عملہ کے فرائض اور کارکردگی سے متعلق قواعد وضوابط طے کرنا۔

۱۷۔ اس آرڈی نینس کے اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لئے عمارتوں' ساز وسامان' آلات' کتب اور دیگر اشیاء کی فراہمی کا انتظام کرنا۔

۱۸۔ دینی مدارس کی مالی اور ترقیاتی ضروریات کا جائزہ لینا اور ان کے لئے مناسب اعانت کا اہتمام کرنا۔

۱۹۔ ملحقہ دینی مدارس کو دی جانے والی سرکاری امداد میں ربط قائم کرنا۔

۲۰۔ بین الاقوامی اور اسلامی تنظیموں کے ساتھ رابطہ اور ان کی مدد سے نظام تعلیم میں اصلاح' تربیت اساتذہ اور اساتذہ وطلباء کے تبادلہ کا اہتمام کرنا۔

۲۱۔ اندرون ملک یا بیرون ملک قائم شدہ دینی مدارس یا دیگر اداروں کی سندات کی معادلت کرنا۔

۲۲۔ دینی مدارس کے بارے میں حکومت کو بوقت ضرورت مشورہ دینا اور رہنمائی کرنا۔

۲۳۔ ایسے دوسرے اقدام کرنا جس کو آرڈی نینس کے اغراض ومقاصد کیلئے بورڈ ضروری سمجھے۔

۲۴۔ بورڈ اپنے اختیارات جزوی طور پر کسی افسر کمیٹی یا سب کمیٹی جسے مناسب سمجھے تفویض کرنے کا مجاز ہوگا۔

۷۔ اختیارات وفرائض عہدے داران

صدر — چیئرمین یونیورسٹی گرانٹس کمیشن بلحاظ عہدہ بورڈ کا صدر ہوگا۔

فرائض واختیارات

....

۱۔ صدر اعلیٰ ترین انتظامی اور تعلیمی سربراہ ہوگا۔

۲۔ صدر اس امر کا اہتمام کرے گا کہ بورڈ کی ذیلی کمیٹیاں اور عہدے داران اس آرڈی نینس اور اس آرڈی نینس کے تحت جاری شدہ قواعد وضوابط کی پوری پابندی کریں' اس مقصد کے لئے صدر اپنے جملہ اختیارات بروئے کار لائے گا۔

۳۔ فوری ضرورت اور ہنگامی حالات میں صدر اپنی صوابدید کے مطابق تمام احکام جو بورڈ یا اس کی کسی کمیٹی یا عہدیداران کے اختیار میں ہوں' جاری کرنے کا مجاز ہوگا اور ایسے احکام کے بارے میں بورڈ کو آئندہ اجلاس میں مطلع کرے گا۔

۴۔ صدر کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ کسی موجودہ آسامی پر یا نئی آسامی پیدا کرکے کسی شخص کا کسی بھی عہدے پر زیادہ سے زیادہ چھ ماہ کے لئے مقرر کردہ شرائط وضوابط پر تقرر کرسکے۔

۵۔ صدر کو وہ تمام دیگر اختیارات حاصل ہوں گے جو بورڈ کے قواعد وضوابط کے تحت وقتاً فوقتاً اس کے سپرد کئے جائیں۔

(ب) نائب صدر

....

۱۔ نائب صدر کا تقرر بورڈ وفاق (تنظیم) سے باری باری ہر سال شق نمبر۴ (ب) (۴) کے تحت آنے والے ارکان میں سے کرے گا۔

۲۔ اس کا مشاہرہ اور دیگر مراعات بورڈ طے کرے گا۔

۳۔ بیماری یا چھ ماہ سے زائد غیر حاضری یا استعفیٰ کی صورت میں نائب صدر کا عارضی تقرر بورڈ کے مشورہ سے صدر کرے گا۔

۴۔ نائب صدر بورڈ کا انتظامی سربراہ ہوگا۔

۵۔ دیگر اختیارات جو اس آرڈی نینس کے ذریعے وقتاً فوقتاً بورڈ یا صدر

کی جانب سے تفویض کئے جائیں۔

(ج) معتمد (سیکریٹری)

....

۱۔ معتمد بورڈ کا کل وقتی افسر ہوگا' جس کا تقرر صدر کی سفارش پر بورڈ کرے گا۔

۲۔ اس کا مشاہرہ اور دیگر مراعات بورڈ طے کرے گا۔

۳۔ معتمد کے اختیارات وفرائض بورڈ طے کرے گا۔

۴۔ سیکریٹری کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ بورڈ اور چیئرمین کے احکام کی بجا آوری کا خیال رکھے اور بورڈ کی ایماء پر کئے گئے معاہدات پر عمل درآمد کرے اور وقتاً فوقتاً تفویض کئے گئے اختیارات کو بروئے کار لائے۔

۵۔ سیکریٹری کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس امر کا خیال رکھے کہ بورڈ کے فنڈ جس مقصد کے لئے دیئے گئے ہیں انہیں اسی کے تحت استعمال کیا جائے' اور بورڈ کو سالانہ میزانیہ اور حسابات کی رپورٹ پیش کرنا بھی معتمد کی ذمہ داری میں شامل ہوگا۔

۸۔ سرمایہ (فنڈ)

....

بورڈ کو وصول ہونے والے عطیات' حکومتی گرانٹس یا فیس سے وصول ہونے والی آمدنی وغیرہ پر مشتمل ایک فنڈ قائم کیا جائے گا۔

۹۔ مالیات

....

(الف) بورڈ کو اختیار ہوگا کہ اپنے سرمایہ کی افزائیت کے لئے مناسب رجسٹریشن اور امتحانی فیس مقرر کرے۔

(ب) بورڈ کا سرمایہ کسی منظور شدہ قومی بینک کے بلا سود کھاتے میں جمع ہوگا۔

(ج) بورڈ کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے سرمائے کا موزوں استعمال کرے اور اس کے لئے طریق کار کا تعین کرے۔

(د) بورڈ انتظامی اور دیگر اخراجات کے لئے اپنے سرمایہ سے خرچ کرے گا۔

حسابات اور احتساب

(الف) بورڈ کے حسابات باضابطہ رکھے جائیں گے۔

(ب) بورڈ کے حسابات کا احتساب سال بہ سال چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ (جو کہ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ آرڈی نینس (1961) کے تحت منظور شدہ ہو) سے کرایا جائے گا۔

(ج) ہر سال کے اختتام پر حسابات کا گوشوارہ اور تنقیح حسابات کی رپورٹ اور سالانہ رپورٹ بورڈ کمیشن کے توسط سے حکومت کو پیش کرے گا۔

ترمیم

(الف) ترمیم قواعد وضوابط یا ان کی منسوخی کے لئے وہی طریقہ کار اختیار کیا جائے گا جو قواعد وضوابط کی ترتیب اور نفاذ کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔

(ب) بورڈ اپنے اراکین کے لئے خصوصی الاؤنس راعزازیہ اور دیگر سہولتوں کا تعین کرے گا۔

ملازمین کے حقوق ومراعات

....

(الف) بورڈ اپنے ملازمین کے لئے بھرتی برائے ملازمت، ترقی، تبادلہ، مشاہروں، الاؤنسوں، پنشن، پراویڈنٹ فنڈ اور دیگر مراعات کے لئے قواعد وضوابط مرتب کرے گا۔

بورڈ کا اجلاس

....

(الف) بورڈ اپنے اجلاس کے طریق کار کا تعین خود کرے گا۔

(ب) بورڈ کے تمام فیصلے حاضر ارکان کی اکثریت سے طے ہوں گے، اور ووٹوں کی برابری کی صورت میں صدر یا اجلاس کے صدر نشین (صورت حال کے مطابق) کا ووٹ حتمی ہوگا۔

(ج) کسی قانونی سقم کی بنا پر بورڈ کا کوئی فیصلہ کالعدم نہیں قرار دیا جاسکے گا۔

(د) اجلاس کے لئے کورم پچاس فیصد ہوگا، جزو کو پورا سمجھا جائے گا۔

صدر دفتر

....

(الف) بورڈ کا ایک مستقل دفتر اسلام آباد میں ہوگا۔

عدالت کی طرف سے دخل اندازی کا امتناع

....

(الف) کوئی عدالت اس امر کی مجاز نہ ہوگی کہ اس آرڈی نینس کی رو سے بورڈ کے مرتب کردہ قواعد وضوابط کے مطابق انجام دی جانے والی کسی مجوزہ کاروائی کو زیر بحث لائے یا اس کے بارے میں حکم امتناعی جاری کرے۔

(ماہنامہ بینات رجب ۱۴۰۵ھ)

مساجد پر قبضہ اور حکومت کی نااہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ' اما بعد

ہمارے یہاں تشدد کا رجحان ہر شعبہ زندگی میں تیزی سے بڑھ رہا ہے' قریب قریب اب یہ ہمارا "قومی مزاج" بنتا جارہا ہے کہ ہمیں جن جذبات کا بھی اظہار کرنا ہو جو مطالبہ بھی منوانا ہو' اور اپنی جو بات بھی دوسرے کو سمجھانی ہو وہ لاٹھی ڈنڈا' گولی' بندوق اور بم کی زبان میں سمجھائی جائے' تعلیم گاہوں اور صنعتی اداروں میں تو تشدد کے واقعات روزمرہ کے معمول تھے ہی رفتہ رفتہ مولوی صاحبان نے بھی "مساجد پر قبضہ" کرنے کے لئے یہ زبان سیکھ لی۔ ملک میں ایک فرقہ نے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ "مساجد پر قبضے" کی یہ مہم چلا رکھی ہے' اس کے لئے غنڈوں کی فوج ظفر موج تیار کر رکھی ہے' اور جب مناسب موقع میسر آتا ہے "مسجد پر قبضہ" کرلیا جاتا ہے اگر دوسرے فریق کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہو تو "سب اچھا" اور اگر مزاحمت ہو تو مسجد "سیل" کرادی جاتی ہے۔ اعداد وشمار کے مطابق صرف کراچی میں اب تک تقریباً پچاس مساجد پر دھاوا بولا جاچکا ہے۔ یہاں بطور مثال چند مساجد کا تذکرہ مناسب ہوگا۔

حقانی مسجد۔ مہاجر کیمپ بلدیہ ٹاؤن کراچی۔

یہ مسجد قریباً بیس سال پہلے دیوبندی مکتبہ فکر کے حضرات نے تعمیر کی تھی تب سے اب تک انہی حضرات کے زیر انتظام چلی آتی تھی' مسجد انتظامیہ کے صدر جناب عبدالغنی صاحب تبلیغی چلے پر تشریف لے گئے' ان کی غیر موجودگی میں اس مسجد پر غنڈوں کی مدد سے "جہاد" کیا گیا' مسجد کے خدام کو نکال باہر کیا اور مسجد پر جبراً قبضہ کرلیا۔ تاحال مقدمہ

عدالت میں زیر سماعت ہے اور مسجد ان "مجاہدین" کے قبضہ میں ہے۔

۲۔ جامع مسجد نیو میانوالی کالونی : نزد مصطفیٰ آباد کراچی۔

اس مسجد کی بنیاد بھی علمائے دیوبند سے تعلق رکھنے والے حضرات نے رکھی اور انہی کے زیر انتظام چلی آتی تھی، "صلوٰۃ وسلام" کے مقدس نام پر اس میں جھگڑا کیا گیا۔ فوجداری ہوئی، معاملہ پولیس تک گیا، وہاں سے ڈی سی صاحب کے یہاں بھیجا گیا، موصوف نے اے ڈی سی کے پاس منتقل کردیا، انہوں نے کچھ عرصہ کی تاخیر اور ٹال مٹول کے بعد اسے ایس ڈی ایم کے پاس بھیج دیا، انہوں نے غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسجد "سیل" کردی، اور خانہ خدا کو عبادت کے لئے ممنوع قرار دے دیا گیا۔

مسجد کی انتظامیہ نے عدالت سے رجوع کیا، عدالت نے مسجد کی سابقہ انتظامیہ کے حق میں فیصلہ دیدیا، ڈی سی صاحب کی بارگاہ میں عدالت کا فیصلہ پیش کیا گیا، موصوف نے متعدد بار کی ٹال مٹول کے بعد یہ فرمایا کہ اگر عدالت ہمیں لکھ دے کہ تم ان کو قبضہ دے دو تو ہم قبضہ دلادیں گے، ورنہ نہیں۔

۳۔ مسجد فردوس، خاموش کالونی :

یہ مسجد عرصہ دراز سے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے زیر انتظام چلی آتی تھی، مسجد کا ٹرسٹ بھی علمائے دیوبند کے نام تھا، باہر کے چند نمازیوں نے (جن کا مسجد اور محلے سے کوئی تعلق نہیں) اس کا جعلی ٹرسٹ بنالیا۔ انتظامیہ نے تھانہ گلبہار کے انچارج سے رجوع کیا، انہوں نے یہ کیس ڈی سی کو بھیج دیا، ڈی سی صاحب نے ایس ڈی ایم کے حوالے کردیا، انتظامیہ نے عدالت سے رجوع کیا، اور اس جعلی ٹرسٹ کو کالعدم قرار دینے کی درخواست کی، معاملہ ابھی تک عدالت میں ہے اور ہنوز روز اول ہے۔

اسی قسم کے واقعات دوسری مساجد کے ہیں جن کے نتیجہ میں مندرجہ ذیل مساجد کے مقدمات زیر سماعت ہیں :

۱۔ طیبہ مسجد طارق روڈ، پی ای سی ایچ ایس۔

۲۔ مدینہ مسجد کورنگی نمبر۲، کراچی۔

۳۔ جامع مسجد صدیقیہ لیاقت کالونی۔ میمن سوسائٹی کراچی۔

۴۔ جامع مسجد الہلال کورنگی (پونے چھ نمبر) کراچی

۵۔ راشدی مسجد کورنگی، کراچی۔

۶۔ جامع مسجد عیدگاہ۔ لال مارکیٹ۔ نئی کراچی

۷۔ غوثیہ مسجد بنگوری محلہ مہاجر کیمپ۔ کراچی

۸۔ مکی مسجد اورنگی ٹاؤن۔

۹۔ مسجد بھینس کالونی۔ مین بس اسٹاپ

۱۰۔ مسجد اقصیٰ کورنگی۔

۱۱۔ کوثر مسجد۔ شاہ فیصل کالونی۔

۱۲۔ رحمانیہ مسجد۔ لانڈھی۔

۱۳۔ جامع مسجد بلال اورنگی ٹاؤن۔

۱۴۔ مسجد صدیقیہ۔ فقیر کالونی۔ بلدیہ ٹاؤن۔

۱۵۔ مدینہ مسجد قصبہ کالونی۔

۱۶۔ مدینہ مسجد پنجاب کالونی۔

۱۷۔ اللہ والی مسجد شیریں جناح کالونی۔

۱۸۔ بخاری مسجد لارنس روڈ۔

۱۹۔ جامع گلزار حبیب بلال کالونی، بلدیہ، گلشن غازی۔

۲۰۔ جامع مسجد برمی کالونی۔

۲۱۔ غوثیہ حنفیہ مسجد ڈی ۶ سی ۶ نزد لال مارکیٹ نیو کراچی

۲۲۔ حمادیہ مسجد موسیٰ کالونی۔ فیڈرل بی ایریا۔

۲۳۔ راشدی مسجد۔ نیو کراچی۔

۲۴۔ رحمانیہ مسجد۔ پی ای سی ایچ ایس (سوسائٹی)

۲۵۔ صابری مسجد لال مارکیٹ۔ نیو کراچی۔

مساجد پر قبضہ کی یہ مہم کتنے ہولناک نتائج اپنے اندر رکھتی ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ سب سے پہلے تو اس سے حکومت کی نااہلی کا اندازہ ہوتا ہے جس دور حکومت میں "اللہ کے گھر" بھی محفوظ نہ رہیں وہ غنڈوں کی آماجگاہ اور پولیس کی "کاروائی" کا میدان بن جائیں وہ حکومت شہریوں کی جان ومال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی کیا ضمانت دے سکتی ہے؟

پولیس کا ادارہ تو کافی عرصہ سے اپنے کارناموں کی وجہ سے "نیک نام" ہے بے گناہوں کو پھانس لینا اور مجرم کو نظر انداز کردینا پولیس کا معمولی کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ انتظامیہ کے اعلیٰ افسران اور ذمہ دار افراد بھی نہ صرف یہ کہ ظلم وستم اور درندگی کے انسداد کے لئے کچھ نہیں کرتے بلکہ وہ ظالموں اور درندہ صفت غنڈوں کی حمایت کرتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ جب سے ایک خاص مکتب فکر کے لوگوں کو کرسی وزارت تفویض ہوئی ہے یہ واقعات شدت کے ساتھ رونما ہونے لگے ہیں۔ شاید ایسے ہی موقعوں کے لئے کہا گیا ہے "خدا گنجے کو ناخن نہ دے"۔

ملک کی انتظامیہ، جس کا اولین فرض شہریوں کے جان ومال کا تحفظ ہے اگر وہی "اوپر کے اشارے" سے غنڈوں کی پشت پناہی کرنے اور مظلوم کے بجائے ظالم کی پیٹھ ٹھونکنے لگے تو یہ اس ملک وقوم کے لئے نیک فال نہیں۔

اس قسم کے واقعات سے دین اور اہل دین کی جو بے آبروئی اور جگ ہنسائی ہو رہی ہے، وہ محتاج تشریح نہیں۔ لادین طبقہ "مولویوں کی لڑائی" پر بغلیں بجاتا ہے، اور ان واقعات کو دین اور اہل دین سے متنفر کرنے میں استعمال کرتا ہے، اسے ظالم ومظلوم اور حق وناحق سے بحث نہیں ہوتی، وہ یہ دیکھتا ہے کہ اہل علم اور اہل دین کس گھٹیا اخلاق وکردار کا مظاہرہ کررہے ہیں۔

جب قانون کا رعب اور حکومت کا دبدبہ ختم ہوجائے تو اس سے طوائف الملوکی جنم لیتی ہے، اور ہر شخص اپنے تحفظ کے لئے آزادانہ ذرائع استعمال کرنے پر مجبور ہوجاتا

ہے' اگر "مساجد پر جبری قبضہ" کی یہ غنڈہ مہم بدستور جاری رہی اور اس کا انسداد نہ کیا گیا تو اس کا نتیجہ طوائف الملوکی کے سوا کچھ نہیں ہوگا' اور یہ آگ پھیلتے پھیلتے پورے ملک اور معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔ بہرحال جہاں انتظامیہ کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کمزوری' بزدلی اور جانب داری کے ذریعہ حکومت کی آبرو کو بٹہ نہ لگائے' وہاں دیوبندی مکتب فکر کو یہ سوچنا چاہئے کہ جہد للبقا کے لئے کون سی اجتماعی' مگر پر امید تدابیر کی ضرورت ہے۔

والحمد للہ اولاً وآخراً۔

وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقه سیدنا محمد
النبی الامی وعلٰی آله واصحابه اجمعین۔

(ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ)

بابری مسجد کا قضیہ
اور مسلم کش تحریک کی نئی لہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

انگریز کے دور اقتدار سے پہلے ہندوستان پر قریباً ایک ہزار سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی۔ اس طویل ترین دور اقتدار میں مسلم سلاطین نے عموماً عدل وانصاف اور طبقاتی مساوات کا دامن تھامے رکھا اور ملک کی رعایا کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک روا نہیں رکھا اور مذہبی تعصب کی بنیاد پر کسی گروہ کو جور وستم کا نشانہ نہیں بنایا۔ یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ' جو اپنے دینی تقشف کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں' ان کے امراء لشکر اور ارکان دولت میں بہت سے نام غیر مسلموں کے آتے ہیں۔

انگریز نے ہندوستان کی حکومت مسلمانوں سے چھینی اور ڈیڑھ دو سو سال کے مکر وفریب کے بعد جب ۱۸۵۷ء میں ہندوستان پر انگریز کا تسلط ہوا تو "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی کے تحت ہندوستان کے گزشتہ مسلمانوں کی کردار کشی کی گئی' ان کی تاریخ کو مسخ کیا گیا اور ان کے مظالم کے فرضی افسانے مرتب کئے گئے اور مسلمانوں کے خلاف ہندو آبادی کے دل میں نفرت وبیزاری کے جذبات پیدا کئے گئے جس کے نتیجہ میں ہندوؤں کی متعدد انتہاء پسند تنظیمیں وجود میں آئیں جن کے دل میں انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے اور وہ ہندوستان میں مسلمانوں کے وجود کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھے بلکہ انہیں حرف غلط کی طرح مٹادینے کے لئے ہمہ دم آمادہ رہتے تھے۔

بتاریخ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی آزادی کے بعد ان تنظیموں کی مسلم کش

تحریک میں مزید شدت و وسعت پیدا ہوتی گئی۔ بے شمار مسلمانوں کو ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ رستا خیز میں تیغ ستم کا نشانہ بنایا گیا' بہت سے مسلمانوں کو تبدیلی مذہب پر مجبور کیا گیا۔ اس کے باوجود ان کی آتش انتقام سرد نہیں ہوئی بلکہ جب سے اب تک ہندوستان کے مسلمان ان ہندو تنظیموں کی وجہ سے مظالم کا تختہ مشق بنے ہوئے ہیں۔ ہندوستان کے مختلف صوبوں' علاقوں کے شہروں اور دیہات میں وقفے وقفے سے مسلم کش فسادات کی لہر اٹھتی ہے جو سینکڑوں جانوں کے اتلاف اور لاکھوں کروڑوں روپے کے نقصان پر منتج ہوتی ہے۔ اس کے شعلے ابھی ٹھنڈے نہیں ہوپاتے کہ فسادات کا دوسرا ریلا آجاتا ہے۔ اس طرح قریباً تواتر کے ساتھ ان فسادات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ہندوستان کے یہ مسلسل فسادات جو ایک جگہ سے شروع ہوتے ہیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتے ہیں' نسل کشی کا ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے جس کے لئے بہت معمولی باتوں کو بہانہ بنالیا جاتا ہے۔

گزشتہ دنوں بابری مسجد کے قضیہ کو مسلمانوں کے قتل عام کا بہانہ بنالیا گیا۔ اجودھیا کی بابری مسجد' جو بابر بادشاہ سے منسوب ہے' صدیوں سے چلی آتی ہے۔ انگریز کے دور حکومت میں ہندوؤں نے اس کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھائی۔ ۱۹۴۷ء میں جب انگریز رخصت ہوا تو یہ مسجد متنازع فیہ قرار دے دی گئی۔ ہندوؤں کی طرف سے دعویٰ کیا گیا کہ یہ مسجد ان کی "رام جنم بھومی" کو مسمار کرکے بنائی گئی ہے۔ عدالت نے مسجد کو مقفل کردیا۔ ہندوؤں کا مطالبہ تھا کہ بابری مسجد کی جگہ "رام بھومی مندر" تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے۔ عدالت نے مندر کی تعمیر پر پابندی لگادی تھی مگر ہندوؤں کی متعصب تنظیم "آل انڈیا ہندو کمیٹی" نے اعلان کیا کہ بابری مسجد کی جگہ "رام جنم بھومی" مندر تعمیر کیا جائے اور ہندوؤں سے اپیل کی گئی کہ ہر ہندو اس مندر کے لئے ایک اینٹ اور سوا روپیہ دے۔ ان اینٹوں اور چندے کو اجودھیا پہنچانے کے لئے مذہبی جلوسوں کا بھی اعلان کیا گیا۔ یہ اعلان دراصل پورے ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیزی کی سازش تھی۔ چنانچہ ۹ نومبر ۸۹ء کو مسجد کے قریب "رام جنم بھومی" مندر کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

اخباری اطلاعات کے مطابق :

"یہ رسم زبردستی فوجی پہرے میں ادا کی گئی"۔

"اس موقعہ پر ہندو لیڈروں نے نہایت اشتعال انگیز تقریریں کیں"۔

" بابری مسجد کو منہدم کرنے کے عہد کی تجدید کی"۔

"یہ عہد بھی کیا کہ ہر قیمت پر ہندوستان کو ہندو ریاست بنایا جائے گا"۔

"بنیاد پرست ہندو جو ہزاروں کی تعداد میں وہاں جمع تھے' آدھ گھنٹے تک منتروں کا جاپ کرتے رہے اور جب سنگ بنیاد رکھنے کی رسم شروع ہوئی تو انہوں نے دیوانہ وار تالیاں بجائیں اور سنکھ پھونکے' سنگ بنیاد کی جگہ کے قریب بابری مسجد کو ہزاروں سپاہیوں نے گھیرے میں لے رکھا تھا"۔

"اس جھگڑے پر فرقہ وارانہ فسادات میں کم سے کم چھ سو افراد ہلاک ہوچکے ہیں"۔

"چند روز پہلے الہ آباد ہائی کورٹ نے اس مندر کی تعمیر پر پابندی لگادی تھی جس کے بعد حکام نے بظاہر عدالت کا یہ فیصلہ کالعدم کردیا"۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اس مندر کی تعمیر اور اس کے لئے پورے ہندوستان سے اینٹیں اور چندہ لانے والے "مذہبی جلوسوں" کا سلسلہ مسلمانوں کے خلاف خونی ڈرامہ کھیلنے کا ایک بہانہ تھا جس کے نتیجہ میں جگہ جگہ مسلمانوں کا قتل عام شروع کردیا گیا' فوج اور پولیس ستم پیشہ ہندوؤں کی پشت پناہ ہے اور حکومت ان کے سامنے بظاہر عاجز اور بے بس نظر آتی ہے مگر درپردہ وہ بھی ان کی مدد و معاون ہے۔

پاکستان میں اس بربریت اور سفاکی پر احتجاج کیا گیا' جلوس نکالے گئے' احتجاجی قراردادیں پاس کی گئیں' حکومتی سطح پر احتجاج کیا گیا لیکن راجیو گاندھی کی طرف سے

جواب یہ ملا : "یہ بھارت کے اندرونی معاملات میں مداخلت ہے"۔

اور اس ٹکے سے جواب کے بعد پاکستان کے خواتین و حضرات پر مہر سکوت لگ گئی اور یہ قصہ رفت و گزشت ہوا۔ بلکہ پاکستان میں اس ظلم کے خلاف احتجاج کرنے والوں پر پولیس نے ڈنڈے برسائے اور غریب مسلمان ابھی تک جیلوں میں بند ہیں۔

اس امر کی وضاحت کی ضرورت نہیں کہ بھارت کے مسلمانوں کو آج تک "پاکستان" کے حوالے سے سزا دی جارہی ہے اور ان پر مظالم ڈھائے جارہے ہیں انکی سب سے زیادہ ذمہ داری پاکستان کی حکومت اور عوام پر عائد ہوتی ہے لیکن غیر مسلم طاقتوں نے خود پاکستان کو انتشار و افتراق کی بھٹی میں دھکیل رکھا ہے تاکہ وہ اپنے مسائل میں اس قدر الجھا رہے کہ اس کو کسی اور کی طرف آنکھ اٹھاکر دیکھنے کی فرصت ہی نہ ملے۔

پاکستان کے بعد اسلامی ممالک کے بڑوں کا فرض تھا کہ وہ بھارتی مسلمانوں کی حالت زار پر توجہ کریں اور بھارت کی حکومت کے خلاف موثر احتجاج کریں۔ دنیا میں بہت سے ادارے اور تنظیمیں موجود ہیں جو بزعم خود مذہب وملت کی تفریق سے بالاتر ہوکر محض انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرتی ہیں اور دنیا بھر کے مظلوموں کے حق میں آواز بلند کرتی ہیں۔ ان تنظیموں کی نازک مزاجی کا یہ عالم ہے کہ پاکستان میں حدود شرعیہ کے نفاذ کی بات ہوتی ہے تو یہ تنظیمیں اسے عورتوں کے خلاف سازش قرار دے کر اس کے خلاف بین الاقوامی سطح پر صدائے احتجاج بلند کرتی ہیں لیکن بھارت میں عورتوں اور بچوں کو بے دریغ قتل کیا جارہا ہے اس پر انہیں احتجاج کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ پاکستان میں قادیانیوں کی سازشی سرگرمیوں پر گرفت کی جاتی ہے تو اقوام متحدہ سے لے کر مغربی پریس تک سراپا احتجاج بن جاتے ہیں اور بھارت میں مسلمانوں کا جو قتل عام ہورہا ہے' ان کی املاک کو لوٹا جارہا ہے' ان کی دوکانوں اور کارخانوں کو نذر آتش کیا جارہا ہے اور ان کی عزت وناموس اور جان ومال پر مسلسل حملے کئے جارہے ہیں' اس پر نہ اقوام متحدہ کا جذبہ تحفظ انسانیت بیدار ہوتا ہے نہ مغربی تنظیموں کے ٹھنڈے خون میں حرارت پیدا ہوتی ہے' نہ مغربی پریس کا جذبہ انسانیت بیدار ہوتا ہے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ (جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ)

دینی مدارس کے خلاف زہرافشانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد

روزنامہ جنگ کراچی (۲جنوری ۱۹۹۰ء) کی اشاعت میں ادارتی صفحہ پر احمد ندیم قاسمی کا کالم شائع ہوا جس میں ایک مراسلہ نگار کے حوالے سے مدارس عربیہ کے خلاف زہرافشانی کی گئی ہے۔ قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

"ویسا ضلع اٹک سے شیر علی خاں صاحب رقم طراز ہیں کہ آپ نے اپنے ایک کالم میں "یہ خوبصورت الفاظ" لکھے تھے کہ "جو قومیں اپنے ذہن سے سوچنا ترک کر دیتی ہیں بلکہ بعض مسائل کے بارے میں سوچنا گناہ سمجھتی ہیں وہ اپنے آپ کو منجمد کر ڈالتی ہیں۔" ان الفاظ کے حوالے سے انہیں بعض دینی مدارس یاد آ گئے۔ شیر علی صاحب کا ارشاد ہے کہ کچھ عرصہ پہلے پنجاب میں زکوٰۃ کے چیف ایڈمنسٹریٹر نے بتایا تھا کہ گزشتہ نو سال میں دینی مدارس کو ۳۳ کروڑ ۸۴ لاکھ ۲۰ ہزار روپے زکوٰۃ فنڈ میں سے دیئے گئے اور اس رقم سے ۲۰۸۴ دینی مدارس کے ۸۸ ہزار سات سو پچانوے طلبہ نے استفادہ کیا۔ شیر علی صاحب نے ایڈمنسٹریٹر صاحب کو لکھا کہ براہِ کرم ان اعداد و شمار کے علاوہ یہ بھی بتایئے کہ ان دینی مدارس میں پڑھایا کیا جاتا ہے؟ وہاں کون لوگ پڑھتے ہیں؟ پڑھانے والے کون ہیں؟ اور کس قدر تعلیم یافتہ ہیں؟ کیا ان دینی مدارس میں کوئی ایسا بچہ بھی پڑھتا ہے جو کسی کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا ہو؟ کیا وہ سیاسی عناصر جو ہمہ وقت اسلام اور اسلامی نظام کی رٹ لگائے رکھتے ہیں، ان مدرسوں میں اپنے بچوں کو پڑھنے کے لئے بھیجتے ہیں؟ اگر نہیں

بھیجتے اور یہ طے ہے کہ نہیں بھیجتے تو معلوم ہونا چاہئے کہ کیوں نہیں بھیجتے؟

جو طلبہ ان مدرسوں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں وہ کسی مسجد میں امامت کے علاوہ کیا اور کسی کام کے قابل ہوتے ہیں؟ جب کہ امامت کا معاملہ بھی مشکوک رہتا ہے کیونکہ ہماری مسجدیں بھی تو دیوبندی اور بریلوی اور شیعہ اور سنی اور اہلحدیث اور وہابی وغیرہ وغیرہ میں تقسیم ہو چکی ہیں۔ یا پھر صاف صاف کہئے کہ ان مدرسوں کے صرف یہ فوائد ہیں کہ منتظمین کی روٹی چلتی ہے اور غریب بچے جو دوسرے اسکولوں میں نہیں پڑھ سکتے یہاں داخل ہو جاتے ہیں، مانگے تانگے کی روٹی کھاتے ہیں اور جب مدرسوں سے فارغ ہو کر نکلتے ہیں تو جب بھی ان بے چاروں کا گزارہ مفت کی روٹی پر ہوتا ہے تو کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ مروجہ تمام مضامین ریاضی اور سائنس اور تاریخ وغیرہ کے علاوہ قرآن مجید کی تعلیم کو لازمی قرار دیا جائے۔ قرآن مجید مسلمانوں کے ہر فرقے کا مشترکہ سرمایہ ہے اس لیے قرآن پاک کی تعلیم سے فرقہ سازی کی بیماری بھی ختم ہو جانے کا امکان ہے اور دین و دنیا کی تفریق کا بھی۔ شیر علی خان صاحب کے یہ مبارک خیالات ہماری طرف سے کسی نوع کے اضافے کے محتاج نہیں ہیں۔"

مراسلہ نگار نے دینی مدارس کے طلبہ پر نو سال میں ۳۳ کروڑ ۸۴ لاکھ ۲۰ ہزار روپے کی زکوٰۃ خرچ کرنے کا جو احسان دھرا ہے ذرا حساب لگا کر دیکھئے کہ یومیہ فی طالب علم کتنی رقم بیٹھتی ہے۔

ان دنوں پر مذکورہ بالا ۳۳۸۴۲۰۰۰۰ روپے کی رقم کو تقسیم کیا گیا تو فی دن خرچ ہونے والی زکوٰۃ ہوئی ۱۰۳۰۲۰ روپے۔

اور ایک لاکھ تین ہزار بیس روپے کی رقم کو اٹھاسی ہزار سات سو پچانوے طلبہ پر

تقسیم کیا گیا تو فی طالب علم یومیہ رقم ہوئی ایک روپیہ سولہ پیسے۔ گویا مراسلہ نگار کی ساری غوغا آرائی کا حاصل یہ ہوا کہ دینی تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم کو ایک روپیہ سولہ پیسے کی زکوٰۃ کیوں دی گئی؟ اس قوم کی بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کی داد دینی چاہئے جس کے افراد اپنے دین کی تعلیم پر ایک روپیہ سولہ پیسے کی "خطیر" رقم خرچ کرنے پر احتجاج کر رہے ہوں اور وہ بھی ٹیکس کی رقم سے نہیں بلکہ زکوٰۃ کی رقم سے۔ افسوس ہے کہ ان اعداد و شمار کو پیش کرتے ہوئے نہ تو مراسلہ نگار کو گھن آئی اور نہ ہمارے ملک کے نامور ادیب جناب احمد ندیم قاسمی کو مراسلہ نگار کے ان گھٹیا اور "نامبارک خیالات" کو اپنے کالم میں جگہ دیتے ہوئے کوئی خفت محسوس ہوئی۔

محترم مراسلہ نگار نے چیف ایڈمنسٹریٹر صاحب سے دینی مدارس کے طلباء پر خرچ کی گئی زکوٰۃ کے اعداد و شمار تو بڑی دلچسپی سے معلوم کر کے شائع کر دیئے (حالانکہ مراسلہ نگار کو بھی اعتراف ہے کہ جن طلبہ پر یہ زکوٰۃ (ایک روپیہ سولہ پیسے یومیہ) خرچ کی گئی وہ نادار ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کا صحیح مصرف تھے) کاش کہ انہوں نے چیف ایڈمنسٹریٹر صاحب سے یہ معلوم کرنے کی زحمت فرمائی ہوتی کہ اس نو سال کے عرصہ میں زکوٰۃ کا بے محل استعمال کس قدر ہوا؟ کتنی رقم اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبا پر (مسلم و غیر مسلم کی رعایت کئے بغیر) خرچ کی گئی؟ کتنی رقم نام نہاد رفاہی کاموں میں بغیر تملیک کے لگا دی گئی؟ کتنی رقم سرکاری اہلکاروں کے حصہ میں آئی؟ کتنی رقم بطور رشوت استعمال کی گئی؟ اور جتنی رقم دینی مدارس کو دی گئی اس میں سے کتنا کمیشن زکوٰۃ کے عملہ نے وصول کر لیا؟ شاید اس کا ریکارڈ جناب چیف صاحب کے دفتر میں بھی محفوظ نہیں ہوگا لیکن کراماً کاتبین کے دفتر میں یقیناً محفوظ ہے۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ زکوٰۃ کی جو رقم اپنے صحیح مصرف پر خرچ کی گئی اس پر تو جارحانہ انداز میں احتجاج کیا جارہا ہے اور زکوٰۃ کی جو رقم ایسی جگہوں پر خرچ کی گئی جن سے زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ہی ادا نہیں ہوئی، اس پر نہ کوئی سوال اور نہ احتجاج؟

مراسلہ نگار نے سوال کیا ہے کہ ان دینی مدارس میں کیا پڑھایا جاتا ہے؟ وہاں کون لوگ پڑھتے ہیں؟ پڑھانے والے کون اور کس قدر تعلیم یافتہ ہیں؟ کیا ان دینی مدارس میں

کوئی ایسا بچہ بھی پڑھتا ہے جو کسی کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا ہو؟

مراسلہ نگار کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ان دینی مدارس میں قرآن کریم' حدیث نبوی' اسلامی قانون' اسلامی عقائد وغیرہ علوم نبوت پڑھائے جاتے ہیں اور بعض وہ علوم بھی' جو ان علوم کے لیے موقوف علیہ کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے بغیر قرآن و حدیث اور دیگر اسلامی علوم کا سمجھنا ممکن نہیں' اگر مراسلہ نگار کی نظر میں ان علوم نبوت کی کوئی قیمت نہیں تو ہم انہیں عقل و فہم کے لحاظ سے معذور سمجھتے ہیں اور اگر ان کے خیال میں ان علوم کا زندہ رکھنا اور ان میں تخصص پیدا کرنا بھی امت کی ذمہ داری ہے تو دینی مدارس کے خلاف مراسلہ نگار کی "غوغا آرائی" "آوازِ سگاں کم نہ کند رزق گدارا" کا مصداق ہے۔

رہا یہ کہ ان دینی مدارس میں کون لوگ پڑھتے ہیں جواباً گزارش ہے کہ مراسلہ نگار کو مطمئن رہنا چاہئے کہ بحمد اللہ! وہاں سکھوں اور یہودیوں کے بچے نہیں پڑھتے بلکہ مسلمانوں کے بچے ہی زیر تعلیم ہیں۔

مراسلہ نگار پوچھتے ہیں کہ دینی مدارس میں پڑھانے والے کون ہیں؟ اور کس قدر تعلیم یافتہ ہیں؟ جواباً گزارش ہے کہ جو شعبہ دینی مدارس کے اساتذہ کے سپرد ہے وہ بحمداللہ! اس میں مہارت رکھتے ہیں اور بغیر کسی فخرو مباہات کے کہا جا سکتا ہے کہ اس شعبہ میں بڑے بڑے پی ایچ ڈی ان کے سامنے طفل مکتب کی حیثیت رکھتے ہیں' باقی یہ مراسلہ نگار کی بلند نظری ہے کہ ان کے نزدیک یہود و نصاریٰ کے علوم کو پڑھنے پڑھانے والے تو تعلیم یافتہ ہیں لیکن علوم نبوت کے پڑھنے پڑھانے والے ان کی نظر میں تعلیم یافتہ نہیں۔

رہا مراسلہ نگار کا یہ کہنا کہ کیا ان مدارس میں کوئی ایسا بچہ بھی پڑھتا ہے جو کسی کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں چند گزارشات ہیں۔

اول، تو مراسلہ نگار کی اطلاع کے لیے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بحمد اللہ! ان مدارس میں ایک معقول تعداد ان طلبہ کی بھی ہے جن کا تعلق کھاتے پیتے مگر دیندار گھرانوں سے ہے' مراسلہ نگار ذرا زحمت فرما کر ملک کے اہم دینی مدارس میں تشریف لے جائیں' وہاں جا کر بچشم خود ملاحظہ فرمائیں۔

دوم: اگر فرض کرلیاجائے کہ ان دینی مدارس میں ایک بچہ بھی ایسا نہیں پڑھتا جس کا تعلق کھاتے پیتے گھرانے سے ہو تو مراسلہ نگار ہی بتائیں کہ اس میں قصور دینی مدارس کا ہے؟یا کھاتے پیتے گھرانوں کا؟ اگر کھاتا پیتا گھرانا دولت کی بدمستی میں دین اور دینی تعلیم سے بے نیاز ہو چکا ہے تو یہ اس کی اپنی بدبختی و شقاوت ہے' دین 'دینی تعلیم اور دینی مدارس پر کیا الزام ہے؟ یہ حق تعالیٰ شانہ کی تقسیم ہے کہ اکثروبیشتردین اور دینی علوم کے پاسبان غریب اور پسماندہ طبقہ ہی رہا ہے۔

سوم: مراسلہ نگار کا دینی مدارس پر یہ طنز کرنا کہ کھاتے پیتے گھرانوں کے بچے ان میں کیوں تعلیم نہیں پاتے؟ یہ بالکل وہی بات ہے جو مکہ کے کافر قرآن کریم پر طنز کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ یہ قرآن ایک غریب آدمی پر کیوں نازل کیا گیا' مکہ اور طائف کی دو بستیوں میں سے کسی کھاتے پیتے آدمی پر یہ قرآن کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ کیسی ستم ظریفی ہے کہ مراسلہ نگار آج کفار مکہ کی ترجمانی کرتے ہوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں پر وہی پھبتی اڑا رہے ہیں جو کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اڑایا کرتے تھے۔

مراسلہ نگار لکھتے ہیں کہ جو طلبہ ان مدارس سے فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں وہ کسی مسجد کی امامت کے علاوہ کیا اور کسی کام کے قابل ہوتے ہیں؟ گویا مسجد کی امامت اور دوسرے دینی مشاغل مراسلہ نگار کے نزدیک کوئی کام ہی نہیں' بھنگیوں کا کام تو مراسلہ نگار کے نزدیک "کام" ہے مگر قرآن کریم کا پڑھنا اور پڑھانا اور دینی علوم کی تعلیم دینا' مسلمانوں کو پیش آمدہ ضروریات میں دینی رہنمائی کرنا' ان کو شرعی مسائل بتانا سرے سے کوئی کام ہی نہیں؟ دنیا کا کون مسلمان ہو گا جو مراسلہ نگار کی اس ذہنی پرواز کی داد نہ دے گا؟

مراسلہ نگار کی عقل و دانش صرف اس بات پر احتجاج کر رہی ہے کہ ایک روپیہ سولہ پیسے کی زکوٰۃ ایسے لوگوں کو کیوں دی جا رہی ہے جن کی سرگرمیاں صرف اور صرف دین تک محدود ہیں۔ ممکن ہے کہ کل کوئی مراسلہ نگار سے بھی زیادہ عقل مند شخص یہ احتجاج کرنے لگے کہ قومی خزانے کا کھربوں روپیہ فوج پر کیوں خرچ کیا جا رہا ہے جب کہ

بیس سال سے ہماری کسی ملک سے جنگ ہی نہیں ہوئی اور نہ اتنی بڑی فوج کا کوئی مصرف سامنے آیا ہے'

سپریم کورٹ 'ہائی کورٹ اور دیگر عدالتوں پر اتنابڑا سرمایہ کیوں خرچ کیا جا رہا ہے جب کہ بظاہر غریب عوام کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا اور نہ کوئی غریب کسی عدالت سے رجوع کر سکتا ہے۔ ایسے سوالات اٹھانے والا یا تو ملک کا دشمن تصور کیا جائے گا اور اسے فوری طور پر گرفتار کر کے پس دیوار زنداں بھیجا جائے گا یا اس بے چارے کو ذہنی معذور قرار دے کر اسے کسی دماغی ہسپتال میں داخل کرنے کا مشورہ دیا جائے گا۔ ٹھیک اسی طرح مراسلہ نگار کا دینی مشاغل و مصروفیات کو "بے کار" قرار دینا اس کا منشاء یا تو دین دشمنی ہے یا ذہنی افلاس کہ:

ع فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست

مراسلہ نگار کو دین پر خرچ ہونے والے ایک روپیہ سولہ پیسے کی گراں قدر زکوٰۃ کی رقم بری طرح چبھ رہی ہے اور وہ اس پر احتجاج کر رہے ہیں کہ یہ بھیک ان بے کار لوگوں کو کیوں دی جا رہی ہے؟ لیکن کیا ان سے کوئی شخص یہ دریافت کر سکتا ہے کہ لاکھوں روپے یومیہ جن ادبی و تعلیمی اداروں کو دیئے جا رہے ہیں ان سے فارغ ہونے والے ادیبوں 'شاعروں لاکھوں تعلیم یافتہ افراد نے "شغل بے کاری" کے سوا قوم کو کیا دیا ہے؟ اور ان کا مشغلہ ہلڑبازی 'لوٹ مار 'ڈاکہ زنی اور قتل و غارت کے سوا کیا ہے؟ ان اداروں کے خلاف آپ نے کبھی احتجاج نہیں کیا جن کو قوم کے نونہالوں نے "میدان کارزار" بنا رکھا ہے اور جن کی وجہ سے قوم کا ناک میں دم ہو رہا ہے' آپ دینی مدارس کے طلبہ کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں جو بے چارے معاشرے کی لئے کوئی مسئلہ پیدا نہیں کرتے 'قوم کو شرافت اور شائستگی ہی کی تعلیم دیتے ہیں۔

آخر میں مراسلہ نگار نے افلاطون و ارسطو سے عقل مستعار لے کر یہ تجویز پیش کی ہے کہ ان دینی مدارس کو اسکولوں میں تبدیل کر دیا جائے۔۔۔ ماشاء اللہ اسکولوں اور کالجوں سے فارغ ہونے والے بے کار گریجویٹوں کی کھیپ شاید پہلے کچھ کم ہے جس میں اضافہ

کامراسلہ نگار مشورہ صادر فرما رہے ہیں۔ مراسلہ نگار سے اس ضمن میں بس اتنی ہی گزارش کرنا چاہوں گا کہ آپ ہزار بار دینی مدارس کو ختم کرنے کی کوشش کر دیکھیں یہ انشاء اللہ ختم نہیں ہوں گے' جب حکومت ان کو زکوٰۃ کے چند ٹکے نہیں دیتی تھی یہ جب بھی چل رہے تھے اور آئندہ اگر حکومت "معارف پروری" اور دینی اقدار کی بلندی کے جذبے سے اس خیرات کو بند کرنے کا فیصلہ کر لے تب بھی یہ دینی مدارس چلتے رہیں گے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو قرآن کریم اور علوم نبوت کا دنیا میں رکھنا منظور ہے اس وقت تک قرآن کریم اور علوم نبوت کے حاملین کی خدمات بھی زندہ و پائندہ رہیں گی۔ ہم نے پہلے بھی دینی مدارس کو مشورہ دیا تھا اور اب اس مشورہ کو پھر دہراتے ہیں کہ بھوکوں مرنا گوارا کریں لیکن حکومت کے ہاتھ سے ایک پیسہ کی امداد قبول نہ کریں۔ (گو زکوٰۃ کا پیسہ خالصتاً عوام کا پیسہ ہے جس کا حکومت کے مالیاتی ذرائع سے کوئی تعلق نہیں ہے) انشاء اللہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے غیبی خزانوں سے سامان پیدا ہو گا کہ:

"خدا خود میر ساماں ہست ارباب توکّل را"

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

تحفظ مساجد اور مسلمانوں کی ذمہ داری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ' اما بعد

بھارت میں بابری مسجد کے قضیہ نے نہایت تشویش ناک صورت اختیار کرلی ہے۔ ہم ایک سال قبل (جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ میں) اس مسئلہ پر لکھ چکے ہیں' اب کے پھر اسی پر لکھنے کا خیال تھا' دارالعلوم دیوبند کے ترجمان "ماہنامہ دارالعلوم" (ربیع الاول ۱۴۱۱ھ اکتوبر ۱۹۹۰ء) کے شمارہ میں مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی نے اس موضوع پر بہت عمدہ نوٹ تحریر فرمایا ہے' مناسب معلوم ہوا کہ اس کو "بصائر و عبر" میں دیا جائے' دارالعلوم کے اسی پرچے میں بھارت کے ایک ہندو صحافی "وشنو کھرے" کا ایک مضمون "مسجد ٹوٹی تو ملک ٹوٹے گا" شائع ہوا ہے' اس کو بھی اس میں شامل کیا جارہا ہے :

"مذہب اسلام میں دیگر مقامات اور عمارتوں کے مقابلہ میں " مساجد" کی ایک ممتاز وخصوصی حیثیت ہے' چنانچہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

احب البلاد الی اللہ مساجدھا۔

ترجمہ :"شہروں میں محبوب ترین مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی مسجدیں ہیں"۔

تعمیر مسجد کی فضیلت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے :

من بنیٰ للہ مسجدا بنیٰ اللہ لہ بیتا فی الجنۃ

ترجمہ :"جس نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی غرض سے مسجد تعمیر کی' اللہ رب العزت اس کے لئے جنت میں گھر بنائیں گے"۔

اس کے برعکس مسجدوں سے نمازیوں کو روکنے اور ان کی تخریب اور ویرانی کی

کوشش کرنے والوں کو قرآن حکیم میں سب سے بڑا ظالم بتایا گیا ہے' اور انہیں دنیا میں ذلت ورسوائی اور آخرت میں بڑی سزا کی دھمکی دی گئی ہے' خدائے علیم وقدیر کا فرمان ہے :

ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا اولٰئک ما کان لھم ان یدخلوھا الا خائفین لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم

ترجمہ :" اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا ذکر کئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے ان لوگوں کو تو بے خوف اور نڈر ہوکر ان میں قدم بھی نہ رکھنا چاہئے تھا' ان لوگوں کے لئے دنیا میں بھی ذلت ورسوائی ہوگی اور آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی"۔

مسجدوں کی اس عظمت وحرمت کی بناء پر فقہائے اسلام کا فیصلہ ہے کہ کسی جگہ پر شرعی ضوابط کے مطابق مسجد بن جانے کے بعد وہ جگہ ہمیشہ کے واسطے مسجد کے لئے مخصوص اور نامزد ہوجاتی ہے۔ مسجد کی عمارت منہدم ہوجانے یا مسجد کے اطراف کی آبادی ختم ہوجانے پر بھی مسجد کی مسجدیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا بلکہ وہ بحالہ مسجد ہی رہے گی۔

امام زرکشی متوفی ۷۹۴ھ) لکھتے ہیں :

قال الخوارزمی فی الکافی اذا خرب المسجد لا یجوز بیعہ ولا بیع شی منہ ولا نقلہ الٰی موضع آخر ونقل شی منہ ھذا ھو المنقول عن عامۃ الاصحاب وکذلک مسجد فی محلۃ او قریۃ خربت المحلۃ واندرست القریۃ لا یجوز نقل ذلک المسجد

الٰی موضع آخر۔

(اعلام الساجد فی احکام المساجد ص۳۴۵))

ترجمہ :" جب مسجد ویران ہوجائے (تو اس ویرانی کی وجہ سے) اس مسجد یا اس کی کسی چیز کا فروخت کرنا' نیز مسجد یا اس کے سامان کو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں ہے۔ یہی عام فقہاء کا قول ہے' یہی حکم اس جگہ کی مسجد کا بھی ہے جہاں کی آبادی ویران اور اجڑ گئی ہو (اس ویرانی کی بنا پر) مسجد کا وہاں سے منتقل کرنا شرعی طور پر درست نہیں ہے"۔

محقق ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں :

ولو خرب ما حول المسجد واستغنی عنه ای عن الصلوة فیه اهل تلک المحلة والقریة بان کان فی قریة فخربت وحولت مزارع یبقی مسجد علٰی حاله عند ابی یوسف وهو قول ابی حنیفة ومالک والشافعی۔

(فتح القدیر ص۴۴۶ ج۵)

ترجمہ :"اگر مسجد کے اردگرد کی آبادی ویران ہوجائے اور وہاں کے لوگ اس مسجد میں نماز ادا کرنے سے بے نیاز ہوجائیں (مثلاً صورت یہ پیش آئے کہ جس محلہ یا بستی میں مسجد تھی وہ کھنڈر ہوکر کاشت کی زمین بن گئی' پھر بھی قاضی القضاۃ (شرعی چیف جسٹس) امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس مسجد کی مسجدیت اپنے حال پر باقی رہے گی۔ یہی فیصلہ امام ابو حنیفہؒ' امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا بھی ہے"۔

اسلامی قانون کے شارحین کے اس نقطہ نظر کی بنیاد یہ ہے کہ کسی محلہ یا شہر میں واقع مسجد خاص اس شہر والوں کے لئے نہیں ہوتی بلکہ یہ عامۃ المسلمین کے لئے

ہوتی ہے اس لئے وہاں کی آبادی کے اجڑ جانے کے بعد بھی واردین وصادرین اس میں نماز ادا کرتے رہیں گے، اسی طرح کسی مسجد کی مسجدیت کے لئے عمارت کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ خالی پلاٹ بھی مسجد ہو سکتا ہے اس لئے مسجد سے متصل آبادی کے ویران یا خود مسجد کے منہدم ہو جانے کی صورت میں مسجد کی حیثیت عرفی قطعی طور پر متاثر نہیں ہوگی وہ بہر صورت مسجد ہی رہے گی۔

ہندوستان کا مسلمان اوپر مذکور تفصیلات کے تناظر میں بابری مسجد کو بھی دیکھتا ہے اس لئے جو لوگ اس مسجد کو منتقل کر دینے یا اس کے عوض دوسری مسجد تعمیر کر دینے کی باتیں کرتے ہیں وہ شاید مسجد سے متعلق اسلامی نقطہ نظر سے واقف نہیں یا واقفیت کے باوجود مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی اور انہیں چڑانے کے لئے ایسی لغو اور دور از کار تجویز پیش کرتے ہیں۔ بابری مسجد مذہب، تاریخ، قانون، اور عرف ہر اعتبار سے ایک مسجد ہے اور پونے پانچسو سال کی قدیم مسجد، اس کی یہ حیثیت انمٹ ہے جو کسی کے مٹانے سے مٹ نہیں سکتی۔ اور نہ مسلمان کسی قیمت پر اس سے دست بردار ہو سکتا ہے کیونکہ مساجد اسلامی شعائر میں داخل ہیں۔ شعائر اسلام کی حفاظت وصیانت ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ مسلمان مسلمان رہتے ہوئے کلی طور پر اپنے دینی فریضہ کو ترک کر دے گا؟ یا پھر بابری مسجد صرف مسلمانوں ہی کے نزدیک مسجد نہیں ہے بلکہ رام جنم بھومی کا نعرہ لگانے والے بھی اسے مسجد تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ اسی کے ساتھ ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ یہ مسجد "رام جنم استھان مندر" کو توڑ کر اسکے کھنڈر پر تعمیر کی گئی ہے، لیکن اپنے اس دعوے پر ان کے پاس ایک بھی ایسی دلیل نہیں جو علم وعقل کے معیار پر پوری اترتی ہو ایسی کوئی دلیل وہ قیامت کی صبح تک بھی نہیں پیش کر سکتے۔ اس لئے کہ دلائل ثبوت تو حقائق وواقعات کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں جس چیز کی سرے سے کوئی اصل وحقیقت ہی نہ ہو اس کے لئے آخر دلائل وشواہد کہاں سے لائے جا سکتے ہیں، اپنی اسی بے مائیگی کی بنا پر یہ لوگ علم واستدلال کے معقول ومامون راستے کو چھوڑ کر تشدد اور زور آزمائی کی راہ پر چل رہے ہیں۔

بتاریخ ۹/۱۰ نومبر ۱۹۸۹ء کو "شلانواس" کے عنوان سے قانون وانصاف کو پس پشت ڈال کر جو ڈرامہ کھیلا گیا وہ درحقیقت اسی تشدد پسندانہ ذہنیت کا مظاہرہ تھا' اس موقعہ پر جس قسم کے اشتعال انگیز نعرے لگائے گئے وہ اس بات کے مظہر ہیں کہ یہ لوگ اس انتہائی جذباتی اور نازک ترین مسئلہ کو باہمی گفت وشنید یا قانون وانصاف کے بجائے طاقت وقوت اور جبر وتشدد کے ذریعہ حل کرنے کے درپے ہیں' اور آج کل وشوہندو پریشد. بجرنگ دل وغیرہ جارحیت پسند پارٹیاں بھارتیہ جنتا پارٹی کی سرپرستی میں نعرہ لگا رہی ہیں کہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو بابری مسجد توڑ کر اس کی جگہ رام مندر کی تعمیر کا کام شروع کیا جائے گا اپنے اس غیر قانونی اور غیر جمہوری منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی غرض سے عام ہندوؤں کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے رام جیوتی کے نام سے ملک گیر پیمانے پر جلوس نکالے جا رہے ہیں' خود بھارتیہ جنتا پارٹی کے صدر مسٹر ایڈوانی رتھ یاترا کے نام سے ملک کا دورہ کر رہے ہیں جس میں انتہائی اشتعال انگیز اور دل خراش تقریریں کی جا رہی ہیں جس کی وجہ سے ملک میں فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا ہوگئی ہے اور بڑودہ' بنگلور' کرناٹک' مدھیہ پردیش' اور یوپی میں گونڈہ' غازی پور وغیرہ اضلاع اسی کے نتیجہ میں فساد کی آگ میں جل رہے ہیں۔

میں پورے جذبہ خیر خواہی کے ساتھ ان لوگوں سے یہ بات کہہ دینا چاہتا ہوں کہ خدارا اپنے اس جارحانہ رویہ سے مسلمانوں کو تشدد کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور نہ کیجئے کیونکہ جس دن مسلمان بھی اپنے لئے یہی راستہ طے کرلے گا وہ ملک کی تاریخ کا بدترین دن ہوگا' اس لئے کہ تشدد کے جواب میں تشدد سے انتشار اور تاراج کا ماحول پروان چڑھے گا' فرقہ پرستی کا بول بالا ہوگا' قومی یک جہتی کا جنازہ اٹھ جائے گا' مسائل مزید الجھیں گے' ملک کی ترقیات رک جائیں گی' اس کا استحکام اور سالمیت خطرے میں پڑجائے گی' حالات کی سنگینی بڑھے گی اور اتنی بڑھے گی کہ اس پر قابو پانا آسان نہ ہوگا جس سے کسی خاص فرقہ یا جماعت کا ہی نہیں بلکہ پورے ملک کا خسارہ ہوگا۔

تاراج نشیمن کھیل سہی صیاد مگر اتنا سن لے
جب عشق کی دنیا لٹتی ہے خود حسن کا ماتم ہوتا ہے

امید ہے کہ حکومت بھی اب تک کی گومگو اور بھارتیہ جنتا پارٹی کو خوش رکھنے کی پالیسی کو ترک کرکے مسلمانوں کے لئے خود ملک کی سالمیت اور استحکام کی غرض سے اس نازک ترین مسئلہ کو حق وانصاف کی روشنی میں حل کرنے کی طرف مثبت قدم اٹھائے گی اور ایسی غلطی نہ کرے گی اور نہ کسی کو کرنے دے گی جس سے عدلیہ کا وقار اور ملک کی سیکولر حیثیت تہس نہس ہوجائے' کیونکہ اگر ان دونوں چیزوں کا خاتمہ ہوگیا تو پھر ملک کی سالمیت اور ایکتا کا تحفظ کسی طرح بھی ممکن نہ ہوسکے گا۔

مسجد ٹوٹی تو ملک ٹوٹے گا

فرقہ پرستی ایک پیچیدہ مسئلہ ہے' اس موضوع پر مختصر لکھنا یا بولنا آسان نہیں' میں یہاں پر بابری مسجد رام جنم بھومی تنازعہ پر کچھ کہنا چاہوں گا کیوں کہ یہ بھی فرقہ پرستی اور جنون کا ایک مرکز بن رہا ہے۔

"نوبھارت ٹائمز لکھنؤ" کے ایڈیٹر کی حیثیت سے گزشتہ سال اور اس سال کئی مرتبہ مجھے بابری مسجد جانا پڑا' اور ہر مرتبہ میں نے اس عمارت کو نہ صرف باریکی سے دیکھنے کی کوشش کی ہے بلکہ اس کی دیواروں اور ستونوں کو ہاتھوں سے چھوا بھی ہے۔ اس میں بھی شبہ نہیں کہ وہاں آدمی کی کمر تک کی اونچائی تک کچھ پتھر کے ستون غیر اسلامی فن تعمیر کا نمونہ ہیں جن کے سہارے مسجد کی دیواریں اٹھائی گئی ہیں' لیکن ان ستونوں پر نہ تو سواستک جیسے ہندو مذہب کے نشانات ہیں اور نہ ان پر دیوی دیوتاؤں یا کوئی سکولر انسانی پیکر نقش ہیں' راجستھان سے شائع ہونے والے ایک ہندی روزنامہ کے مالک نے گزشتہ دنوں سراسر یہ جھوٹ لکھا تھا کہ ان ستونوں پر کچھ مورتیاں بنی ہوئی ہیں۔ کچھ ڈیزائنیں ہیں لیکن وہ سجاوٹی ہیں' یہاں پر غور طلب بات یہ ہے کہ پوری مسجد یا اس کی ساری دیواریں ستونوں پر کھڑی نہیں ہیں' کیونکہ ان ستونوں کی تعداد اتنی نہیں کہ پوری مسجد ان پر کھڑی کی جاسکے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ جس ٹیلے پر یہ مسجد بنی ہوئی ہے اس کی قدامت اور تاریخ کو لے کر ماہرین آثار قدیمہ اور مورخین میں طویل بحثیں ہوئی ہیں' لیکن کسی نے بھی یہ کوشش نہیں کی کہ جو ستون اب نظر آتے ہیں ان کی بنا پر کسی آرکیٹیکٹ

سے یہ معلوم کیا جائے کہ ان پر کتنی لمبائی چوڑائی اور اونچائی کی عمارت کھڑی رہی ہوگی یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ مصر' بابل' یونان' روم اور خود ہمارے یہاں موہن جو ڈرو' ہڑپا لوتھل نالندہ ٹیکسلا وغیرہ میں بنیاد کی گہرائی' ستونوں کی اونچائی اور مضبوطی' بچی کھچی دیواروں' سیڑھیوں وغیرہ کے سہارے اس زمانے کی عمارتوں کے ڈھانچے تیار کرلئے گئے ہیں۔ میں نہ تو انجینئر ہوں اور نہ آرکیٹکٹ لیکن کمر تک کی اونچائی کے ۱۴ یا ۱۶ ستونوں پر جو زیادہ سے زیادہ ۲۰ فٹ کی چوڑائی پر ہوگی اور جن کی موٹائی ڈیڑھ دو فٹ سے زیادہ نہ ہو' کتنی بڑی عمارت کھڑی کی ہوگی' یہ تصور کرنا میرے لئے بھی مشکل نہیں' یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مسجد کی پشت میں کھائی ہے' جو شاید کبھی تالاب رہا ہو' یعنی اس طرف تو کسی مندر یا عمارت بنانے کی گنجائش نہیں تھی' وہ گنجائش سامنے بھی نہیں ہے' آرکی لاجسٹ بی بی لال پہلے ہی ثابت کرچکے ہیں کہ جس ٹیلے پر بابری مسجد کھڑی ہے' اس کے نیچے سے کھود کر نکالی گئی چیزیں زیادہ سے زیادہ عیسیٰ سے تین برس قبل یعنی مہابھارت کی جنگ سے کئی سو سال بعد کی ہیں جب کہ رام کا جنم پانڈووں سے کئی سو برس پہلے ہوا تھا۔

بابری مسجد رام جنم بھومی تنازعہ کی حقیقت یہ ہے کہ جب اس جگہ ایک ٹھوس اور مکمل مسجد کھڑی ہوئی ہے تب کچھ پرانے غیر متعین ستونوں کے سہارے اسے رام جنم بھومی ثابت کرنے کی کوشش ہو رہی ہے' کھلی آنکھوں سے دکھائی دینے والی سچائی کو جھٹلایا جارہا ہے اور چند خطرناک اور شرارتی عناصر لاکھوں بھولے بھالے جذباتی لوگوں کو بہکانے کی کوشش کررہے ہیں۔

سنہ ۱۹۴۸ء اور ۱۹۸۴ء کی سرکاری سازشوں کی وجہ سے بابری مسجد کا معاملہ عدالت تک پہنچ گیا ہے جب کہ یہ قطعی صاف ہے کہ وہ مسجد ہی ہے اور اس پر مسلمانوں کے علاوہ کسی کا حق نہیں ہے' پھر بھی جنہیں اپنی دلیل کی مضبوطی کا یقین نہیں ہے وہ ہی عدالت کی مخالفت کریں گے کم از کم مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں انصاف ہوگا' اور مسجد پر مسلمانوں کا حق تسلیم کرلیا جائے گا۔

دنیا کی کوئی بھی عدالت جس کا دماغ صحیح جگہ پر ہے بابری مسجد کی ایک اینٹ بھی

گرانے کا فیصلہ نہیں دے سکتی' بابری مسجد کو گرانے کی کوشش ہندوستان کو نیست ونابود کرنے میں تبدیل ہوجائے گی' تب ایک ایسا خون خرابہ ہوگا جس سے ہٹلر اور اسٹالن کے ریکارڈ بھی ماند پڑجائیں گے' تب مسلمانوں کو اپنے لئے بھارت میں سے ہی ایک آزاد ملک مانگنے کا حق ہوگا اور کم سے کم میں اس کی پوری حمایت کروں گا' افسوس یہی ہے کہ کئی ہندو فرقہ پرست ملک کے کئی ٹکڑے کروانے پر راضی ہوجائیں گے۔

گزشتہ کئی مہینوں میں وشوہندو پریشد کے لیڈروں نے بابری مسجد کی جگہ مندر بنوانے کے متعلق کتنی چالاکی بھرے بیانات دیئے ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف بھی لگتے ہیں' ان کا تازہ منصوبہ ۳۰ اکتوبر کو مندر کی تعمیر شروع کرنے کا ہے' اب وہ کہہ رہے ہیں کہ بابری مسجد نام کی کوئی چیز نہیں ہے' اور جو عمارت ہے وہ مندر ہی ہے' وہ اسے توڑنے کی بات نہیں کررہے ہیں بلکہ اسے بدلنے کی بات کررہے ہیں' ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بابر کی یادگار کو ہٹالیا جائے گا۔ ایسی چالاکیوں کے پیچھے تنگ نظری کارفرما ہے' لیکن ان سے پیدا ہونے والے نتیجے ملک کے لئے پاکستانی ایٹم بم سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوں گے۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ جہاں اب تک ملائم سنگھ یادو کی سوچ واضح اور فرقہ واریت مخالف نظر آرہی ہے' وہاں وزیر اعظم وشواناتھ پرتاب سنگھ نے اب تک دو ٹوک لفظوں میں نہیں کہا ہے کہ بابری مسجد کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا' انہوں نے یہ بھی نہیں کہا ہے کہ عدالت کا فیصلہ انہیں منظور ہوگا' یہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ بابری مسجد کا مسئلہ عدالت کے باہر ہی نمٹالیا جائے' لیکن اس کی ایک ہی شرط ہوسکتی ہے' کہ مسجد کو مسجد ہی مانا جائے اور اسکی جگہ کسی مندر کی تعمیر کی بات نہ کی جائے۔ اگر عدالت کا فیصلہ تسلیم کرنا ہے تو اس کا انتظار کرنا چاہئے' اس میں پہلے سے ہی کوئی سیاسی ملاوٹ نہیں کی جانی چاہئے' یہ بہت ہی نازک اور دھماکا خیز مسئلہ ہے' اور اس پر کم از کم اس ملک کے وزیر اعظم کو بے لاگ بے لوث اور فرقہ واریت مخالف موقف اختیار کرکے تمام ہندوستانیوں کی سچی رہنمائی کرنی چاہئے۔"

(ماہنامہ بینات ۱۴۱۱ھ)

گورنر پنجاب کی خدمت میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی۔ اما بعد

جناب میاں محمد اظہر صاحب گورنر پنجاب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

لاہور کے اخبارات میں عزت مآب گورنر پنجاب جناب میاں محمد اظہر صاحب کا درج ذیل بیان شائع ہوا ہے:

"لاہور (نیوز رپورٹر) گورنر پنجاب میاں محمد اظہر نے گزشتہ روز جامعہ المنظور الاسلامیہ کی تقریب کے بعد چائے کی میز پر اپنے مخصوص پنجابی اسٹائل میں سچی اور کھری باتیں کیں۔ اس موقع پر جید علماء کرام بھی موجود تھے، علماء خاموشی سے گورنر پنجاب کی گفتگو سنتے رہے؛ علمائے کرام سے ان کی مکالمہ بازی بھی ہوئی۔ تفصیلات کے مطابق تقریب کے بعد جب گورنر پنجاب چائے کی میز پر جانے لگے تو ان کے ساتھ آٹھ دس علماء کرام بھی ساتھ چل پڑے اور انہوں نے مدرسوں کے لئے گرانٹ کا مطالبہ کیا۔ گورنر پنجاب نے وہاں پر موجود تمام افراد کو بٹھا لیا اور کہا کہ آپ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ ان مدرسوں سے آپ لوگ ملا پیدا کر رہے ہیں۔ اسے چندے کے ذریعے تعلیم دی جاتی ہے اور اس کی زندگی مسجد اور حجرے تک ہی محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس سے تو بہتر ہے کہ آپ اسے کیمپ جیل بھیج دیں۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی اور بچوں کی زندگی بھی محدود کر دی جاتی ہے۔ اگر وہ اپنی بیوی کو لے کر باہر نکلتا ہے تو آپ لوگ کہتے ہیں کہ مولوی اپنی بیوی کو لے کر باہر پھر رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ ایک معصوم بچے کے

ہاتھ میں لوٹا پکڑا دیتے ہیں اور اس کی شلوار ٹخنوں سے اوپر کرا کر اس کے دروازے دیگر علوم کے لئے بند کرا دیتے ہیں' یہ انصاف نہیں ظلم ہے۔ اس موقع پر مولانا عبدالقادر آزاد نے کہا کہ :

"میاں صاحب لوٹا دینے اور ٹخنوں تک شلوار باندھنے کی ذمہ داری ضیاء الحق پر عائد ہوتی ہے لیکن حقائق میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا۔"

گورنر پنجاب : "مولانا صاحب اصل حقائق بھی ابھی بتا دیں"

مولانا آزاد : "یہ بات پھر سہی پہلے آپ علماء کا اجلاس بلائیں"

گورنر پنجاب : "اجلاس بھی جلد بلوالوں گا"

اس موقع پر قریب کھڑے ہوئے ایک عالم نے کہا کہ میاں صاحب ابھی تک تو آدھے سے زائد علماء کرام نے تو پاکستان کے وجود کو ہی تسلیم نہیں کیا۔

گورنر پنجاب: آپ پرانی باتیں بھول جائیں اور بات ۱۹۴۷ء کی نہیں ۱۹۹۴ء کی کریں۔

گورنر پنجاب نے وہاں پر موجود علماء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ دینی اداروں میں تعلیم پانے والے بچوں کا معیار یہ ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد صرف پانچویں یا چھٹے اسکیل کے علاوہ کسی اور عہدے پر بھرتی ہونے کے قابل ہی نہیں ہوتے انہوں نے کہا کہ میں دینی تعلیم کی مخالفت نہیں کر رہا یہ ضرور ہونی چاہئے۔ لیکن دینی مدرسوں کے نظام میں تبدیلی آنی چاہئے نظام تعلیم وسیع ہونا چاہئے نوجوان نسل کو مولوی بنانے کی بجائے جدید علوم سے آراستہ کریں انہیں پہلی جماعت سے کمپیوٹر کی تعلیم دیں تاکہ وہ دینی علوم کے ساتھ جدید علوم سے بھی آگاہی حاصل کر سکیں۔ اس موقع پر ایک عالم نے بات کرنے کی کوشش کی تو گورنر پنجاب نے کہا کہ میری بات توجہ سے سنیں۔ انہوں نے کہا

کہ بچوں کے لئے دینی مدرسوں کو جیل خانہ بنا دیا جاتا ہے اپنے مقابلے میں آپ عیسائیوں کو دیکھیں جو ایک بچے کو جھونپڑے سے اٹھاتے ہیں اس کو پالش (تربیت) کرتے ہیں اور اسکالر بنا دیتے ہیں جب کہ آپ مولوی پیدا کر رہے ہیں۔ اس لئے اس سارے نظام کو تبدیل کرنا ہوگا اور دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم بھی دیں تاکہ سترہویں اور اٹھارہویں گریڈ کے نوجوان پیدا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ مجھے ان سے بڑی عقیدت ہے لیکن جب میں ان کا مستقبل دیکھتا ہوں تو مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے اور پتہ نہیں آگے جنت ملتی بھی ہے یا نہیں۔ اس موقع پر مولانا آزاد نے کہا کہ جنت انشاء اللہ ملے گی۔

میاں محمد اظہر نے جواب دیا کہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ جنت کس کو ملے گی اور کس کو نہیں۔ گورنر پنجاب کی نظر ڈائریکٹر پیپلز ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن ندیم محمود خان پر پڑی تو ان سے مخاطب ہوتے ہوئے گورنر پنجاب نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کے بچے بیرون ملک پڑھتے ہیں آپ ان کو دینی مدرسے میں تعلیم کیوں نہیں دلواتے؟

ندیم خان" : میں تے جی دینی مدرسیاں نوں چندہ دے دیناں"

گورنر پنجاب" : لو جی سن لیا تسی"

گورنر پنجاب نے کہا کہ میں یہاں پر بہت سے علماء کرام کو ذاتی طور پر جانتا ہوں اور ان کے بچے دینی مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے کے بجائے بیرون ملک اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ دینی مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے والے تمام بچے غریبوں کے ہیں جب کہ ان مدرسوں کو چندہ دینے والے بچے امیروں کے ہیں' اس موقع پر مولانا عبدالقادر آزاد کی جانب مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ یہ میاں نواز شریف کے خاص آدمی ہیں اور انیسویں گریڈ میں ہیں۔

مولانا آزاد : میں آپ کا بھی خاص آدمی ہوں۔

گورنر پنجاب : میرے خاص آدمی آپ کسی اور وجہ سے ہیں۔

مولانا آزاد : اب آپ کو مجھے بیسواں گریڈ دینا پڑے گا کیونکہ میں نے پی ایچ ڈی بھی کرلی ہے' قریب ہی بیٹھے ہوئے ایک شخص نے جواب دیا' وہ پی ایچ ڈی بھی کرلیں مگر رہیں گے مولوی ہی۔"

(۲۸ اگست روزنامہ جنگ لاہور)

گزشتہ دنوں جامعۃ المنظور الاسلام لاہور کی تقریب میں آنجناب نے دینی مدارس اور علمائے دین کے بارے میں جن خیالات کا اظہار فرمایا انہیں پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا تھا کہ غالباً رپورٹنگ صحیح نہیں ہوئی یا اس میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہے ورنہ ایک سنجیدہ انسان جو ایک مسلمان ملک کے ذمہ دار منصب پر فائز ہو' اس کے بارے میں یہ گمان کرنا ازبس مشکل ہے کہ وہ اتنی پست سطح پر اتر کر بھی گفتگو کر سکتا ہے۔ چنانچہ اگلے دن کے اخبارات میں آپ کی جانب سے کچھ وضاحتیں کی گئیں' جن سے مذکورہ بالا تاثر کو تقویت ملی' تاہم اس وضاحتی بیان کے حوالے سے دینی مدارس اور اہل مدارس کے بارے میں آنجناب کی خدمت میں چند گزارشات پیش کرنا ضروری معلوم ہوا۔

انسانی زندگی کے چار دور ہیں۔ (۱) شکم مادر کی زندگی (۲) پیدائش سے موت تک دنیوی زندگی ۔ (۳) موت سے قیامت تک برزخی زندگی (۴) قیامت سے ابد الآباد تک آخرت کی دائمی زندگی جو کبھی ختم نہ ہو گی۔ ان چار ادوار پر غور کیجئے تو دو باتیں بہت صاف اور نمایاں نظر آئیں گی۔ ایک یہ کہ زندگی کا ہر پہلا دور اس کے مابعد کی نسبت بہت مختصر ہے' جو مابعد کے مقابلہ میں لائق شمار ہی نہیں۔ دوم یہ کہ ہر پہلا دور دوسرے دور کا مقدمہ ہے اور دوسرے دور کا بننا اور بگڑنا پہلے دور پر موقوف ہے۔ چنانچہ ماں کے پیٹ کی زندگی اتنی مختصر ہے کہ اس کو دنیا کی زندگی کے مقابلے میں زندگی شمار نہیں کیا جاتا۔ چار مہینے تک تو آدمی نطفہ' علقہ اور مضغہ کی شکل میں انقلابات سے گزرتا ہے' چار مہینے کے بعد اس میں روح ڈال دی جاتی ہے اور اسکے بعد کم و بیش پانچ مہینے شکم مادر میں رہنا ہوتا

ہے' ظاہر ہے کہ پانچ مہینے کی زندگی کا یہ وقفہ اتنا مختصر اور ناپائیدار ہے کہ دنیوی زندگی کے مقابلہ میں کسی شمار و اعتبار کے لائق نہیں' بچے کی شکمی زندگی نہایت مختصر اور محدود ہونے کے باوجود بظاہر بے مقصد بھی ہے لیکن دنیوی زندگی کا بننا اور بگڑنا اسی پر موقوف ہے۔ اگر شکم مادر میں بچے کے ظاہری و باطنی اعضاء و قویٰ ناکمل رہ جائیں تو دنیوی زندگی میں ہمیشہ ناکمل ہی رہیں گے۔ اس لئے ماں کے پیٹ کی زندگی کا مقصد اور فائدہ بس یہی ہے کہ وہ دنیوی زندگی کی ناگزیر تمہید ہے اور بس۔ گویا یہ زندگی خود مقصود نہیں بلکہ اصلی زندگی کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

زندگی کا دوسرا دور پیدائش سے موت تک کا چند روزہ وقفہ ہے' جو پہلے دور کی نسبت طویل ہے۔ لیکن اگر اس کا تقابل موت کی برزخی زندگی سے کیا جائے تو یہ بھی نہایت مختصر وقفہ نظر آئے گا' کیونکہ برزخی زندگی قیامت تک ممتد ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

ومن وراء ھم برزخ الی یوم یبعثون۔

(مومنون : ۱۰۰)

ترجمہ :"اور ان کے پیچھے پردہ ہے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں۔

(ترجمہ شیخ الہندؒ)

اور دنیا میں رہنے کے وقفے کا اس طویل برزخی وقفے سے موازنہ کیا جائے تو دنیا کی زندگی بہت مختصر نظر آئے گی اور اس دنیوی و برزخی زندگی کا تقابل آخرت کی غیر محدود زندگی سے کیا جائے تو زندگی کا یہ پورا دور بالکل صفر نظر آئے گا۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ جب قیامت کے دن کفار سے سوال کیا جائے گا کہ تم دنیا میں کتنی مدت رہے تھے تو ان کا جواب ہوگا:

لبثنا یوما اوبعض یوم۔

ترجمہ :"ہم ایک دن ٹھہرے' بلکہ دن کا بھی ایک حصہ۔"

حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اہل جنت کو جنت میں اور اہل دوزخ کو

دوزخ میں داخل کر دیں گے تو اہل جنت سے فرمائیں گے کہ اے اہل جنت !تم زمین میں کتنے سال ٹھہرے تھے؟ وہ عرض کریں گے کہ بس ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم نے ایک دن یا دن کے کچھ حصہ میں بڑی عمدہ تجارت کی کہ میری رحمت 'میری رضامندی اور میری جنت کا سودا کر لیا۔ لہٰذا جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہو۔ اور اہل دوزخ سے فرمائیں گے کہ اے اہل دوزخ !تم لوگ زمین میں کتنے سال رہے تھے؟ وہ عرض کریں گے کہ بس ایک دن یا دن کا بھی کچھ حصہ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم نے ایک دن یا دن کے کچھ حصہ میں بری تجارت کی کہ میرے غضب اور میری آگ کا سودا خرید لیا۔ لہٰذا تم جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہا کرو۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۲۵۸ 'ج ۳)

جس طرح ماں کے پیٹ کی زندگی کا وقفہ مختصر ہونے کے باوجود خود مقصود نہیں بلکہ دنیوی زندگی کا ذریعہ و وسیلہ اور پیش خیمہ ہے اور دنیوی زندگی کے بننے یا بگڑنے کا اسی پر مدار ہے اسی طرح دنیوی زندگی کا یہ مختصر سا وقفہ بھی خود مقصود نہیں بلکہ یہ انسان کی برزخی زندگی اور آخرت کی زندگی کا پیش خیمہ ہے اور اگلی زندگی کے بننے یا بگڑنے کا اسی پر مدار ہے۔ اگر یہاں بن کر گیا تو برزخ و آخرت کی زندگی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بن گئی اور اگر یہاں بگڑ کر گیا تو برزخ و آخرت کی زندگی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بگڑ گئی۔

اس دنیا کی آب و ہوا میں یہ تاثیر رکھی ہے کہ یہاں آکر آدمی ضعف حافظہ کا شکار ہو جاتا ہے' یہاں پہنچنے کے بعد اسے اپنا مبدا و معاد آگا پیچھا سب بھول جاتا ہے' دنیا کی رنگ و بو اور یہاں کی رعنائیوں اور دل فریبیوں میں کھو کر نہ تو اسے یہ یاد رہتا ہے کہ میں کہاں سے آیا ہوں اور کس لئے آیا ہوں؟ نہ اسے یہی خیال رہتا ہے کہ مجھے کہاں جانا ہے۔ ابھی کن کن مراحل سے گزرنا ہے؟ اور زندگی کے اگلے مراحل کے لئے مجھے کیا تیاری کرنی ہے؟ بلکہ اس دنیا کی زندگی کے نشہ میں ایسا بدمست ہو جاتا ہے کہ اسی زندگی کو زندگی سمجھ بیٹھتا ہے' یہاں کی کامیابی پر فخر و غرور کرتا ہے' یہاں کے اسباب معیشت پر اتراتا ہے اور

جن لوگوں کے پاس اسباب معیشت کی کمی ہو ان کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کو نکمے اور نکھٹو سمجھتا ہے اور آخرت کی زندگی کا یا تو صریحاً انکار کر دیتا ہے اور اگر اس کا اقرار بھی کرتا ہے تو فرط غفلت کی وجہ سے اس زبانی اقرار سے آگے بڑھ کر عملی طور پر آخرت کے لئے کچھ کرنے اور دنیا کی زندگی کے لذائذ کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا۔ آدمی کی اس غفلت کی اصلاح کے لئے حق تعالیٰ شانہ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور ان کے ذریعہ آسمانی کتابیں اور ہدایت نامے نازل فرمائے' حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے آکر بتایا کہ یہ زندگی 'جس پر تم لوگ فریفتہ ہو اصل زندگی نہیں۔ اصل زندگی آگے ہے اور زندگی کا یہ وقفہ دراصل اگلی زندگی کے امتحان کی تیاری کا وقفہ ہے۔ اس مختصر سے وقفے کو کھانے پینے میں ضائع نہ کیا جائے بلکہ اگلی زندگی کے لئے جو ابدالآباد کی زندگی ہے' زادراہ اور توشہ سفر لینے کی فکر کرنی چاہئے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ دعوت' جو ان تمام حضرات کی مشترک دعوت تھی' چونکہ مشاہدہ پر یقین رکھنے کے بجائے ایمان بالغیب کی دعوت تھی' اس لئے ابنائے دنیا میں بہت کم لوگ ایسے نکلے جنہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی اس دعوت پر صدائے لبیک بلند کی اور اپنی عقل وقیاس اور اپنے مشاہدہ کو چھوڑ کر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو سچا سمجھا اور ان کی تعلیمات پر صدق دل سے عمل پیرا ہوئے' جب کہ دنیا کے نشہ میں بدمست لوگوں کی اکثریت ایسی نکلی کہ انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی اس دعوت کو غلط قرار دے کر "ان ھی الا حیاتنا الدنیا" کا نعرہ بلند کیا۔ یعنی زندگی اول و آخر بس یہی دنیا کی زندگی ہے مرنے کے بعد کسی زندگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' اس لئے جو لوگ (یعنی انبیاء کرام علیہم السلام) کسی اور زندگی کا تصور پیش کرتے ہیں اور لوگوں کو یہ بتاتے ہیں کہ دنیوی زندگی ہیچ ہے' ناپائیدار ہے' سریع الزوال ہے' یہاں کا حساب چکانے کے لئے تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا ہوگا اور یہاں کی زندگی کے نیک وبد اعمال کی جزا وسزا کا سامنا کرنا ہوگا' یہ لوگ (نعوذ باللہ) پاگل ہیں دیوانے ہیں' مجنون ہیں' سفیہ ہیں' بے وقوف ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کا ایک تہائی حصہ دنیا کی بے ثباتی، آخرت کی پائیداری، قیامت کے احوال و اہوال اور جنت ودوزخ کے حالات پر مشتمل ہے جو شخص قرآن کریم پر واقعی ایمان رکھتا ہو وہ دنیا کی زندگی کو کبھی آخری منزل مقصود نہیں سمجھے گا، نہ یہاں کی عزت کو عزت اور یہاں کی ذلت کو ذلت قرار دے گا کیونکہ نہ یہاں کا مال مال ہے اور نہ یہاں کا فقر فقر ہے، قرآن کریم نے دنیا کی زندگی کو جگہ جگہ لہو ولعب، کھیل۔ تماشے اور دھوکے کی ٹٹی قرار دیا ہے، متعدد جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے ابنائے دنیا کو جو عزت و وجاہت، کروفراور مال و دولت دے رکھی ہے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو، یہ لوگ لائق رشک نہیں بلکہ لائق رحم ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

لوکانت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوضة ما سقیٰ منہا کافرا شربة ماء۔ (ترمذی ص۵۶، ج ۲)

ترجمہ: "اگر دنیا کی قیمت اللہ تعالیٰ کی نظر میں مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو یہاں پانی کا گھونٹ بھی نصیب نہ ہوتا"

نیز ارشاد ہے:

"الدنیا دار من لا دار لہ، ومال من لا مال لہ، ولہا یجمع من لا عقل لہ۔

(مسند احمد، مشکوۃ ص ۴۴۴)

ترجمہ: "دنیا گھر ہے اس شخص کا جس کا کوئی گھر نہیں اور مال ہے اس شخص کا جس کا کوئی مال نہیں اور دنیا کی خاطر جمع کرتا ہے وہ شخص جس کو ذرا بھی عقل نہیں۔"

مطلب یہ کہ جس نے دنیا کے گھر کو اپنا گھر اور دنیا کے مال کو اپنا مال سمجھا در حقیقت وہ بے گھر اور بے مال ہے، کیونکہ وہ خود تو دنیا میں رہنے کا نہیں اور نہ دنیا کا گھر اور مال اس

کے پاس رہنے دیا جائے گا۔ اس سے بڑھ کر بے عقل بلکہ بد عقل کون ہوگا جو ایسی زوال پذیر چیز پر محنت کو ضائع کر رہا ہے۔ دریا کا جو کنارہ دریا کے کٹاؤ کی زد میں ہے اور جو چند لمحوں میں گرا چاہتا ہے کوئی عقل مند ایسے گرتے ہوئے کنارے پر محل تعمیر نہیں کرے گا اور جو شخص ایسی حماقت کرے عقلا اس کو دیوانہ کہیں گے۔ پس دنیا جو زندگی کے گرتے ہوئے کنارے پر کھڑی ہے اس پر محلات تعمیر کرنے والے کے بے عقل اور دیوانہ ہونے میں کیا شبہ ہے؟

"الدنیا سجن المومن وجنة الکافر"

(ترمذی ص ۵٦، ج ۲)

ترجمہ :"دنیا مومن کے لئے جیل خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے"

حضرات انبیاء علیہم السلام انسانی برادری میں سب سے اعقل و اشرف تھے۔ ان سے بڑھ کر زیرک و دانا صفحہ ہستی پر نمودار نہیں ہوا، لیکن چونکہ ان پر دنیا کی حقیقت منکشف تھی تو آخرت کی عظمت و وقعت اور اس کا دوام و بقا ان پر عیاں تھا اس لئے یہ حضرات دنیا کی طرف نظر التفات بھی نہیں فرماتے تھے بلکہ ان کی تمام تر توجہ آخرت اور صرف آخرت پر مرکوز تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مالی وللدنیا وما انا والدنیا الا کراکب استظل تحت شجرة ثم راح و ترکھا (مشکوٰۃ ص ۴۴۲)

ترجمہ :"مجھے دنیا سے کیا واسطہ؟ کیا تعلق؟ میری اور دنیا کی مثال تو ایسی ہے کہ راہ چلتا مسافر ذرا سی دیر کے لئے کسی درخت کے سائے میں ستایا پھر اسے چھوڑ کر سوئے منزل روانہ ہوگیا۔

دنیا سے بے رغبتی کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ہر عام و خاص کو معلوم ہے۔ صرف تنبیہہ کے لئے یہاں دو واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہوں

پہلا واقعہ :" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہراتؓ سے ناراض ہو کر ایک بالا خانے پر تشریف لے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ حاضر خدمت ہوئے تو دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک بوریئے پر لیٹے ہوئے ہیں جس پر کوئی چیز بچھی ہوئی نہیں ہے اس وجہ سے جسم اطہر پر بوریئے کے نشانات بھی ابھر آئے ہیں اور سرہانے ایک چمڑے کا تکیہ ہے جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی ہے...... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ گھر کا کل سامان یہ تھا تین چمڑے بغیر دباغت دیئے ہوئے' اور ایک مٹھی جو ایک کونے میں پڑے ہوئے تھے۔ میں نے ادھر ادھر نظر دوڑا کر دیکھا تو اس کے سوا کچھ نہ ملا۔ میں دیکھ کر رو دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیوں رو رہے ہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہ روؤں کہ یہ بوریئے کے نشانات آپؐ کے بدن مبارک پر پڑ رہے ہیں اور گھر کی کل کائنات یہ ہے جو میرے سامنے ہے پھر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیجئے کہ آپؐ کی امت پر بھی وسعت ہو ۔یہ روم وفارس بے دین ہونے کے باوجود کہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ ان پر یہ وسعت 'یہ قیصرو کسریٰ تو باغوں اور نہروں کے درمیان ہوں اور آپؐ اللہ کے رسول اور اس کے خاص بندہ ہو کر یہ حالت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے ہوئے لیٹے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بات سن کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ عمرؓ کیا اب تک اس بات کے اندر شک میں پڑے ہوئے ہو؟سنو آخرت کی وسعت دنیا کی وسعت سے بہت بہتر ہے۔ ان کفار کو طیبات اور اچھی چیزیں دنیا میں مل گئیں اور ہمارے لئے آخرت میں ہیں۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے استغفار فرمائیں کہ واقعی میں نے غلطی کی۔"

(حکایات صحابہ ص ۴۱، ۴۲)

دوسرا واقعہ : امام ابوداؤد نے کتاب الخراج "باب فی الامام یقبل هدایا المشرکین (ص ۴۳۳) میں نقل کیا ہے کہ میں اسے بھی حضرت شیخ کی کتاب "حکایات صحابہ" سے نقل کرتا ہوں :

"حضرت بلالؓ سے ایک صاحب نے پوچھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات کی کیا صورت ہوتی تھی۔ حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ حضورؐ کے پاس کچھ جمع تو رہتا ہی نہیں تھا۔ خدمت میرے سپرد تھی جس کی صورت یہ تھی کہ کوئی مسلمان بھوکا آتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ارشاد فرما دیتے۔ میں کہیں سے قرض لے کر اس کو کھانا کھلا دیتا۔ کوئی ننگا آتا تو مجھے ارشاد فرما دیتے میں کسی سے قرض لے کر اس کو کپڑا بنا دیتا، یہ صورت ہوتی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک مشرک مجھے ملا۔ اس نے کہا کہ مجھے وسعت اور ثروت حاصل ہے تو کسی سے قرض نہ لیا کر۔ جب ضرورت ہوا کرے مجھ ہی سے قرض لے لیا کر، میں نے کہا اس سے بہتر کیا ہوگا، اس سے قرض لینا شروع کر دیا۔ جب ارشاد عالی ہوتا اس سے قرض لے آیا کرتا۔ اور ارشاد والا کی تعمیل کر دیتا ایک مرتبہ میں وضو کر کے اذان کہنے کے لئے کھڑا ہی تھا کہ وہی مشرک ایک جماعت کے ساتھ آیا اور کہنے لگا او حبشی! میں ادھر متوجہ ہوا تو ایک دم بے تحاشا گالیاں دینے لگا اور برا بھلا جو منہ میں آیا کہا اور کہنے لگا کہ مہینہ ختم ہونے میں کتنے دن باقی ہیں۔ میں نے کہا قریب ختم کے ہے۔ کہنے لگا کہ چار دن باقی ہیں اگر مہینہ کے ختم تک میرا سب قرضہ ادا نہ

کیا تو تجھے اپنے قرضہ میں غلام بناؤں گا اور اسی طرح بکریاں چراتا پھرے گا جیسا پہلے تھا۔ یہ کہہ کر چلا گیا۔ مجھ پر دن بھر جو گزرنا چاہئے تھا وہی گزرا۔ تمام دن رنج و صدمہ سوار رہا اور عشاء کی نماز کے بعد حضورؐ کی خدمت میں تنہائی میں حاضر ہوا اور سارا قصہ سنایا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ آپؐ کے پاس اس وقت ادا کرنے کو فوری انتظام ہے اور نہ کھڑے کھڑے میں کوئی انتظام کر سکتا ہوں وہ ذلیل کرے گا۔ اس لئے اگر اجازت ہو تو اتنے قرض اترنے کا انتظام ہو، میں کہیں روپوش ہو جاؤں جب آپؐ کے پاس کہیں سے کچھ آ جائے گا تو میں حاضر ہو جاؤں گا' یہ عرض کر کے میں گھر آیا تلوار لی' ڈھال اٹھائی' جوتہ اٹھایا یہ ہی سامان سفر تھا اور صبح ہونے کا انتظار کرتا رہا کہ صبح کے قریب کہیں چلا جاؤں گا۔ صبح قریب ہی تھی کہ ایک صاحب دوڑے ہوئے آئے کہ حضورؐ کی خدمت میں جلدی چلو۔ میں حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کہ چار اونٹنیاں جن پر سامان لدا ہوا تھا بیٹھی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا خوشی کی بات سناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے قرضہ کی بے باقی کا انتظام فرما دیا۔ یہ اونٹنیاں بھی تیرے حوالے اور ان کا سب سامان بھی۔ فدک کے رئیس نے یہ نذرانہ مجھے بھیجا ہے۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور خوشی خوشی ان کو لے کر گیا اور سارا قرضہ ادا کر کے واپس آیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اتنے میں مسجد میں انتظار فرماتے رہے۔ میں نے واپس آ کر عرض کیا کہ حضورؐ اللہ کا شکر ہے حق تعالیٰ نے سارے قرضے سے آپؐ کو سبکدوش کر دیا اور اب کوئی چیز بھی قرضہ کی باقی نہیں رہی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اسے بھی تقسیم ہی کر دے تاکہ مجھے راحت ہو جائے۔ میں گھر میں بھی اس وقت تک نہیں جانے کا جب تک یہ تقسیم نہ ہو جائے۔ تمام دن گزر جانے کے بعد عشاء کی نماز سے فراغت پر

حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ وہ بچا ہوا مال تقسیم ہو گیا یا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ کچھ موجود ہے، ضرورت مند آئے نہیں۔ تو حضورؐ نے مسجد ہی میں آرام فرمایا۔ دوسرے دن عشاء کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہو جی کچھ ہے میں نے عرض کیا کہ اللہ جل شانہ نے آپ کو راحت عطا فرمائی کہ وہ سب نمٹ گیا۔ حضورؐ نے اللہ جل شانہ کی حمد و ثناء فرمائی۔ حضورؐ کو یہ ڈر ہوا کہ خدانخواستہ موت آ جائے اور کچھ حصہ مال کا آپؐ کی ملک میں رہے۔ اس کے بعد گھروں میں تشریف لے گئے اور بیویوں سے ملے۔"

(ص ۴۵-۴۶)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام چونکہ حطام دنیا کی طرف التفات نہیں فرماتے تھے اس لئے اہل دنیا ان کی عسرت و تنگ دستی کو (جو ان حضرات کی خود اختیاری تھی) نظر حقارت سے دیکھتے تھے۔ مثلاً فرعون کے پاس دنیا کی ہر نعمت موجود تھی۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کل کائنات یہ کہ ہاتھ میں عصا اور کندھے پر کلیم۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

ونادی فرعون فی قومہ قال یقوم الیس لی ملک مصر و ھذہ الانھر تجری من تحتی افلا تبصرون ○ ام انا خیرمن ھذا الذی ھو مھین ولا یکاد یبین ○ فلولا القی علیہ اسورۃ من ذھب اوجاء معہ الملئکۃ مقترنین۔

(سورہ زخرف ۵۱ تا ۵۳)

ترجمہ: "اور پکارا فرعون نے اپنی قوم میں، بولا اے میری قوم بھلا میرے ہاتھ میں نہیں حکومت مصر کی؟ اور یہ نہریں چل رہی ہیں میرے محل کے نیچے، کیا تم نہیں دیکھتے؟ بھلا میں ہوں بھی بہتر اس شخص سے جس

کو کچھ عزت نہیں' اور صاف نہیں بول سکتا۔ پھر کیوں نہ آپڑے اس
پر کنگن سونے کے یا آتے اس کے ساتھ فرشتے پرا باندھ کر"

(ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

اور مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی جو شرطیں ذکر کیں ان میں ایک یہ تھی کہ :

اوتکون لک جنۃ من نخیل وعنب فتفجر
الانہار خللھا تفجیرا۔

(بنی اسرائیل ۹۱)

ترجمہ :" یا ہو جائے تیرے واسطے ایک باغ کھجور اور انگور کا' پھر بہائے تو
اس کے بیچ نہریں چلا کر۔"

(ترجمہ شیخ الہندؒ)

یا یہ کہ :

اویکون لک بیت من زخرف۔

(بنی اسرائیل ۹۳)

ترجمہ" :"یا ہو جائے تیرے لئے ایک گھر سنہرا (سونے کا)"

مطلب یہ کہ ان پرستاران دنیا کی نظر میں عزت و وجاہت کا معیار یہ ہے کہ کوئی شخص بڑے بڑے باغات کا مالک ہو جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں۔ یا اس کے پاس سونے چاندی کے عالی شان محلات ہوں' اگر یہ چیزیں نہیں تو ان کی نظر میں اس کی خاک عزت نہیں۔

فرعون و ہامان ہوں یا ابوجہل و ابولہب۔وہ آخرت کے سرے سے منکر تھے' اگر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یا حضرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے ہیں تو اس قدر تعجب خیز نہیں تھا جس قدر تعجب خیز ان حضرات کا طرز عمل ہے جو بزعم خود

مسلمان کہلاتے ہیں اور ایمان بالآخرت کا دعویٰ کرتے ہیں' اس کے باوجود انبیاء کرام علیہم السلام کے وارثوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور ان کو ملائیت کے طعنے دیتے ہیں۔ پاکستان کی پوری تاریخ میں ایسے منافقان سیاہ باطن دین اور اہل دین کے خلاف برسرپیکار رہے ہیں اور "مولوی 'ملا'" کہہ کر ان کے خلاف زہر اگلتے رہے۔ ملائیت اور مولویت کے خلاف ان کا جارحانہ اقدام کبھی عقل و منطق اور شرافت و شائستگی کی قید کا پابند نہیں رہا۔ سب سے پہلے پاکستان کے فرعون اول سکندر مرزا نے ملائیت کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا اور ملاں کو سونے کی کشتی میں بٹھا کر سمندر پار بھیج دینے کا اعلان فرمایا تھا لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ خود مکافات عمل کا نشانہ بن گیا اور قدرت نے اسے سونے کی کشتی میں نہیں بلکہ مال بردار جہاز میں لاد کر سمندر پار بھجوا دیا۔ اور پھر جو کچھ اس کا انجام ہوا وہ سب کے لئے سامان عبرت ہے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے بے نظیر دور حکومت میں وقت کے فرعونوں کا ایک پورا ٹولہ دین اور اہل دین کا مذاق اڑانے کے مشن پر مامور تھا اور بولہبیان عصر حاضر کی ایک پوری جماعت وارثان مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر طنز و تشنیع کرنے اور آوازے کسنے میں مصروف تھی' قدرت کا انتقام دیکھئے کہ آج وہ خود "رہین ستم ہائے روزگار" ہیں اور غبارہ محمل بن کر اپنے زخم چاٹ رہے ہیں۔

آئی جے آئی کی حکومت جو اسلام کی بالادستی کا نعرہ لگا کر دینی جماعتوں (یا زیادہ واضح الفاظ میں ملاؤں اور مولویوں) کے تعاون سے بساط سیاست پر نمودار ہوئی تھی اس سے کسی کو یہ توقع نہیں تھی کہ وہ دور ماضی سے اتنی جلدی آنکھیں موندھ لے گی اور سکندر مرزا سے بے نظیر تک کے حال زار سے کچھ بھی عبرت نہیں پکڑے گی لیکن ایوان اقتدار بھی شاید عارف رومیؒ کا تمثیلی درخت ہے کہ جو بھی ایک بار اس پر چڑھ جائے اسے نیچے دو ہی دو نظر آیا کرتے ہیں۔ چنانچہ آئی جے آئی کے وزیران ہوشمند نے سکندر مرزا اور بے نظیر کے استعمال شدہ ساز اٹھا کر مولویت و ملائیت کے خلاف وہی پرانی راگنی شروع کر دی ہے ایک صاحب فرماتے ہیں۔

"مولویوں نے اسلام اور پاکستان کو بدنام کر دیا کوئی بھی بیرونی سرمایہ کار پاکستان میں صنعت لگانے کو تیار نہیں! ہم دنیا میں اکیلے رہ گئے ہیں۔ وطن عزیز بنیاد پرستی کے لئے نہیں بنا تھا۔"

ایک دوسرے صاحب فرماتے ہیں :

"پاکستان میں ملاازم نہیں چلے گا۔ دینی مدارس کی گرانٹ بند کر دی جائے گی۔ میں کسی مولوی کے نظریات کو نہیں مانتا۔ شرعی عدالت کے اختیارات کو محدود کرانے کے لئے پارلیمنٹ میں بل پیش کیا جائے گا۔ سود کے (جائز ہونے کے) بارے میں حکومت کا وہی موقف ہے جو میرا ہے۔" وغیرہ وغیرہ۔

ان وزیران بے تدبیر کے طرز عمل سے ایسا لگتا ہے کہ شاید وہ ملک و ملت کو پیش آمدہ تمام مسائل سے عہدہ برآ ہو چکے ہیں، بڑھتی ہوئی بے روزگاری پر قابو پالیا گیا ہے اب ملک میں کوئی نوجوان "بے کار" نہیں رہا۔ افراط زر کا جن بوتل میں دوبارہ بند کیا جا چکا ہے۔ ہوشربا گرانی کا ملک میں نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔ رشوت و استحصال وغیرہ کی لعنتوں سے قوم کو مکمل نجات مل چکی ہے۔ چوری، ڈکیتی، اغواء، قتل و غارت، فتنہ و فساد اور لسانی طبقاتی کشمکش کا وجود مٹ چکا ہے۔ رسل و رسائل اور ذرائع مواصلات میں کوئی ادنیٰ سقم بھی باقی نہیں رہنے دیا گیا۔ الغرض اب وطن عزیز جنت ارضی میں تبدیل ہو چکا ہے اور بے چارے وزراء کی فوج ظفر موج کے لئے کرنے کا کوئی کام اب باقی نہیں رہا۔ بس ملک کے اندر ایک قباحت، ایک برائی اور ایک درد سر باقی ہے اور وہ ہے ملائیت! جس کے خلاف ہمارے وزیران تیزگام پوری یکسوئی اور توجہ اور پوری قوت و شدت کے ساتھ مصروف جہاد ہیں۔ اس جہاد میں زبان کے گولہ بارود کا سارا ذخیرہ استعمال کیا جا رہا ہے۔ اور اردو انگریزی اخبارات و جرائد کے محاذ پر ملائیت کے خلاف ایسی بمباری کی جا رہی ہے جیسی امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی کثیر القومی فوج نے گزشتہ دنوں عراق پر کی تھی، مولوی

اور ملا کے خلاف ہمارے وزراء کی محاذ آرائی سے اندازہ ہوتا ہے کہ آئی جے آئی کی حکومت شاید اپنے آخری دن پورے کر رہی ہے' اور بڑی تیزی کے ساتھ اپنے انجام کی طرف بڑھ رہی ہے۔ کاش ہمارے جہاں دیدہ صدر اور ہمارے شریف وزیر اعظم ان بے لگام وزیروں کو "ایاز! قدر خویش بشناس" کی تلقین فرماتے۔

ان ظروف و احوال میں آنجناب (عزت مآب گورنر پنجاب) کا دینی مدارس کے طلبہ کے بارے میں ہتک آمیز تبصرہ کا شائع ہونا یقیناً دین اور اہل دین کی تحقیر اور دل آزاری کا موجب ہے "ہاتھ میں لوٹا پکڑا دینا" اور "شلوار ٹخنوں سے اونچی کر دینا" کے طنزیہ الفاظ سے ممکن ہے کہ کچھ لوگ محظوظ ہوئے ہوں لیکن اگر آپ غور فرمائیں گے تو صاف محسوس ہوگا کہ اس طنز و مزاح سے خود دین اور صاحب دین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تحقیر و اہانت ہوئی ہے جس سے ایک مسلمان کو سو بار پناہ مانگنی چاہئے اور آپ کا یہ ارشاد کہ اس سے بہتر یہ ہے کہ ان کو جیل بھیج دیا جائے۔ محترم! جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسلمان کے لئے دنیا کو جیل فرما چکے ہیں تو دینی مدارس کے طلبہ کے حق میں آپ کا یہ فقرہ درحقیقت ان کے حق میں اس امر کی شہادت ہے کہ وہ واقعی فرمان نبویؐ کی تعمیل کر رہے ہیں اور دنیا میں جیل کی سی زندگی گزار رہے ہیں۔ میں اس پر دینی مدارس کے طلبہ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے صحابہ کرامؓ نے اور ان کے بعد ہمارے اکابر سلف نے جن مشکلات میں زندگی گزاری آج ہم اور ہمارے دینی مدارس کے طلبہ ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور آج دینی مدارس میں علماء طلبہ کو جو سہولتیں اور راحتیں میسر ہیں پچھلے زمانوں میں کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آ سکتی تھیں۔ بلاشبہ یہ ان اکابر کا کمال تھا اور ہمارا ضعف اور نقص ہے' لیکن میں بار بار سوچتا ہوں کہ جب آنجناب موجودہ دور میں ان تمام سہولتوں اور راحتوں کے باوجود دینی مدارس کے طلبہ کی زندگی کو "جیل سے بدتر" قرار دیتے ہیں تو ہمارے اسلاف و اکابر کے بارے میں آنجناب کیا رائے قائم فرمائیں گے؟ اور جب آج کے "مولوی" کی زندگی آپ

کی نظر میں لائق تحقیر ہے تو ہمارے گزشتہ اسلاف و اکابر کی زندگی آپ کی نظر میں کیسی ہو گی؟

اور آنجناب کا یہ ارشاد کہ دینی مدارس میں عصری علوم کی تعلیم بھی دی جائے' یہ تجویز بظاہر بڑی دل کش نظر آتی ہے مگر بوجوہ چند غلط اور نہایت غلط ہے:

اولاً : اس لئے کہ دینی مدارس صرف دین کی تعلیم کے لئے وقف ہیں' ان کو صرف دین کی تعلیم کے لئے چندہ دیا جاتا ہے' اب اگر چندہ تو دین کے نام پر لیا جائے اور تعلیم غیر دین کی دی جائے تو یہ ان اہل خیر کے ساتھ دھوکا اور خیانت ہو گی جو دین کے نام پر ان مدارس کی امداد و اعانت کرتے ہیں۔

ثانیاً : جو ادارہ کسی خاص شعبہ کی تعلیم و تدریس کے لئے مخصوص ہو اس کے منتظمین کو مشورہ دینا کہ وہ اس ادارے میں اس کے علاوہ فلاں کام بھی سکھایا کریں' ایک احمقانہ رائے ہے آپ نے کسی زرعی کالج میں جا کر وہاں یہ مشورہ کبھی نہیں دیا ہو گا کہ وہ اپنے طلبہ کو جوتے گانٹھنے کا فن بھی سکھایا کریں۔ کیونکہ ملک کی ترقی کے لئے اس کی بڑی ضرورت ہے اور کسی لاء کالج کے منتظمین کو کبھی یہ مشورہ نہیں دیا ہو گا کہ ان طلبہ و طالبات کو سینے پرونے کا کام بھی ضرور سکھایا کریں کسی انجینئرنگ کالج کے طلبہ کو یہ مشورہ نہیں دیا گیا کہ ان کو نائی اور دھوبی کا کام بھی ضرور سکھایا جائے۔ یہ بھی بڑے ضروری کام ہیں۔ اس قسم کی تمام تجاویز کو احمقانہ قرار دیا جائے گا اور کوئی عقلمند ایسی تجویز پیش نہیں کرے گا۔ چونکہ دینی مدارس قرآن و سنت اور دین مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ماہرین تیار کرنے کے لئے مخصوص ہیں لہٰذا ان کو یہ مشورہ دینا کہ وہ ان کو دنیا کا کوئی پیشہ بھی سکھایا کریں اس کی مثال ایسی ہو گی کہ کوئی شخص کیمبرج یونیورسٹی کے منتظمین کو جا کر یہ مشورہ دے کہ ازراہ کرم وہ اپنے طلبہ کو بھنگی کا کام ضرور سکھایا کریں۔ جیسا کہ اوپر بیان کر چکا ہوں علوم نبوت کے مقابلہ میں جدید علوم' جن کا سب سے بڑا مقصد ہی پیٹ پوجا

ہے ان کی حیثیت شاید بھنگیوں کے پیشہ سے بھی گھٹیا ہو۔ لیکن ہمارے ذہنوں میں مادیت کا تسلط ہے کہ ہم علوم نبوت کی تعلیم کو کام ہی نہیں سمجھتے' اور ہمارا یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے۔ ان کفار کے طرز عمل کے مشابہ ہے جو اپنی دنیوی کروفر پر نازاں تھے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بنظر حقارت دیکھتے تھے' اگر ہمارے قلوب میں علوم نبوت کی عظمت و وقعت ہوتی تو دینی علوم کے حاملین کو نظر حقارت سے نہ دیکھتے۔

ثالثاً : عصری علوم کی تعلیم کے لئے بے شمار تعلیم گاہیں ملک میں موجود ہیں اور ان سے فارغ ہونے والوں کی ایک بڑی اور ہولناک تعداد اپنی اعلیٰ ڈگریاں ہاتھ میں لئے حصول روزگار میں سرگرداں ہے۔ لیکن انہیں نہ ملازمت ملتی ہے اور نہ کسی اور کام میں ان کی کھپت ہے' جن حضرات کو دینی طلبہ پر ترس آ رہا ہے اور وہ دینی مدارس میں عصری علوم پڑھانے کی تلقین فرمایا کرتے ہیں ان کو ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرنا چاہئے کہ ہمارے عصری علوم کے اداروں نے بے کار نوجوانوں کی کھپت میں اضافہ کرنے کے سوا اور کون سا کارنامہ انجام دیا ہے؟ کہ ٹوٹے پھوٹے دینی مدارس کو بھی عصری علوم کے اداروں میں تبدیل کر کے ایسے بے کار نوجوانوں کی تعداد میں اضافہ کا مشورہ دیا جا رہا ہے؟

رابعاً : دینی مدارس کے نصاب میں حالات زمانہ اور عصری تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے متعدد تبدیلیاں کی گئی ہیں اور ان مدارس کے اکابر نے بارہا اس مسئلہ پر بھی غور و فکر کیا ہے کہ قرآن و سنت اور دینی علوم کے بنیادی ڈھانچے کو قائم رکھتے ہوئے دینی مدارس میں جدید علوم کو کس طرح سمویا جائے کہ یہ نصاب قدیم و جدید اور دین و دنیا کی تعلیم کا ایک حسین مرقع بن جائے۔ اس سلسلہ میں متعدد عملی تجربات بھی کئے گئے۔ لیکن ہمیں اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی عار نہیں کہ دینی مدارس کے مقصد و موضوع کو قائم رکھتے ہوئے ابھی تک جدید علوم کا پیوند لگانا ممکن نہیں ہوا' کیونکہ عملی تجربات نے ثابت کر دیا کہ اس پیوندکاری کے نتیجہ میں یا تو دینی مدارس اپنے اصل موضوع سے ہٹ جائیں اور اپنے اصل ہدف کو بھول کر جدید عصری تعلیم گاہوں میں تبدیل ہو جائیں' اس صورت میں ان

کو دینی مدارس کہنا اور دینی تعلیم کے نام پر قوم کے اہل خیر سے چندہ لینا جائز نہیں ہوگا۔ یا یہ نتیجہ ہوگا کہ ان مدارس سے پیدا ہونے والی نسل کے ہاتھ میں نہ دین رہے نہ دنیا' نہ وہ جدید علوم میں لائق رشک مقام حاصل کرسکیں اور نہ قرآن و سنت اور دینی علوم میں ان کی مہارت لائق اعتماد ہوگی اس لئے دینی مدارس کے اکابر نے طویل غور و فکر اور مسلسل تجربات کی روشنی میں یہ تجویز کیا ہے کہ نصاب میں قدیم و جدید کی پیوند کاری کے بجائے یہ صورت اختیار کی جائے کہ دینی مدارس کے فضلامیں جو حضرات ذہین و فطین ہوں وہ دینی علوم سے فراغت کے بعد جدید علوم میں خصوصی مہارت حاصل کریں۔ یہ صورت قابل عمل بھی ہے اور بہت سے فضلاء نے اس میدان میں لائق تحسین کامیابیاں بھی حاصل کی ہیں۔ الغرض قدیم و جدید کو مخلوط کرنے کی جو تجویز ہمارے روشن خیال حضرات پیش کیا کرتے ہیں اس کی عملی صورت یہ ہے جو اوپر عرض کی گئی 'ورنہ دینی مدارس کے نصاب میں جدید علوم کو ٹھونس دیناعلوم نبوت کے ساتھ صریحاً ظلم اور بے انصافی ہے۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری (نور اللہ مرقدہ) یہ واقعہ بیان فرماتے تھے کہ مشرقی پاکستان میں (جن دنوں بنگلہ دیش مشرقی پاکستان ہوتا تھا) مشرق و مغرب کے اکابر نصاب کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے جمع تھے' اور اسی نکتہ پر بحث ہو رہی تھی کہ جدید علوم کو دینی مدارس کے نصاب میں کیسے سمویا جائے؟ حضرتؒ فرماتے تھے کہ رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کانوں میں انگلیاں دے کر بلند آواز سے اذان کہہ رہا ہے اور اس نے اذان میں یہ کلمات دہرائے:

"الا ان النجاۃ فی علوم سید السادات"

"سنو! کہ بے شک نجات صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم میں ہے۔"

حضرتؒ فرماتے تھے کہ صبح کو میں نے یہ خواب اکابر علماء کے اجتماع میں ذکر کیا' اور سب کی رائے یہی ٹھہری کہ دینی مدارس کے نصاب میں جدید علوم کی پیوند کاری سے گریز کیا جائے۔

آنجناب نے بڑی خیر خواہی و ہمدردی سے دینی اداروں میں تعلیم پانے والے حضرات کی کسمپرسی کو ذکر کیا ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد صرف پانچویں یا چھٹے اسکیل کے علاوہ کسی اور عہدے پر بھرتی ہونے کے قابل نہیں ہوتے۔

اس سلسلہ میں اولاً یہ گزارش ہے کہ حکومت کے عہدوں پر بھرتی ہونا اہل علم کا مقصد ہی نہیں، اگر حکومت کی معارف پروری اور قدر شناسی دینی مدارس کے فضلاء کو پہلے اسکیل کے لائق بھی نہیں سمجھتی تو حکومت اور اس کے اسکیل آپ حضرات کو مبارک ہوں۔ اہل علم کو ان کی کوئی خواہش نہیں۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ سنجر حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ کا معتقد تھا، اس نے "نیمروز" کا علاقہ حضرتؒ کے مدرسہ و خانقاہ کے لئے وقف کرنے کی پیشکش کی، حضرتؒ نے اس کے جواب میں یہ قطعہ تحریر فرمایا:

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد
گر در دل بود ہوس ملک سنجرم
آنگہ کہ خبر یافتم از ملک نیم شب
من ملک نیمروز رابیک جونمی خرم

ترجمہ: "میرے نصیبے کا چہرہ چتر شاہی کی طرح سیاہ ہو جائے اگر میرے دل میں ملک سنجر کی ہوس پیدا ہو۔ میں نے جب سے "ملک نیم شب" (آدھی رات کی گریہ وزاری) کی خبر پائی ہے۔ میں "ملک نیمروز" کو ایک جو کے بدلے میں بھی لینے کو تیار نہیں۔"

ہمارے اکابر میں شاہ غلام علی مجددی دہلویؒ ہوئے ہیں۔ ان کے دسترخوان پر ہزاروں آدمی کھانا کھاتے تھے، بادشاہ وقت نے ان کی خدمت میں لکھا کہ آپ کے لنگر کا خرچہ بہت بڑھ گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے لئے کچھ قطعہ اراضی بطور جاگیر دے دوں جس سے اس کا خرچ چلتا رہے۔ حضرتؒ کے پاس خط پہنچا تو اس کی پشت پر یہ شعر لکھ کر واپس کر دیا:

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم
با بادشاه بگو که روزی مقرر است

ترجمہ:۔ ہم فقروقناعت کی آبرو کو بٹا نہیں لگائیں گے۔ بادشاہ سے کہہ دو کہ روزی مقرر ہو چکی ہے۔

الغرض اگر آپ کی حکومت اہل علم کو کسی اچھے گریڈ کے لائق نہیں سمجھتی تو یہ گریڈ آپ کو اور آپ کی حکومت کو مبارک ہو۔ اہل علم آپ کے گریڈوں کی قیمت ایک جو کے برابر نہیں سمجھتے حق تعالیٰ شانہ نے ان کو جس دولت جاوداں سے نوازا ہے اس کے مقابلہ میں ہفت اقلیم کی سلطنت بھی ہیچ ہے۔ اور جو اہل علم ان سرکاری گریڈوں کی خواہش دل میں لئے پھرتے ہیں وہ حقیقت میں علمائے ربانی کے زمرہ ہی سے خارج ہیں۔

"ہر کہ کشتہ نہ شد از قبیلہ مانیست"

البتہ آپ کو اور آپ کے گریڈوں کی درجہ بندی کرنے والوں کو یہ سوچ رکھنا چاہئے کہ جب قیامت کے دن یہ سوال ہو گا کہ "تم نے مردار دنیا کے ماہرین کو تو بڑے اونچے اونچے گریڈ دے رکھے تھے لیکن قرآن و سنت کے ماہرین کو تم نے چپراسیوں اور بھنگیوں کا گریڈ دیا۔ کیا تمہارے دل میں قرآن و سنت اور دین مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہی وقعت و عظمت تھی؟ تو آپ حضرات کا جواب کیا ہو گا؟"

آنجناب فرماتے ہیں کہ دینی مدارس میں غریب طلبہ پڑھتے ہیں جب کہ امیروں کے لڑکے جدید تعلیم گاہوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں اور امیر لوگ دینی مدارس کو صرف چندہ دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔

گزارش ہے کہ اول تو یہ کلیۃً صحیح نہیں کیونکہ بحمد اللہ ایک اچھی خاصی تعداد کھاتے پیتے گھرانوں کی بھی دینی مدارس کی آغوش میں تعلیم و تربیت پا رہی ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ دینی مدارس کے طلبہ کی اکثریت پسماندہ طبقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ مگر یہ بات

دینی مدارس کے لئے عیب و عار کی نہیں بلکہ یہ ان مدارس کی خوبی اور کمال ہے کیونکہ گلشن دین کی بہار اکثر و بیشتر غرباء ہی کے دم قدم سے رہی ہے اور یہی چیز انبیاء علیہم السلام کا امتیازی نشان ہے کہ ان کے پیروکاروں میں اکثریت غرباء کی رہی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ جب شاہ روم کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوتی گرامی نامہ پہنچا تو اس نے ابوسفیان سے جو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے حریف تھے اور اتفاقاً اس وقت ملک شام گئے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں چند سوالات کئے۔ ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ اس نبیؐ کے پیرو سربر آوردہ اشراف ہیں یا کمزور اور پسماندہ لوگ؟ ابوسفیان نے کہا' کمزور اور پسماندہ لوگ۔ شاہ روم نے کہا انبیاء کرام علیہم السلام کے پیرو یہی لوگ ہوا کرتے ہیں (لہٰذا ایسے لوگوں کا آپؐ کی پیروی کرنا آپؐ کے نبی برحق ہونے کی دلیل ہے) قرآن کریم میں کافروں کا اہل ایمان کے بارے میں یہ طعنہ نقل کیا ہے کہ "اگر یہ دین خیر کا راستہ ہوتا تو یہ (غریب غرباء لوگ) اس میں ہم سے گوئے سبقت نہ لے جاتے" تعجب ہے کہ جو طعنہ کفار مکہ مسلمانوں کو دیتے تھے آج وہی طعنہ ہمارا لکھا پڑھا دانشور طبقہ دینی مدارس کے غریب طلبہ کو دے رہا ہے۔ حدیث میں ہے کہ "میں نے جنت دیکھی تو اس میں اکثریت پسماندہ اور فقراء کی پائی گئی اور دوزخ کو دیکھا تو اس میں زیادہ تر اغنیاء اور عورتوں کی دیکھی" (مسند احمد ص ۱۷۳ ج ۲)

گویا ہمارے دینی مدارس جنت کا نمونہ پیش کر رہے ہیں اور آج کل کی جدید تعلیم گاہیں نمونہ جہنم ہیں۔ الغرض دین کی طرف اکثر غریب طبقہ کا رجوع رہا ہے' اس لئے اگر دینی مدارس کی رونق بھی غریب و نادار طبقہ سے قائم ہے تو یہ ان کے حسن و کمال کی دلیل ہے۔ علامہ اقبالؒ نے جواب شکوہ میں اسی حقیقت کا اظہار فرمایا تھا۔

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آراء تو غریب
زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب

امراء نشہ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملت بیضا غرباء کے دم سے

دینی مدارس کی تاریخ یہ ہے کہ برصغیر (متحدہ ہندوستان) میں انگریز نے لارڈ میکالے کا نظام تعلیم رائج کیا اور جدید تعلیم کے جادو نے اعلیٰ طبقہ کے بہترین دماغوں کو مردار دنیا کی طرف کھینچ لیا تو دینی مدارس کے خضر صفت درویشان خدامست نے قوم کے غریب، کمزور اور پسماندہ طبقہ کے بچوں کو اپنی آغوش شفقت میں لیا اور اپنی ساری صلاحیتیں ان کی تعلیم و تربیت پر صرف کر دیں۔ جن بچوں کے والدین نان جویں کے محتاج تھے ظاہر ہے کہ وہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کی اونچی اونچی فیسیں اور شاہانہ اخراجات کا بوجھ اٹھانے کی سکت نہیں رکھتے تھے، ان بزرگوں نے ایسے پسماندہ اور غریب بچوں کے لئے دینی مدارس کی شکل میں مفت تعلیم کا نظام رائج کیا قوم کے مخیر حضرات سے دینی تعلیم کے لئے چندے لے لے کر ان بچوں کے لئے مفت رہائش کا، روٹی کپڑے کا، علاج معالجہ کا، کتابوں کا، اساتذہ کا اور دیگر ضروریات کی کفالت کا بوجھ اپنے ذمہ لیا۔ یہ نظام کامیاب ہوا، بحمد اللہ آج گلشن محمدیؐ انہی دینی مدارس اور ان میں پڑھنے والے غربا کے دم قدم سے سدابہار ہے۔ اس گئے گزرے زمانے میں جب کہ مادیت کا سیلاب چاروں طرف سے امڈ رہا ہے اور انسان کی پیمائش جیب اور پیٹ کے پیمانوں سے کی جا رہی ہے، دینی مدارس کا یہ کارنامہ بلاشبہ معجزہ نبوت ہے۔ اگر یہ اکابر دینی مدارس کے ذریعہ غریب بچوں کے لئے مفت تعلیم کا انتظام نہ کرتے تو انگریز کے لائے ہوئے نظام تعلیم کے ذریعہ برصغیر پاک و ہند سے اسلام کے آثار اسی طرح مٹا دیئے جاتے جس طرح اسپین سے اسلام کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ امراء کی اولاد جدید تعلیم کے راستہ سے الحاد و زندقہ کی وادیوں میں بھٹکنے پر مجبور ہوتی اور غریب طبقہ کی نئی نسل کو ان کی غربت کی وجہ سے غیر قومیں نگل جاتیں، دینی مدارس کے نظام نے ایک طرف پسماندہ طبقہ کو سنبھالا اور انہیں غیر قوموں کی گود میں گرنے سے بچایا اور دوسری طرف امراء کے لئے روشنی کا مینار قائم کئے رکھا اور ان کو اندھیروں میں بھٹکنے سے

محفوظ رکھا۔ گویا ان دینی مدارس کی بدولت دین اور دین کے آثار درخشندہ و تابندہ رہے اور عام و خاص اور امیرو غریب کا ایمان محفوظ رہا۔ گویا غلامی کے دور میں جدید تعلیم کے طوفان بلاخیز کے دوران ان دینی مدارس کی حیثیت اس جزیرہ اور ٹاپو کی تھی جہاں ایمان اور اہل ایمان کو پناہ ملی اور اسلام کی روشنی قائم رہی۔ یہ ہے دینی مدارس کا وہ عظیم الشان کارنامہ جو ایک زندہ قوم کے لئے لائق صد فخراور دوسری قوموں کے لئے لائق صد رشک ہے' بڑی بے انصافی اور کور چشمی ہو گی اگر دینی مدارس کے اس کارنامے سے آنکھیں موندھ لی جائیں۔ بلاشبہ دینی مدارس کے نظام میں ان مخیر حضرات کا بڑا حصہ ہے جنہوں نے اپنے اکابر بزرگان دین کی دیانت و امانت پر اعتماد کرتے ہوئے ان کارخیر کے لئے انہیں عطیات دیئے' جن سے دینی مدارس کا یہ نظام کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ انشاء اللہ ان اہل خیر حضرات کا اجر دینی مدارس میں پڑھنے پڑھانے والوں سے کم نہیں ہو گا۔

آنجناب نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ بہت سے علماء کے بچے دینی مدارس کے بجائے جدید تعلیم گاہوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اس کے بارے میں یہی عرض کر سکتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک تکوینی نظام ہے کہ وہ اپنے کارخانہ دین کے کارکنوں کو بدلتے رہتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا دین شخصیات کا مرہون منت نہیں۔ ہماری تاریخ میں بڑے بڑے اکابر گزرے ہیں لیکن آج ان کے اخلاف میں کوئی نابغہ شخصیت مشکل ہی سے نظر آئے گی۔ اس کے برعکس جب اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کا کام لینا منظور ہوا تو سکھوں کو مشرف بہ اسلام کر کے ان کی اولاد میں امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ جیسے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی اقلیم کے تاجدار کھڑے کر دیئے پس اگر کچھ علماء ایسے ہیں جن کی اولاد اپنے اکابر و اسلاف کی وراثت سے روگردانی کر کے جدید تعلیم کے لئے یورپ و امریکہ کی خاک چھانتی پھرتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حکمت خداوندی ان کو اپنے دین کی خدمت کے بلند و بالا منصب سے معزول کر کے ان کی جگہ کچھ دوسرے حضرات کو لانا چاہتی ہے۔ بڑے ہی خوش قسمت ہیں وہ حضرات جن کو دین مصطفویؐ کی خدمت میں

لگا دیا گیا ہے۔ وہ اس اعزاز و انتخاب خداوندی پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر کریں کم ہے اور بڑے ہی بدقسمت ہیں وہ لوگ جن کو اس خدمت سے معزول اور برطرف کر دیا گیا ہے اور وہ مکروہ چہرے والی لیلائے دنیا سے عشق لڑاتے پھر رہے ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے صحیح فرمایا ہے :

منت منہ کی خدمت سلطان ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بہ خدمت بداشتت

یعنی اگر تم بادشاہ کی خدمت کرتے ہو تو یہ تمہارا احسان نہیں بلکہ بادشاہ کا احسان ہے کہ تمہیں خدمت پر لگا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مدارس کے ارکان کو اخلاص و للّٰہیت کی دولت سے سرفراز فرمائیں۔ آمین

ان تمام گزارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ دینی مدارس (اپنی بے سروسامانی کے باوجود) الحمدللہ اپنے مقصد میں کامیاب ہیں امت مسلمہ کے لئے خیروبرکت اور سعادت کا سرچشمہ ہیں' دین و ایمان کی حفاظت و بقا کا ذریعہ ہیں آئندہ نسلوں کے لئے روشنی کا مینار ہیں اور اس گئے گزرے دور میں فیضان نبویؐ کا اعجاز ہیں اس لئے ان کی حالت پر ترس کھانے اور ان کو جدید تعلیمی اداروں میں تبدیل کرنے کی فکر نہ کیجئے۔

ان حضرات کی فکروتوجہ کا مرکز جدید تعلیمی ادارے (اسکول' کالج اور یونیورسٹیاں) ہونی چاہئیں' جن میں قوم کے عالی دماغ پرورش پا رہے ہیں اور جن پر اس غریب قوم کا کروڑوں اربوں روپیہ ضائع ہو رہا ہے ان اداروں میں کلاشنکوف کا راج ہے اور قریب قریب ہر ادارہ میدان کارزار بنا ہوا ہے۔ بہت سے اداروں کے دروازوں پر ہمہ وقت پولیس کا پہرہ رہتا ہے۔ ان دانشگاہوں میں نہ اساتذہ کی عزت محفوظ ہے نہ شرف انسانیت کا احترام ہے' نہ شریف لڑکے لڑکیوں کی عزت و حرمت اور عفت و عصمت کی ضمانت ہے۔ ان تعلیم گاہوں کے نظام تعلیم نے نئی نسل کے ہاتھ میں نہ دین چھوڑا ہے نہ دنیا' نہ ایمان' نہ اخلاق ۔ یہ دانش کدے انسانیت کا مقتل ثابت ہو رہے ہیں' جن کے بارے میں

اکبر مرحوم نے پون صدی پہلے کہا تھا۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ان جدید تعلیم گاہوں میں آج تک لارڈ میکالے کا فرسودہ اور ملعون نظام تعلیم رائج ہے' اگر فوری طور پر ان کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی گئی اور ان کا نصاب تعلیم 'نظام تعلیم 'مقصد تعلیم اور طرز تعلیم تبدیل نہ کیا گیا تو مستقبل میں ان کا وجود قوم کے لئے مزید تباہی کا باعث ہوگا اور قوم قعر مذلت میں گرتی جائے گی۔

دینی مدارس پر پھبتیاں اڑانے والو! میرا معروضہ سنو! اگر تم ان جدید تعلیمی اداروں کی اصلاح سے عاجز آ چکے ہو تو ان اداروں کی زمام اختیار "مولویوں" کے حوالے کر کے دیکھ لو کہ وہ ان اداروں میں دینی خطوط پر نظام تعلیم جاری کریں۔ پھر "مولویوں" کی اعلیٰ ذہنی اور تعلیمی صلاحیتوں کا مشاہدہ کر لینا۔

کسی کو غلط فہمی نہ ہو میں نصاب تعلیم کے بارے میں گفتگو نہیں کر رہا بلکہ ان اداروں کے بگڑے ہوئے فرسودہ نظام تعلیم اور طریق تعلیم کی بات کر رہا ہوں۔ ان تعلیمی اداروں کا نصاب تعلیم بے شک جدید سے جدید اور اونچے سے اونچا رکھا جائے لیکن نظام تعلیم خالص دینی اور "مولویانہ" ہو تو ان اداروں کے صحیح سمت رواں دواں ہونے کی توقع ہو سکتی ہے 'ورنہ یہ "بیمار صنعت" قوم کو دیوالیہ بنا دے گی۔ کیا ناخدایانِ قوم راقم کی ان گزارشات پر کان دھریں گے؟ اور قوم کو ان تعلیم گاہوں کے عذابِ الیم سے نجات دلائیں گے؟ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو اس سلسلہ میں مزید گزارشات کسی دوسری صحبت میں عرض کروں گا۔

وللہ الحمد اولاً و آخراً

بینات ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ

دینی مدارس کے خلاف ایک نئی سازش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد

قیام پاکستان سے اب تک افسرشاہی کی طرف سے وقتاً فوقتاً یہ کوشش ہوتی رہی ہے کہ دینی مدارس کو یا تو سرے سے ختم کر دیا جائے یا کم از کم انہیں سرکاری تحویل میں لے کر ان کی موجودہ افادیت کو ختم کر دیا جائے۔

موجودہ حکومت نے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے یہ "فرمان شاہی" جاری کیا کہ دینی مدارس کو نئی رجسٹریشن نہ دی جائے اور جو مدارس رجسٹرڈ ہیں ان کی رجسٹریشن کی تجدید نہ کی جائے چنانچہ ۲۴ ستمبر ۱۹۹۴ء کے اخبارات میں ہے:

"دینی درسگاہوں کی نئی رجسٹریشن پر پابندی عائد کر دی گئی"

"پورے ملک میں قائم دو لاکھ سے زائد دینی درس گاہوں کے بارے میں چھان بین کے احکامات جاری کر دیئے گئے۔"

"لاہور ۲۳ ستمبر (این این آئی) وزارت داخلہ نے ملک بھر میں دینی درسگاہوں کی نئی رجسٹریشن پر پابندی عائد کر دی ہے اور چاروں صوبوں میں پہلے سے قائم پونے دو لاکھ سے زائد دینی درسگاہوں کے بارے میں چھان بین کرنے کے احکامات جاری کئے ہیں۔ وزارت داخلہ کے ایک مراسلہ کے مطابق رجسٹریشن ایکٹ مجریہ ۱۸۶۰ء کے تحت رجسٹرڈ شدہ تمام دینی اداروں اور درسگاہوں کے بارے میں تحقیقات کرنے کے احکامات جاری کئے گئے ہیں۔ مراسلہ میں چاروں صوبائی رجسٹرار جوائنٹ

اسٹاک کمپنیز کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ کسی نئے دینی ادارے یا دینی مدرسے کی رجسٹریشن نہ کریں اور تا حکم ثانی کسی کی رجسٹریشن کی تجدید بھی نہ کریں۔ مراسلے کے ذریعے چاروں صوبائی انسپکٹر جنرل پولیس کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس بات کی چھان بین کریں کہ کون سا ادارہ کس ملک سے امداد لے رہا ہے اور ان میں سے کون سے ادارے ملک میں فرقہ وارانہ فسادات پھیلانے میں ملوث ہیں۔"

(روزنامہ امن کراچی ۲۴ ستمبر ۱۹۹۴ء)

دینی مدارس کی اصلاح اور ان پر کنٹرول حاصل کرنے' ان کی افادیت ختم کرنے اور ان کی آزادی سلب کرنے کا یہ منصوبہ کوئی نیا نہیں بلکہ سابقہ ادوار میں بھی اس پر غور ہوتا رہا ہے اور سرکاری افسران کا لادین طبقہ ہمیشہ سے دینی مدارس کی آزادانہ کارکردگی کو تشویش کی نگاہوں سے دیکھتا اور ان کو رام کرنے کے لئے تدابیر سوچتا اور منصوبے بناتا رہا۔ چنانچہ مختلف اوقات میں متعدد بار ایسی کوششیں کی جا چکی ہیں۔ اس سلسلہ کی سب سے پہلی کوشش ایوب خاں کے دور میں کی گئی جس کی نشاندہی کرتے ہوئے حضرت مولانا لطف اللہ پشاوری لکھتے ہیں:

"سکندر مرزا کے زمانہ میں پاکستان میں مغرب زدہ لوگوں کا طوطی بولتا تھا' حکومت کے ارباب حل و عقد پر بھی ہمیشہ اسی طبقہ کا اثر رہا۔ ان لوگوں کو یہ تکلیف تھی کہ حکومت جو بھی تجدد پسندانہ نئی حکمت عملی تجویز کرے' اس کے لئے صرف علماء کا طبقہ سنگ راہ بن جاتا ہے۔ مولانا نورالحق صاحب سابق ڈین اسلامیہ کالج پشاور نے راقم الحروف سے بیان کیا کہ ایک دفعہ سابق صدر ایوب خان نے مجھ سے کہا:

تیونس' مراکش' مصر' شام کسی جگہ بھی علماء حکومت کے خلاف دم نہیں مار سکتے محکمہ اوقاف نے سب کو باندھ رکھا ہے ایک پاکستان ایسا ملک ہے کہ حکومت کچھ کرتی ہے تو کراچی سے پشاور تک علماء اس کے

خلاف صدائے احتجاج بلند کر دیتے ہیں اور ملک میں ایک ہل چل پیدا ہو جاتی ہے۔ تم مصر جاؤ اور وہاں جا کر جائزہ لو کہ حکومت مصر نے کس ترتیب سے علماء کو پابند رکھا ہے۔ پاکستان میں بھی علماء کو پابند کرنے کے لئے ایک منصوبہ تیار کرو۔"

(بینات رجب ۱۴۰۵ھ ،ص ۵۰)

۱۹۷۹ء میں دوسری بار صدر ضیاء الحق مرحوم کے دور میں بھی اس سلسلہ کی کوشش کی گئی کہ کسی طرح ان مولویوں پر کنٹرول حاصل کیا جائے چنانچہ اس سلسلہ میں "قومی کمیٹی برائے دینی مدارس" قائم کی گئی جس میں ہوشیاری اور چالاکی سے یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی تھی کہ دینی مدارس سے ہمیں بہت ہی زیادہ خیرخواہی اور تعلق ہے اور ان کے نظام تعلیم اور اخراجات کے سلسلہ میں تمام مشکلات کو دور کرنا ہمارا دینی اور اخلاقی فریضہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو بینات رجب ۱۴۰۵ھ)

لیکن بحمد اللہ یہاں بھی حکومتی کارندوں کو ناکامی ہوئی اور اسے تمام علماء کرام نے متفقہ طور پر مسترد کر دیا۔

یوں ضیاء الحق مرحوم کے ذریعہ بھی لادین طبقہ کا دینی مدارس پر کنٹرول کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

بے نظیر حکومت کے "بے نظیر" دور میں دینی مدارس کے خلاف اٹھائی گئی اس تحریک کا بھی وہی حشر ہو گا جو ان کے پیش روؤں کے منصوبوں کا ہو چکا ہے۔

گزشتہ ایک عرصہ سے دین 'اہل دین اور دینی مدارس کے خلاف نہایت منفی' زہریلا پروپیگنڈا کر کے دین اور اہل دین اور دینی مدارس کو بدنام کرنے کی ناپاک سازشیں کی جا رہی ہیں۔ اصل میں لادین طبقہ اپنی مسلسل ناکامیوں سے یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ اس گئے گزرے دور میں بے حیائی اور بے دینی اور الحاد و زندقہ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ علماء حق اور مدارس دینیہ ہیں۔

جب ان مدارس پر کنٹرول حاصل کر لیا جائے گا تو یہ علماء بے دست و پا ہو کر مجبور ہو

جائیں گے' ان کے پاس جب مدارس کی رجسٹریشن نہ ہوگی تو عوام انہیں بغیر رسید کے کوئی چندہ وغیرہ نہیں دیں گے اور نہ ہی کوئی اور تعاون کی شکل باقی رہے گی بلکہ ان کے مراکز چھن جائیں گے تو انہیں حسب خواہش چلایا جاسکے گا۔ لیکن یہ ان کی بھول ہے .....اس کے لئے ہم اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے ایوبی دور کے ڈین صاحب کے وہ الفاظ نقل کرنا چاہیں گے جو انہوں نے ایوب خان کو مدارس دینیہ پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے تفصیلات کے ضمن میں کہے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا لطف اللہ پشاوری لکھتے ہیں:

"صدر ایوب نے جب اس منصوبہ پر عمل درآمد کے لئے تمام مدارس عربیہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ڈین صاحب نے ان سے کہا کہ مصر اور پاکستان کے حالات مختلف ہیں' ہماری سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر ہم مدارس کو حکومت کے قبضے میں لے لیں تو مولانا محمد یوسف بنوری جیسے علماء مدارس کے بجائے مسجدوں کی چٹائیوں پر بیٹھ کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیں گے۔ عرب ممالک میں تو عوام کو مدارس کے لئے چندہ دینے کی عادت نہیں مگر پاکستان میں ایسے علماء ہیں کہ اگر انہوں نے مساجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تو عوام اور مخلصین ان کو بغیر رسید کے چندے دیں گے اور مسجدوں میں پھر سے نئے آزاد مدرسے قائم ہو جائیں گے۔ حکومت کے سرکاری مدارس میں دینی علوم پڑھنے کے لئے کوئی نہیں آئے گا۔ اس طرح ہمارا منصوبہ خاک میں مل جائے گا"۔

(بینات رجب ۱۴۰۵ھ ص ۵۱' ۵۲)

اس لئے ارباب حکومت کو اس غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہئے کہ دینی مدارس کی رجسٹریشن ختم کرنے پر مدارس ختم ہو جائیں گے۔

لہٰذا حکومت کے بزرجمہروں کو مشورہ دیں گے کہ وہ اپنی فکری صلاحیتوں کو کسی صحیح اور مثبت سمت میں صرف کریں۔ اسلام اور مراکز اسلام اور علماء کرام سے ٹکر نہ

لیں بلکہ علماء کرام کو آزادانہ طور پر دین اور اسلام کی ترویج کا کام کرنے دیں ورنہ اس کے اثرات خود آپ اور آپ کی حکومت کے حق میں بہتر ثابت نہیں ہوں گے۔

اسی طرح حضرات علماء کرام کی خدمت میں بھی مؤدبانہ گزارش کریں گے کہ وہ اس سلسلہ میں کوئی متفقہ لائحہ عمل تجویز کریں کہ جس سے ارباب حکومت کی یہ غلط فہمی دور ہوجائے کہ ہم یا ہمارے مدارس یا اشاعت علوم دینیہ کسی شخصیت، ادارہ اور کسی کی امداد ہی پر موقوف ہیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ

محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

(بینات رجب ۱۴۱۵ھ)

دینی مدارس کے خلاف

حکومت کے عزائم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ کفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی۔ اما بعد

تحریک پاکستان کے وقت ہی سے لادین اور ملحد طبقہ اس تاک میں تھا کہ وہ دولت خداداد پاکستان میں دین اور دیندار طبقہ کو (جن کو یہ حضرات ملائیت اور ملا سے تعبیر کیا کرتے ہیں) پنپنے کا موقع نہ دیا جائے۔ بلکہ اس ملک کو خالص لادین ملک بنادیا جائے چنانچہ تحریک پاکستان کے دوران حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی خدمت میں ایک خط لکھا' جس میں اس لادین طبقہ کی ذہنیت کا ماتم کیا گیا تھا' یہ خط ایک تاریخی دستاویز ہے' جسے پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی نے "خطبات عثمانی" میں نقل کیا ہے' یہاں اس کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔ مولانا نعمانی لکھتے ہیں :

> کئی سال ہوئے ایک بہت بڑے مسلمان سرکاری عہدہ دار نے (جو غالباً سر کا بھی خطاب رکھتے ہیں) مجھ سے دوران گفتگو میں کہا تھا کہ آپ لوگ اور آپ کے یہ مذہبی گھروندے (مدرسے اور خانقاہیں) صرف اس لئے ہندوستان میں باقی ہیں کہ انگریزی حکومت کی پالیسی ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ جس دن پالیسی ہمارے ہاتھ میں آجاوے گی ہم آپ لوگوں اور آپ کے ان اڈوں کو ختم کردیں گے' اور مداخلت فی الدین کے نعروں سے آپ عوام میں جو ہیجان انگریزوں یا ہندوؤں کے خلاف پیدا کردیتے ہیں ہمارے خلاف پیدا نہیں کرسکتے۔ ہم جو کچھ کریں گے مسلمان قوم کو ساتھ لے کر کریں گے اور رائے عامہ کو اتنا زیادہ ہموار کردیں گے کہ وہ آپ کو اپنے مفاد کا دشمن اور قابل قتل سمجھنے لگیں گے جیسا کہ ٹرکی میں ہوچکا ہے"۔

قیام پاکستان سے آج تک یہ طبقہ' جو بدقسمتی سے کسی نہ کسی رنگ میں اقتدار پر قابض رہا ہے' جمہوریت کا دور ہو' یا مارشل لا کا' سکندر مرزا کا دور ہو یا ایوب خان کا' بھٹو کا دور ہو یا ضیاء الحق کا' ہر دور میں یہی طبقہ اقتدار کے چاند کا ہالا رہا ہے' اور ہمیشہ اس کوشش میں رہا ہے کہ وطن عزیز کو دین اور اہل دین سے "پاک" رکھا جائے اور اسے مغربی لادینیت کے حوالے کردیا جائے۔ ان دنوں ہماری حکومت نے علماء کرام اور دینی مدارس کے خلاف جو مہم چلا رکھی ہے وہ بھی اسی ذہنیت کی تسکین ہے' حکومت کے وزیران باتدبیر ملک وملت کے تمام مسائل گویا حل کرچکے ہیں اور انہیں نہ تو ملک میں بدامنی اور فساد کا غبار نظر آتا' نہ بڑھتی ہوئی مہنگائی وبے روزگاری کی طرف ان کی نظر جاتی ہے' نہ سیاسی انتشار وخلفشار ان کے لئے کسی پریشانی کا موجب ہے۔ الغرض ملک وملت کا کوئی اہم مسئلہ ان کی توجہ اپنی طرف منعطف نہیں کرتا۔ ان کا بس ایک ہی ہدف ہے اور وہ ہے علمائے کرام اور دینی اداروں کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کرنا۔ یہ حضرات اہل علم کو بدنام کرنے کے لئے ہر ممکن وناممکن حربے استعمال کررہے ہیں' اور انکی کردار کشی کے لئے ایسے سوقیانہ' ایسے گھٹیا اور ایسے نامناسب اور ناشائستہ الفاظ استعمال کئے جارہے ہیں' جن کی توقع کسی بھی باوقار' ہوشمند اور زیرک ودانا شخص سے نہیں کی جاسکتی۔ چہ جائیکہ کسی سنجیدہ حکومت کے ذمہ دار افراد سے ان کی توقع رکھی جائے' غالباً حکومت کے یہ برزجمہر دینی مدارس کا ناطقہ بند کرنے کا فیصلہ کرچکے ہیں' اور ان کو شاید یہ غلط فہمی ہے کہ وہ اپنی پھونکوں سے اس چراغ ہدایت کو گل کرکے وطن عزیز میں مکمل سیاہ دور کے لانے میں کامیاب ہوجائیں گے' حالانکہ یہ ان کا خیال خام ہے۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پر خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ان لوگوں کے عزائم کا اندازہ کرنے کے لئے یہ خبر ملاحظہ فرمایئے جسے اخبارات نے شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کیا ہے :

"دینی مدارس کی چھان بین اور نصاب تبدیل کرنے کا فیصلہ"

"مدارس میں فوجی تربیت کے کیمپوں پر پابندی لگادی جائے گی' ڈپٹی کمشنر ایسے مدرسوں کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے جن میں غیر ملکی طلبہ زیر تعلیم ہیں' بیرونی ممالک سے عطیات صرف حکومت کے توسط سے لئے جاسکیں گے"۔

"مدارس کے فنڈز کا باقاعدہ آڈٹ ہوگا' وزرائے اعلیٰ دو ہفتے کے اندر اپنے صوبوں میں کئے جانے والے اقدامات کی رپورٹ پیش کریں گے' وزارت داخلہ میں ایک سیل قائم کیا جائے گا' جو فیصلوں کی رپورٹ پر عمل در آمد کا جائزہ لے گا۔ وزیر اعظم کا صوبائی حکومتوں کو حکم"۔

"اسلام آباد (نمائندہ جنگ۔ا پ پ) وزیر اعظم بینظیر بھٹو کی زیر صدارت وزارت داخلہ میں اعلیٰ سطح کے اجلاس میں ملک میں فرقہ واریت کے خاتمہ' اسمگلنگ کی روک تھام اور امن وامان کے سلسلہ میں اہم فیصلے کئے گئے ہیں۔ چاروں صوبوں کے گورنروں' وزراء اعلیٰ اور چیف سیکریٹریوں نے اجلاس میں شرکت کی۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ دینی مدارس کے سلیبس کو ملک اور قوم کے مفاد میں تبدیل کرنے کے

لئے اقدامات کئے جائیں گے' دینی اداروں کا موجودہ سلیبس وزارت تعلیم اور وزارت مذہبی امور کے مشورے سے طے کیا جائے گا۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ دینی مدارس کا آڈٹ کیا جائے گا اور یہ دیکھا جائے گا کہ ان کو فنڈز مقامی طور پر حاصل ہوئے ہیں یا باہر کے ملکوں سے فراہم کئے جاتے ہیں۔ اس کی تحقیقات بھی کی جائے گی کہ کون کون سے دینی مدارس میں طلبہ کو اسلحہ کی تربیت دی جاتی ہے اور مذہب کے نام پر تشدد کو فروغ دینے کے لئے کارروائیاں کی جاتی ہیں۔

اے پی پی کے مطابق وزیر اعظم کی زیر صدارت اعلیٰ سطحی اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ملک میں کسی مدرسے اور ادارے کو بیرونی ممالک سے براہ راست عطیات وصول کرنے کی اجازت نہیں ہوگی بلکہ ایسے عطیات حکومت پاکستان کے توسط سے حاصل کئے جاسکیں گے۔ ملک بھر میں قائم ڈپٹی کمشنر ایسے مدرسوں اور اداروں کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے جن میں غیر ملکی طلبہ کے نام درج ہیں۔ اجلاس میں اسلامی نظریاتی کونسل سے کہا گیا کہ دینی مدرسوں کے معیاری نصاب کے لئے سفارشات دی جائیں۔

این این آئی کے مطابق اجلاس کئے گھنٹے جاری رہا۔ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے چاروں صوبائی حکومتوں کو حکم دیا ہے کہ ملک میں تمام مذہبی مدرسوں کے بارے میں تفصیلی سروے کرکے ایک رپورٹ مرتب کی جائے تاکہ معلوم ہوسکے کہ کس مکتب فکر کے کتنے مدرسے ہیں' اور ان میں سے کون سے اداروں میں طلبہ کو فوجی تربیت دی جارہی ہے اور ان میں سے کتنے مدرسوں میں غیر ملکی طلباء زیر تعلیم ہیں اور ان کا تعلق کون سے ملک سے ہے"۔

(روزنامہ جنگ لاہور ۲۳ جنوری ۱۹۹۵ء)

قبل ازیں بعض وزراء صاحبان دینی مدارس اور قرآنی مکاتب کو "ایڈز" پھیلنے کا

ذریعہ قرار دے کر انہیں بند کرنے کی دھمکی دے چکے ہیں۔

قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ بے نظیر حکومت نے اپنے دور اول کے خاتمہ سے کچھ دن پہلے "شریعت بل" کا ہوا کھڑا کر کے شرعی قوانین کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا شروع کردیا تھا اور حکومت کے ارکان دولت شرعی قوانین کے حق میں دل آزار بیانات داغنے لگے تھے اور یہ احمقانہ سوال اٹھایا جانے لگا تھا کہ آیا پارلیمنٹ بالاتر ہے یا شریعت؟ آیا اس ملک میں شریعت (قانون الٰہی) نظام حکومت پر حاوی ہوگی؟ یا نام نہاد پارلیمنٹ شریعت کو کنٹرول کرے گی؟ اس وقت راقم الحروف نے احباب سے عرض کیا تھا کہ ان بیانات کے ذریعہ حکومت اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر رہی ہے۔ چنانچہ یہی ہوا' جس پارلیمنٹ کے تقدس پر فرمودہ خداوندی کو قربان کیا جارہا تھا اور جسے شریعت الٰہی سے بالاتر قرار دینے کی احمقانہ جسارت کی جارہی تھی اسے بیک بینی و دو گوش برخواست کردیا گیا' یوں حق تعالیٰ کے "بطش شدید" کی چکی میں حکومت اور پارلیمنٹ دونوں پس گئے۔

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اب پھر سے "گنجے کو ناخن ملے ہیں" اور بے نظیر حکومت دین کے سرچشموں یعنی دینی مدارس کے درپے ہے اور انکے خلاف جنگ کا بگل بجارہی ہے' غالباً تاریخ اپنے آپ کو پھر دہرانا چاہتی ہے' اور اس حکومت کے بوریا بستر لپٹنے کا وقت شاید قریب آنے لگا ہے۔ چیونٹی کے پر لگتے ہیں تو یہ اس کی موت کا پیغام ہے اور گیڈر کی شامت آتی ہے تو آبادی کا رخ کرتا ہے۔

کاش حکومت کے ارکان دولت سے کوئی گزارش کرتا کہ دین کے ان سرچشموں کو بند کرنا تمہاری حد امکان سے باہر ہے' یہ تمہاری بھول ہے کہ تم دینی مدارس کو بند کرسکو گے' یا ان کو اپنے ڈھب پر چلانے میں کامیاب ہوجاؤ گے۔ نہیں! ہرگز نہیں!! اگر تم نے ایسا عزم کیا تو تم خود ہی بساط اقتدار سے ہٹادئے جاؤ گے' ہم ارکان دولت سے محض انہی کی خیر خواہی کے لئے کہنا چاہتے ہیں کہ دینی مدارس کے ان "فقیران خدا مست" سے الجھنے کی غلطی نہ کی جائے' ورنہ تم اپنا اقتدار بھی گنوا بیٹھو گے اور ممکن ہے کہ ملک کا بھی بیڑا غرق کرڈالو۔

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات
بادرد کشاں ہر آنکہ درافتاد برافتاد

ان دینی مدارس کی کردار کشی کرکے تم اپنی قبر کھودنے کی غلطی نہ کرو' اس سے سو بار توبہ کرو' تمہارے لئے لڑائی کے سیاسی میدان اور بہت ہیں' ان مدارس عربیہ کو ان خوش فعلیوں کا تختہ مشق بناکر قہر الٰہی کو دعوت نہ دو۔ یہ دینی مدارس نہ کسی سیاسی جماعت کی "مکتی فوج" ہیں' نہ تخریب کاری کے اڈے ہیں' نہ ناجائز اسلحہ کا مال گودام ہیں' نہ فرقہ واریت کا عفریت یہاں پرورش پارہا ہے' نہیں! بلکہ ہمارے یہ دینی مدارس حق تعالیٰ کے "کارخانہ حفظ دین" کے شعبے ہیں' دین کی حفاظت کا کارخانہ کسی مولوی ملا کے سپرد نہیں کہ تم اس کا مقابلہ کرسکو' اس کارخانہ کا نظام اس پاک ذات نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے جس نے "انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون" کا اعلان فرمایا ہے۔ دینی مدارس کے علماء وطلباء اس کارخانہ خدا کے باوردی ملازم ہیں۔ اگر تم اس کارخانہ خداوندی کے ملازموں سے الجھنے کی کوشش کروگے تو اندیشہ ہے کہ مالک الملک کی غیرت اور قہرو غضب کا نشانہ بن جاؤ گے' اگر اس مالک الملک نے اپنے عذاب کا کوڑا برسایا تو تمہارے لئے جان کی امان بھی مشکل ہوجائے گی۔

دینی مدارس کے سلیبس تیار کرنا تمہارا کام نہیں' یہ ان باخدا علمائے حقانی وعلمائے ربانی کا کام ہے جن کی پوری زندگی اس کارخانہ کی پاسبانی وپہرہ داری میں گزری ہے' دینی مدارس کے بارے میں فیصلے کرنا ان لوگوں کے بس کا روگ نہیں جو یہ بھی نہیں جانتے کہ دین کیا ہے؟ اور یہ کس کام آتا ہے؟

جو ہاتھ دینی مدارس کی طرف اٹھیں گے قدرت ان ہاتھوں کو توڑ ڈالے گی' اور جو قدم ان کی طرف بڑھیں گے قہر الٰہی کی تلوار ان کو کاٹ ڈالے گی' دینی اقدار کی بقا انہی دینی مدارس کے دم قدم سے ہے' انہی کے ذریعے اسلامی تعلیمات زندہ وتابندہ ہیں' انہی کی بدولت اللہ کا نام فضاؤں میں گونج رہا ہے' اور اللہ کے نام ہی کی برکت سے زمین و آسمان

قائم ہیں، تمہارے گھر آباد ہیں، اور تمہارے ملک اور تمہاری حکومتیں باقی ہیں، ان دینی مدارس کی مخالفت کرکے تم خود اپنی جڑیں کھود رہے ہو، اگر ان دینی مدارس کو مٹانے کی کوشش کروگے تو سب سے پہلے خود تم ہی کو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹادیا جائے گا۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

حکومت نے دینی مدارس کے خلاف جو محاذ جنگ کھول رکھا ہے اہل علم اور اہل دین کا فرض تھا کہ اس میدان میں حکومت کی ایسی مزاحمت کرتے کہ حکومت کے لئے راہ فرار مسدود ہوجاتی، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس بارے میں سرد مہری اور بے حسی کا مظاہرہ نہیں کیا، بلکہ علمائے کرام کے تمام مکاتب فکر نے حکومت کی جارحیت کا شدید نوٹس لیا :

مولانا فضل الرحمٰن

کراچی (اسٹاف رپورٹر) قومی اسمبلی کی امور خارجہ کمیٹی کے چیئرمین مولانا فضل الرحمٰن نے دینی مدارس کے معاملات میں حکومت کی مداخلت کی شدید مذمت کی اور کہا کہ انگریزوں سے لے کر اب تک منظم سازشوں کے تحت دینی مدارس کو اس طرح نشانہ بنایا گیا مگر کسی کی کوشش کامیاب نہ ہوسکی حکومت نے فوری طور پر دینی معاملات میں مداخلت بند نہ کی تو اس حکومت کے خلاف طبل جنگ بجادیا جائے گا۔ دینی مدارس پر قدغن غیر ملکی آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے لگائی جارہی ہے مگر اندرون ملک ایسا طوفان اٹھے گا جس میں حکمران ہمیشہ کے لئے غرق ہوجائیں گے۔

مولانا سمیع الحق

جمعیت علماء اسلام کے رہنما مولانا سمیع الحق نے کہا کہ ہم وفاقی کابینہ کے فیصلوں کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ دینی مدارس کا تحفظ کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ دینی مدارس اسلام کی آخری پناہ گاہ ہیں۔ ان میں دہشت گردوں کو تربیت نہیں دی جاتی"۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۶ جنوری ۱۹۹۵ء)

حافظ حسین احمد

جمعیت علماء اسلام کے ڈپٹی سیکریٹری جنرل اور سینیٹ میں پارلیمانی لیڈر حافظ حسین احمد نے کہا کہ حکومت نے دینی مدارس کے خلاف معاندانہ اقدام کا اعلان کرکے شیروں کی کچھار میں ہاتھ ڈالا ہے۔ اب یوں معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کی واپسی کا آغاز ہوا چاہتا ہے۔ علماء کی آواز کو ختم کرنے کے لئے فرنگی کے تربیت یافتہ رہنما آج مدارس پر قدغن کا سوچ رہے ہیں مگر گلی کوچوں سے لے کر پارلیمنٹ کے ایوانوں تک ان کی بھرپور مزاحمت کی جائے گی۔ مدارس کے خلاف موجودہ حکومت کا یہ اعلان جنگ انہیں مہنگا پڑے گا ہم اس چیلنج کو قبول کرتے ہیں۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۶ جنوری ۱۹۹۵ء)

مولانا محمد اجمل خان

جمعیت علماء اسلام کے قائم مقام امیر مولانا محمد اجملؒ خان، متحدہ علماء کونسل کے سیکریٹری جنرل مولانا عبدالرؤف، جماعت اہل سنت لاہور کے امیر سید شمس الدین، مفتی عبدالقیوم ہزاروی، مولانا فتح محمد،

مولانا محمد امجد' مولانا عبدالطاہر اور دیگر علماء نے کہا کہ وہ سرکاری فیصلہ کے خلاف مزاحمت کریں گے۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۲۶ جنوری ۱۹۹۵ء)

مولانا سلیم اللہ خان

وفاق المدارس العربیہ دیو بندی کے صدر اور جامعہ فاروقیہ کے بانی و مہتمم مولانا سلیم اللہ خان نے کہا کہ دینی مدارس کے معاملات میں مداخلت حکومت کو راس نہیں آئے گی اور اگر حکومت نے اپنے فیصلے مسلط کرنے کی کوشش کی تو اس کی بھرپور مزاحمت کی جائے گی اور حکومت کے ان فیصلوں کے خلاف اجتماعات کئے جائیں گے۔ انہوں نے بتایا کہ حکومت کی تحقیق کے مطابق پاکستان میں مساجد ومدارس کی تعداد دو لاکھ سے زائد ہے۔ جہاں لاکھوں کی تعداد میں طلباء وطالبات زیر تعلیم ہیں اس طرح دینی مدارس ملک کی شرح خواندگی میں اضافہ کرنے میں اپنا کردار ادا کررہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ملک کے موجودہ حالات اور فرقہ واریت کو دیکھتے ہوئے دینی تعلیم کے حصول کا رجحان بڑھتا جارہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام جغرافیائی حد بندی کا قائل نہیں اس لئے بے شمار لوگ جو بیرونی ممالک میں رہتے ہیں وہ پاکستان کے دینی مدارس کی امداد کرتے رہتے ہیں لیکن ہمارے کسی ادارے کو حکومت یا غیر ملکی اداروں کی جانب سے کوئی امداد یا عطیات نہیں ملتے۔ انہوں نے بتایا کہ دینی مدارس کے حسابات کا باقاعدگی سے حکومت کے منظور شدہ آڈیٹر سے آڈٹ کرایا جاتا ہے اگر حکومت نے اپنی آڈٹ ٹیم بھیجی تو یہ کھلی ہوئی مزاحمت ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ سابق صدر ایوب خان' سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو' اور سابق صدر ضیاء الحق کے دور میں بھی دینی مدارس کے معاملات میں مداخلت کی کوشش کی گئی تھی جو کامیاب نہیں

ہو سکی۔ انہوں نے کہا کہ دینی مدارس کے نصاب کے مسئلہ کو علمائے کرام خود طے کرسکتے ہیں۔ دینی مدارس کے نصاب میں اب معاشرتی علوم، ریاضی، انگریزی اور سائنسی مضامین بھی مرحلہ وار شامل کئے جارہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ حکومت نے نصاب کا جو نقشہ بنایا ہے وہ درست نہیں۔ حکومت اپنے اسکولوں میں درس نظامی گروپ کو نافذ کرے۔ انہوں نے کہا کہ جو حکومت زکاۃ فنڈ سے مندر تعمیر کررہی ہے اس سے دین کی بھلائی کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۴ جنوری ۱۹۹۵ء)

مولانا حبیب اللہ مختار

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار نے کہا کہ علماء کرام انبیاء کے وارث اور کلمہ حق بلند کرنے کے داعی ہیں اور وہ کسی اسلام دشمن طاقت کے آگے سر نہیں جھکائیں گے۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۹ جنوری ۱۹۹۵ء)

مولانا مفتی محمد رفیع

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی نے کہا کہ ہم دینی مدارس کے خلاف کارروائی کو ایمان و کفر کی جنگ سمجھتے ہیں اور ان کے تحفظ کے لئے اپنے بچوں کو بھی قربان کرسکتے ہیں۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۹ جنوری ۱۹۹۵ء)

مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی

سپاہ صحابہؓ کے رہنما مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی نے کہا ہے کہ

دینی مدارس کے بارے میں ہم بے نظیر پیکج کو مسترد کرتے ہیں۔
دینی مدارس کا آڈٹ یا نصاب تبدیل کرنے کا عندیہ مضحکہ خیز ہے۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۶ جنوری ۱۹۹۵ء)

مولانا اسعد تھانوی

جمعیت علمائے اسلام سندھ کے امیر مولانا اسعد تھانوی نے کہا کہ دینی مدارس کا آپریشن کلین اپ کرنے والے حکمرانوں نے ماضی سے سبق نہیں سیکھا۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ حکومت ایسے اقدام کرکے اسلام دشمن قوتوں کو خوش کرنے کے علاوہ اپنے آقاؤں پر اپنی وفاداریاں ثابت کرنا چاہتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جے یو آئی کے دونوں دھڑے دینی مدارس کے سلسلے میں مشترکہ پالیسی اپنائیں گے اور حکومت کے ہر اقدام کی بھرپور مزاحمت کی جائے گی۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۶ جنوری ۱۹۹۵ء)

مولانا مفتی محمد نعیم

سنی مجلس عمل کے سربراہ مفتی محمد نعیم نے کہا کہ دینی مدارس کے حسابات کا ہر سال آڈٹ ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ماضی میں کراچی میں جو دہشت گردی کے مظاہرے ہوئے ان کی تمام تر ذمہ داری مذہبی جماعتوں پر عائد کرکے انہیں بدنام کرنے کی کوشش کی گئی۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۴ جنوری ۱۹۹۵ء)

مولانا حکیم محمد مظہر

اشرف المدارس گلشن اقبال کے مہتمم مولانا محمد مظہر نے کہا

کہ دینی مدارس ملک کی تیس فیصد تعلیم پورا کر رہے ہیں۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۴ جنوری ۱۹۹۵ء)

مولانا عبدالقادر روپڑی

جمعیت اہل حدیث پاکستان کے سربراہ حافظ مولانا عبدالقادر روپڑی نے کہا کہ عذاب الٰہی نازل ہونے والا ہے حکومت اس قوم کو بچانا چاہتی ہے تو وہ ایسے اقدامات سے باز رہے۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۶ جنوری ۱۹۹۵ء)

مولانا عبدالرحمٰن سلفی

جماعت غرباء اہل حدیث پاکستان کے امیر مولانا عبدالرحمٰن سلفی نے کہا کہ ہم دینی مدارس میں سرکاری اختیارات اور مداخلت برداشت نہیں کریں گے۔ انہوں نے بتایا کہ دینی مدارس سے دینی سوچ و فکر کے حامل باصلاحیت نوجوان تیار ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دینی مدارس پاکستان میں اسلام کا قلعہ ہیں اور انگریزوں کے دور سے ہی لادینی عناصر کی جانب سے دینی مدارس کے خلاف محاذ آرائی کا سلسلہ جاری ہے اور حکومت کا حالیہ اقدام بھی اسی سلسلے کی کڑی معلوم ہوتا ہے۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۴ جنوری ۱۹۹۵ء)

مولانا محمد یونس صدیقی

جامعہ ابی بکر الاسلامیہ گلشن اقبال کے نائب ڈائریکٹر مولانا محمد یونس صدیقی نے کہا کہ پاکستان کی دینی جامعات کا نصاب جامعہ الازہر سے کسی طور کم نہیں ہمارا نصاب عصر حاضر کی ضروریات کے مطابق

ہے۔ انہوں نے کہا کہ وفاقی کابینہ کے فیصلے علماء کے اثر و رسوخ کو ختم کر کے دین کو نقصان پہنچانے کی سازشیں ہیں کیونکہ جب دینی مدرسے ختم ہو جائیں گے تو سیکولر ذہنیت پروان چڑھے گی۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۴ جنوری ۱۹۹۵ء)

مولانا ظفر علی نعمانی

دارالعلوم امجدیہ کے مہتمم اور مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے سابق چیئرمین مولانا ظفر علی نعمانی نے کہا کہ اکثر دینی مدارس کے حسابات کا آڈٹ ہوتا ہے جو منظور شدہ آڈیٹر سے کرایا جاتا ہے' اگر حکومت چاہے تو وہ بھی ہمارے مدارس کا آڈٹ کرا سکتی ہے لیکن حکومت کی جانب سے آڈٹ بیجا مداخلت ہے۔ انہوں نے کہا کہ وفاقی کابینہ کے فیصلے کا مقصد دینی مدارس پر اعتماد ختم کرنا ہے جو اسلام دشمنی ہے۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۴ جنوری ۱۹۹۵ء)

صاحبزادہ پیر محمد افضل قادری

جماعت اہلسنّت کے مرکزی ناظم اعلیٰ صاحبزادہ پیر محمد افضل قادری نے کہا کہ دینی مدارس اپنی مدد آپ کی بنیاد پر چل رہے ہیں حکومت کی جانب سے کوئی امداد نہیں دی جاتی۔ انہوں نے کہا کہ قتل و غارت گری میں ملوث مذہبی منافرت پھیلانے والی تنظیموں پر پابندی ضروری ہے۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۴ جنوری ۱۹۹۵ء)

علامہ سید ساجد علی نقوی

تحریک جعفریہ پاکستان کے سربراہ علامہ سید ساجد نقوی نے کہا دینی مدارس کے متعلق کوئی فیصلہ کرتے وقت علماء کے موقف کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کیونکہ مٹھی بھر شرپسندوں کی کارروائیوں کی سزا ایسے اداروں کو نہیں ملنی چاہئے جو اسلامی علوم پھیلا رہے ہیں۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۶ جنوری ۱۹۹۵ء)

مولانا مرزا یوسف حسین

جامعہ مسجد نور ایمان کے خطیب اور چیئرمین مسلم متحدہ محاذ مولانا مرزا یوسف حسین نے کہا کہ دینی مدارس کی اکثریت میں طلبہ کو صحیح معنوں میں دینی علوم کی تعلیم دی جاتی ہے اور مدارس سے فارغ التحصیل طلباء دین کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۴ جنوری ۱۹۹۵ء)

"دینی مدارس کے خلاف حکومتی اقدامات پر تمام مکاتب فکر متحدہ احتجاجی تحریک چلائیں گے"

دینی مدارس کی ملک گیر تنظیموں کا اعلان

لاہور (پ) ملک بھر کے دینی مدارس کی ملک گیر تنظیموں کا ایک اعلیٰ سطحی اجلاس وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مرکزی صدر مولانا سلیم اللہ خان کی زیر صدارت منعقد ہوا جس میں وفاق

المدارس العربیہ تنظیم المدارس' وفاق المدارس السلفیہ اور رابطہ المدارس الاسلامیہ کے مرکزی قائدین مفتی عبدالقیوم ہزاروی' مولانا محمد حنیف جالندھری' ڈاکٹر سرفراز نعیمی' مولانا عبدالمالک' مولانا غلام محمد سیالوی' مولانا عارف حسین روپڑی' مولانا عبدالرحمٰن اشرفی' پیر سیف اللہ خالد' صاحبزادہ سعید الرحمٰن' مولانا محمد امجد' مفتی غلام سرور قادری' حافظ صلاح الدین یوسف اور دیگر علماء نے شرکت کی۔ امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد' چوہدری محمد اسلم سلیمی اور دیگر رہنماؤں نے خصوصی دعوت پر اجلاس میں شرکت کی۔ اجلاس میں دینی مدارس کے خلاف حکومتی پالیسی اور اقدامات کی شدید مذمت کی گئی اور انہیں یکسر مسترد کردیا گیا۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ ۲۷ جنوری کو "یوم احتجاج" کے طور پر منایا جائے گا۔ ملک بھر کے خطباء جمعہ کے اجتماعات میں دینی مدارس کے خلاف حکومتی پالیسی کی مذمت کریں گے اور عوام کو حکومت کی دین دشمن سرگرمیوں سے آگاہ کریں گے۔ جمعہ کے بعد احتجاجی مظاہرے کئے جائیں گے۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ تمام مکاتب فکر متحدہ طور پر حکومت کے خلاف احتجاجی تحریک جاری رکھیں گے اور اس کے لئے تمام مذہبی جماعتوں کے قائدین سے رابطہ کیا جائے گا۔ بعد ازاں مولانا سلیم اللہ خان' مولانا عبدالقیوم ہزاروی' مولانا محمد حنیف جالندھری اور مولانا عبدالمالک نے مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ دینی مدارس' اسلامی علوم کی ترویج واشاعت کے اہم مراکز ہیں۔ اور یہ ملک کے اہل خیر کے تعاون سے چلتے رہے ہیں۔ دینی تعلیم کے یہ ہزاروں مراکز حکومت کے تعاون کے بغیر اب تک لاکھوں تشنگان علوم دینیہ کو فیضیاب کرتے

رہے ہیں۔ انہی کے ذریعے ملک کے عام مسلمانوں کی دینی رہنمائی کا کام انجام پاتا رہا ہے۔ انہوں نے حکومت کو متنبہ کیا کہ وہ قوم کے دینی جذبات سے نہ کھیلے۔ دینی تعلیم کے ان مراکز پر کسی قسم کی پابندی لگانے یا ان میں مداخلت کرنے کی طاقت سے باز رہے۔ قاضی حسین احمد نے اس موقع پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ دینی مدرسوں کے بارے میں حکومت کی معاندانہ پالیسی امریکہ کے "نیو ورلڈ آرڈر" کا حصہ ہے۔ جس کے بہانے حکومت دینی مدارس پر قدغن لگانا چاہتی ہے۔ حکومت کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ دینی مدارس میں دہشت گردی کی تربیت دی جارہی ہے۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۶ جنوری ۱۹۹۵ء)

"مدارس کا ہر طرح تحفظ کریں گے حکومتی ارادوں کو ناکام بنادیں گے"۔

"مختلف مکاتب فکر کے علماء کا اجلاس"

کراچی (پ ر) مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام نے کہا ہے کہ حکومت قادیانیوں، یہودیوں اور دیگر مشنری اداروں کے حسابات کا آڈٹ کرنے پر تیار کیوں نہیں جو مسلمانوں کو مرتد بنانے کے لئے کام کررہے ہیں جب کہ دینی مدارس کے حسابات کا آڈٹ کا مقصد ان مدارس کے ساتھ تعاون کرنے والے مخیر حضرات کو انکم ٹیکس کے شکنجے میں جکڑنا ہے۔ یہ بات انہوں نے ہفتے کو جامعہ فاروقیہ میں شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ کی زیر صدارت ہونے والے اجلاس میں کہی۔ مولانا سلیم اللہ نے کہا

کہ ہم نے دینی مدارس کے خلاف الزامات پر وفاقی اور صوبائی حکومتوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور مولانا فضل الرحمٰن سے ملکر حکومت کے ساتھ مذاکرات بھی کئے بعض مطالبات پورے ہوئے مگر گورنر پنجاب کا لب ولہجہ افسوسناک ہے۔ انہوں نے کہا کہ اب انشاء اللہ حکومت کے خلاف تحریک چلے گی اور حکومت کے مذموم ارادوں کو ناکام بنادیا جائے گا۔

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی نے کہا کہ اس وقت امریکہ کو روس کے بعد سب سے بڑا خطرہ اسلام سے ہے تمام مغربی ممالک بھی اسلام اور اس کے خیر خواہوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں الجزائر کی صورتحال اور خلیج کا بحران اس سازش کی کڑی ہے اور موجودہ حکومت امریکی مفادات کے تحفظ کے لئے اس کے اشاروں پر عمل پیرا ہے۔ ہم دینی مدارس کے خلاف کارروائی کو ایمان وکفر کی جنگ سمجھتے ہیں اور ان کے تحفظ کے لئے اپنے بچوں کو بھی قربان کرسکتے ہیں۔ انہوں نے دینی مدارس کے ذمہ داروں سے کہا کہ وہ اپنے مدارس میں طلبہ کو فوجی تربیت دیں' جہاد اسلام کا اہم فریضہ ہے ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے ہم غیر قانونی اسلحہ اور فرقہ واریت کے خلاف ہیں لیکن عوام اور طلبہ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے کیونکہ عنقریب ہندوؤں سے گلی گلی میں جنگ ہوگی۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار نے کہا کہ علماء کرام انبیاء کے وارث اور کلمہ حق بلند کرنے کے داعی ہیں اور وہ کسی اسلام دشمن طاقت کے آگے سر نہیں جھکائیں گے۔

جے یو آئی (ف) کے ڈپٹی سیکریٹری جنرل سینیٹر حافظ حسین احمد نے کہا کہ دینی مدارس ہماری جان ہیں اور ہم ان کا ہر طرح سے تحفظ

کریں گے اور کسی قسم کی قربانی سے گریز نہیں کریں گے۔ انہوں نے وفاق المدارس العربیہ کے رہنماؤں کو مشورہ دیا کہ تمام شعبہ ہائے زندگی کے افراد سے رابطہ کیا جائے قومی اور صوبائی اسمبلی کے ارکان کو اعتماد میں لے کر تحریک کو مضبوط بنایا جائے۔ اجلاس سے قاری شیر افضل' مولانا عبدالرؤف' محمد حسین مختی' مولانا محمد اسعد تھانوی اور مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر نے بھی خطاب کیا۔ اجلاس میں متعدد قرار دادیں منظور کی گئیں جن میں دینی مدارس پر حکومت کے مبینہ قبضہ کرنے کی کوشش کی مذمت کی گئی اور حکومت سے عیسائی' قادیانی اور دیگر مشنری اداروں کے حسابات کی چھان بین اور ان پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا گیا اور کہا گیا کہ ملک میں انتشار پھیلانے کی سرگرمیوں کو روکا جائے۔ اجلاس میں دینی مدارس پر فرقہ واریت پھیلانے کے الزامات کی مذمت کی گئی اور کہا گیا کہ فرقہ واریت خود حکومت کی پیدا کردہ ہے اور ہم حکومت کے اس اقدام کو امریکی نیو ورلڈ آرڈر کا حصہ سمجھتے ہیں۔ حکومت سرکاری اداروں کو کرپشن سے پاک کرنے کی کوشش کرے۔ ملکی قوانین کے دائرے میں رہتے ہوئے عوام خصوصاً طلبہ کو جہاد کی تربیت دینا ضروری ہے تاکہ پاکستان پر کوئی حملہ ہو تو چیچنیا کے بہادر مسلمانوں کی طرح یہاں کا بچہ بچہ بھی دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکے۔ اجلاس میں مولانا محمد بنوری' مفتی محمد نعیم' مفتی محی الدین' سید عمران شاہ' قاری عبدالباعث' قاری معاویہ القاسمی' مولانا محمد احمد مدنی' قاری محمد عثمان' مولانا عبدالکریم عابد کے علاوہ جامعات دینی مدارس کے مہتممین اور تین سو سے زائد علماء نے شرکت کی۔ جنگ کراچی ۲۹ جنوری ۱۹۹۵ء

حق تعالیٰ دین اور دینی مدارس کی حفاظت فرمائیں۔

دینی مدارس کے خلاف معرکہ آرائی!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

پاکستان میں جب بھی کوئی تبدیلی آتی ہے قوم خوشی کا اظہار کرتی ہے کہ شاید اب ملک کی حالت سنبھلے اور قوم سے کئے گئے وعدے پورے ہوں، غربت و افلاس کا مداوا ہو، لاقانونیت ولادینیت کا سدباب ہو، چور بازاری اور کرپشن کا خاتمہ ہو اور فحاشی وعریانی کی روک تھام ہو، طبقاتی کشمکش اور لوٹ مار کے سامنے بند باندھا جائے، مگر افسوس! کہ ہر نئی آنے والی حکومت ان مسائل کو حل کرنے یا ان پر غور کرنے کی بجائے قوم کو نئے مسائل میں الجھا دیتی ہے، گھمبیر مسائل کو چھوڑ کر طے شدہ مسائل کو چھیڑ دیتی ہے اور افسر شاہی وطن دشمنوں کے بجائے محبّ وطنوں سے محاذ جنگ کھول کر، ملک میں ایک نئی افراتفری کی فضا پیدا کردیتی ہے۔

۱۲/اکتوبر کے فوجی انقلاب کے بعد مسلمانان پاکستان کا خیال تھا کہ اب ملک صحیح معنی میں ترقی کرے گا، سرمایہ داروں کا احتساب ہوگا، اور قومی خزانہ سے لوٹی ہوئی رقوم واپس دلائی جائیں گی، مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد نئی حکومت اور ان کے ''مشیرانِ باتدبیر'' نے شیطان امریکہ کی بولی بولنا شروع کردی، دینی مدارس اور دینی تنظیموں کو دہشت گرد اور ملکی افراتفری کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے ان کے خلاف

نہایت مذموم پروپیگنڈا شروع کردیا، چنانچہ ۱۴/اپریل ۲۰۰۰ء کے روزنامہ ''عوام'' کراچی میں وزیر داخلہ کا درج ذیل ''دانشمندانہ'' بیان شائع ہوا:

''اسلام آباد (عوام نیوز) وزیر داخلہ معین الدین حیدر نے متنبہ کیا ہے کہ حکومت فرقہ وارانہ گروپوں پر پابندی لگانے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کرے گی اور ملک میں فرقہ واریت کو روکنے کے لئے سخت اقدامات کئے جائیں گے۔ جمعرات کے روز ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ دہشت گردوں کو کچلنے کے لئے فوج استعمال کی جائے گی اور ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور امن و امان کے قیام کے لئے سول انتظامیہ کی مدد کے لئے فوج کو شامل کرنے کا پہلے ہی فیصلہ کیا جاچکا ہے، انہوں نے کہا کہ وہ محرم کے بعد مختلف مذہبی پارٹیوں کے رہنماؤں سے ملاقات کریں گے، انہوں نے کہا کہ لوگ پرتشدد سیاست، دہشت گردی، احتجاجوں اور ہلاکتوں سے تنگ آچکے ہیں، انہوں نے وارننگ دی کہ جو لوگ فرقہ وارانہ دہشت گردی پھیلانے میں ملوث پائے گئے ان سے آہنی ہاتھوں سے نمٹا جائے گا۔

چند مذہبی اداروں کے حوالے سے وزیر داخلہ نے کہا کہ گزشتہ کئی سالوں سے فرقہ وارانہ جماعتیں اپنے کارکنوں میں زہر پھیلاکر ان کے ذہنوں کو گندہ کر رہی ہیں، وہ بچوں کو اپنی تحویل میں لے کر ان کے ذہن میں زہر بھرتی ہیں، اور یہ سوچ پروان چڑھانا شروع کردیتی ہیں کہ دوسرے لوگ کافر ہیں اور ان کو ہلاک کرنا ثواب ہے، وزیر داخلہ نے کہا کہ ان کے تمام

مدرسے، قابل اعتراض لٹریچر اور ان کی سرگرمیاں قطعی طور پر ختم کردی جائیں گی، اور اگر سختی کی ضرورت ہوئی تو ہم سختی کریں گے، اگر ضرورت محسوس ہوئی تو کابینہ کی منظوری کے بعد ہم انہیں غیر قانونی قرار دے سکتے ہیں۔ انہوں نے واضح کیا کہ تین چار پارٹیاں تشدد میں ملوث ہیں اور انتہا پسند پارٹیوں کا پاکستان سے جڑ سے خاتمہ کر دینا چاہیے، بصورت دیگر یہ ہمیں تباہ کر دیں گی۔"

اس کے تین دن بعد اسی اخبار نے وزارت داخلہ کے حوالہ سے دینی مدارس کے بارے میں کئے گئے فیصلہ کی درج ذیل رپورٹ شائع کی ہے:

"دینی مدارس وفاقی کنٹرول میں لینے کا فیصلہ"

"کراچی (رپورٹ انور خان) ملک میں تمام دینی مدارس کو وفاقی کنٹرول میں لینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ باخبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ملک بھر کے دینی مدارس وفاقی وزارت مذہبی امور کے کنٹرول میں لے لئے جائیں گے جب کہ ان کے معاملات کی نگرانی وزارت داخلہ کرے گی، بتایا جاتا ہے کہ اس مقصد کے لئے باقاعدہ ڈائریکٹوریٹ آف مدارس قائم کئے جائیں گے۔ دینی مدارس کا نصاب حکومت خود تیار کرے گی اور طلباء سے امتحان مذہبی تعلیمی بورڈ لے گا۔ ذرائع کے مطابق دینی کتابوں میں فرقہ واریت کے خلاف اور مذہبی اداروں کے حق میں مضامین شامل کئے جائیں گے۔ حکومت فرقہ وارانہ گروپوں پر پابندی کے سلسلے میں آرڈی ننس کے اجزا پر بھی غور کر رہی ہے، ذرائع کے مطابق وفاقی وزارت داخلہ نے چاروں صوبائی

حکومتوں سے دینی مدارس، ان میں زیرِ تعلیم طلباؑ اور تدریس کے
فرائض انجام دینے والے اساتذہ کی مکمل تفصیلات طلب کرلی
ہیں جب کہ تمام دینی اداروں کے مالی معاملات کی آڈٹ
رپورٹ بھی تمام اداروں سے حاصل کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔
ذرائع کے مطابق حکومت نے دہشت گردی کے واقعات کا سخت
نوٹس لیتے ہوئے انتہائی سخت اقدامات کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔
پہلے مرحلے میں ملک کو اسلحہ سے پاک کرنے کے لئے
رضاکارانہ مہم شروع کی جائے گی، دوسرے مرحلے میں سخت
آپریشن کے ذریعے اسلحہ بازیاب کیا جائے گا۔ ذرائع کے
مطابق بلدیاتی انتخابات سے قبل حکومت دہشت گردی کے خاتمہ
کے لئے فیصلہ کن اقدامات کرے گی۔ ذرائع کے مطابق وفاقی
حکومت تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام کو اعتماد میں لے گی، اور
ان سے تجاویز بھی حاصل کرے گی، ان تجاویز کی روشنی میں دینی
مدارس کے حوالہ سے حکومت پالیسی تشکیل دے گی۔"

(روزنامہ "عوام" کراچی ۱۷ اپریل ۲۰۰۰ء)

وزیر داخلہ جناب معین الدین حیدر صاحب مندرجہ بالا بیان سے تین دن
قبل ہی انگلینڈ میں عالمی میڈیا کے سامنے اعتراف فرماتے ہیں کہ پاکستان میں کوئی
دینی مدرسہ نہ کسی قسم کی جنگی تربیت دیتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی دہشت گردی میں
مصروف ہے، لیکن پاکستان پہنچتے ہی ان پر انکشاف ہوجاتا ہے کہ دینی جماعتیں اور
دینی مدارس دہشت گرد ہیں، اگر انہوں نے اپنی اصلاح نہ کی تو ان سے سختی سے نمٹا
جائے گا، جناب معین حیدر صاحب کی سوچ و فکر ایک دم کیسے بدل گئی؟ وہ اپنے بیان
سے کیسے منحرف ہوگئے؟ اس کے کیا اسباب و علل اور وجوہات ہیں؟ یہ تو وہ خود ہی

بتا سکتے ہیں، البتہ موصوف کی سوچ وفکر کی اچانک تبدیلی سے شکوک وشبہات کا پیدا ہونا فطری امر ہے، ممکن ہے دینی مدارس کی ملک دشمنی کے بارے میں موصوف کو ''الہام'' ہوا ہو! یا پھر ''اوپر'' سے تنبیہی احکامات صادر ہوئے ہوں!

روزنامہ ''خبریں'' کراچی ۲۴ر اپریل ۲۰۰۰ء کی درج ذیل خبر سے موصوف کی فکر وسوچ کی تبدیلی کا کچھ اشارہ ملتا ہے:

''عالمی دباؤ پر دینی مدارس اور مساجد کا سروے شروع''

''کراچی (اسٹاف رپورٹر) انتظامیہ نے زکوٰۃ کمیٹیوں کے ذریعے مساجد اور مدارس کا سروے شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے، ذرائع کے مطابق حکومت نے انتظامیہ کو ہدایت کی ہے کہ وہ تمام مساجد اور دینی مدارس میں رہائش پذیر افراد کے کوائف جمع کر کے متعلقہ حکام کے حوالے کریں۔ ذرائع کے مطابق انتظامیہ کی جانب سے یہ اقدام عالمی دباؤ اور اس پروپیگنڈے کے زیر اثر کیا جارہا ہے کہ پاکستان کے دینی مدارس دہشت گردوں کی پناہ گاہیں ہیں اور ان مدارس میں زیر تعلیم طلبہ ہمیشہ جہاد میں شریک ہوتے ہیں، اور یاد رہے کہ سابقہ نواز حکومت اور بے نظیر حکومت کئی بار دینی مدارس کو تنقید کا نشانہ بنا کر کاروائی کا ارادہ ظاہر کرنے کے باوجود کسی کاروائی میں کامیاب نہ ہوسکی تھیں اور اس سے پہلے ہی اپنے انجام سے دوچار ہوگئیں۔ نواز شریف حکومت تو دینی مدارس میں پڑھائے جانے والے نصاب پر بھی اعتراض کر کے اسے سرکاری نصاب سے بدلنے کا عندیہ دے چکی تھی، ذرائع کے مطابق اس سروے کے نتیجے میں بیرونی ممالک کے طلبہ جو دینی مدارس میں بڑی تعداد میں حصول علم میں

مصروف ہیں، کے خلاف کاروائی کی جائے گی۔''

ایک طرف حکومت کی پوری مشینری مدارس دشمنی میں مصروف ہے اور جناب وزیر داخلہ دینی مدارس پر ''چڑھائی'' کا منصوبہ بنا کر ان کو سرکاری تحویل میں لینے کی دھمکیاں دیتے ہیں، دینی مدارس کے ڈائریکٹوریٹ بنانے کے خواب دیکھ رہے ہیں اور دوسری طرف موجودہ حکومت کی تعلیمی ابتری کا یہ عالم ہے کہ حکومت سندھ صوبہ بھر میں موجود پانچ سو اسکولوں کو چلانے کی صلاحیت سے محروم ہے، اس لئے ان کو این جی اوز کے حوالہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا، روزنامہ ''ریاست'' میں ہے:

''سندھ حکومت نے ۵۰۰ اسکول این جی اوز کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرلیا۔''

''این جی اوز کے حوالے کئے جانے والے اسکولوں کی نگرانی محکمہ تعلیم خود کرے گا۔''

''کراچی (این این آئی) محکمہ تعلیم حکومت سندھ نے طے کیا ہے کہ (حصہ دار) پروگرام کے تحت صوبے کے ۵۰۰ سے زائد تعلیمی اداروں کی عمارتوں کو مختلف سوشل ویلفیئر اداروں اور این جی اوز کے حوالے کیا جائے گا، ان میں ایسے ادارے ہیں جن کی عمارت کے مکمل ہونے کے باوجود کئی سالوں سے بجٹ نہیں مل رہا تھا، نجی و سرکاری اشتراک کے تحت این جی اوز کو ملنے والے ان اداروں میں مختلف پبلک اسکول، کالجز، پولی ٹیکنیک و مونو ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ، پرائمری، مڈل اور سیکنڈری اسکولز شامل ہیں، یہ ادارے، عمارات مختلف مدت کے لئے این جی اوز کے حوالے کئے جائیں گے مگر ان کی نگرانی محکمہ تعلیم کرتا

رہے گا، جب کہ حوالگی کی شرائط وضوابط کو آخری شکل دی جارہی
ہے، ایسے ادارے حاصل کرنے والی تنظیموں کی ذمہ داری ہوگی
کہ وہ ان اداروں کو باقاعدگی سے چلائیں گے۔"

(روزنامہ ریاست کراچی ۲۳راپریل ۲۰۰۰ء)

خلوص واخلاص، ایثار وتوکل، دین حق کی صیانت وحفاظت اور مسلمانوں میں اس کی تبلیغ واشاعت کے جذبہ کی بنیاد پر قائم دینی مدارس کے خلاف حکومتی ادارے، اخبارات وجرائد اور بین الاقوامی میڈیا نہایت مذموم پروپیگنڈا کرنے میں مصروف ہے، ان کا بس نہیں چلتا ورنہ شاید وہ انہیں مسمار کردینے میں ذرا بھر تامل نہ کرتے۔

ایک طرف تو نوکر شاہی کی دین دشمنی کا یہ حال ہے، دوسری جانب حکومت کی عیسائیت اور قادیانیت نوازی کا یہ عالم ہے کہ وہ غیر مسلموں کو ان کے مشنری ادارے واپس کردینے کے لئے بے قرار ہے، چنانچہ صوبائی وزیر قانون جناب خالد رانجھا صاحب فرماتے ہیں:

"لاہور (کے پی آئی، اے پی پی، پ ر) صوبائی وزیر قانون ڈاکٹر خالد رانجھا نے کہا ہے کہ سپریم کورٹ کے فیصلے کی روشنی میں تمام مشنری ادارے مسیحیوں کو واپس کردیئے جائیں گے۔ اس پروگرام پر مرحلہ وار عمل شروع کردیا گیا ہے۔ موجودہ حکومت غیر مسلموں کو اقلیت نہیں بلکہ پاکستانی کی حیثیت سے دیکھتی ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں اسی لئے پہلی دفعہ "ایسٹر" کے موقع پر سرکاری چھٹی کا اعلان کرکے حکومت نے سابقہ ادوار کی طرح قول وفعل کے تضاد کو ختم کردیا ہے۔"

(روزنامہ خبریں ۲۴راپریل ۲۰۰۰ء)

حکومت اور اس کی مشینری کے کل پرزے انگریزوں سے اپنا عہد وفا نبھانے اور ان سے اپنی سیکولر ذہنیت کی سند حاصل کرنے کے لئے مسیحی ادارے ان کے حوالہ کرنا چاہتے ہیں، مگر حکومت کا یہ اقدام ملک وملت کے لئے بے حد نقصان دہ ثابت ہوگا، اس لئے کہ جب مسیحی اور مشنری ادارے عیسائیوں کو واپس کئے جائیں گے، وہ تعلیم کو مہنگا کردیں گے، جس سے مسلم نونہالوں پر تعلیم کے دروازے بند ہوجائیں گے، البتہ جو چند ایک بھاری بھرکم تعلیمی فیس ادا کرکے ان کے اداروں میں داخل ہوں گے، ان کی ایک مخصوص انداز سے ذہن سازی کی جائے گی، اسی طرح اس سے ایک تیسرا بڑا نقصان یہ ہوگا کہ مسیحیوں کی آڑ میں قادیانی اپنے ارتدادی مراکز اور اسکول و کالج واپس لینے میں کامیاب ہوجائیں گے، لہٰذا ارباب حکومت کو چاہئے کہ وہ مدارس دشمنی اور عیسائیت و قادیانیت نوازی کے عزائم سے باز رہیں، اور پاکستان کے غیور مسلمانوں اور علماء کو اپنے خلاف سڑکوں پر نکلنے کے لئے مجبور نہ کریں۔

دور حاضر میں علم دین کے زوال کے لئے جتنے خطرات پیدا ہوگئے ہیں، تاریخ اسلام کے کسی دور میں اتنے خطرات نہ تھے، دین دشمن قوتوں کو دینی مدارس اور ان کی آزادانہ کارکردگی ایک نظر نہیں بھاتی، انہیں مدارس کا یہ خالص علمی اور تحقیقی مزاج قطعاً گوارا نہیں، وہ چاہتے ہیں کہ دینی مدارس اپنے مشن سے ہٹ کر محض ڈگریوں کے حصول کا ذریعہ بن جائیں۔

قیام پاکستان سے اب تک افسر شاہی وقتاً فوقتاً یہ کوشش کرتی رہی ہے کہ دینی مدارس کو سرکاری تحویل میں لے کر ان کی موجودہ افادیت کو ختم کردیا جائے، اور انہیں بھی اسکول وکالج کی طرح جدید تعلیم کی مشینری کا ایک پرزہ بنادیا جائے۔

دینی مدارس کی ''اصلاح'' اور ان کے لئے سرکاری کنٹرول یا سرکاری سرپرستی کا موجودہ منصوبہ کوئی نیا نہیں، سابقہ ادوار میں بھی اس پر غور ہوتا رہا ہے، اور سرکاری افسران کا لادین طبقہ ہمیشہ سے دینی مدارس کی آزادانہ سرگرمیوں کو تشویش کی

نگاہوں سے دیکھتا اور ان کو رام کرنے کی تدبیریں سوچتا اور منصوبے بناتا رہا ہے، سب سے پہلے جناب سکندر مرزا اور ایوب خاں اور پھر مرحوم جنرل ضیاالحق کے دور میں یہ ''نیک کام'' انجام دینے کی کوشش کی گئی، اور زمانہ قریب میں جناب محمد نواز شریف صاحب نے مدارس کے ''جن'' کو بوتل میں بند کرنے کا راگ الاپا تھا، مگر ان حکمرانوں میں سے جس نے بھی علوم نبوت کے ان گلشنوں کو چھیڑنے کی کوشش کی وہ اللہ کی تعزیروں سے نہیں بچ سکا، مدارس کو ختم کرنے والے خود ختم ہوگئے، مگر مدارس بحمداللہ آج بھی باقی ہیں اور جب تک اللہ کو منظور ہوا، یہ تعمیر ملت کی خدمت انجام دیتے رہیں گے۔

ارباب اقتدار کو ان کی ''اصلاح وتطہیر'' کے غم میں گھلنے کی بجائے دوسرے اہم، توجہ طلب اور گھمبیر ملکی مسائل اور سرکاری اسکول وکالج کی اصلاح وتعمیر کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے، اگر حکومت نے بزور قوت ان مدارس کو کچلنے کی کوشش کی تو ملک میں ایک زبردست ملک گیر تحریک پیدا ہوجائے گی اور موجودہ ملکی حالات میں ملک وملت ایسے کسی ہیجان اور تحریک کے متحمل نہیں، اس لئے ارباب اقتدار سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ دینی مدارس کے علمأ وطلبأ کے حساس طبقہ کو ہرگز پریشان نہ کریں، ہم سمجھتے ہیں کہ جو لوگ حکومت کو یہ تجویز دے رہے ہیں وہ حکومت کے خیرخواہ نہیں بدخواہ ہیں۔

لگ بھگ کوئی ۳۵ سال پہلے دینی مدارس کے ناقدین کی خدمت میں چند خیرخواہانہ معروضات پیش کرتے ہوئے راقم الحروف نے ایک تحریر سپرد قلم کی تھی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہاں نقل کرکے ارباب اقتدار سے گزارش کی جائے کہ مدارس کا پیچھا چھوڑ کر کوئی دوسرا ''نیک'' کام کریں ورنہ اس تحریر کی روشنی میں اپنا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے سوچیں کہ کہیں اس معرکہ آرائی کی تہہ میں دین دشمنی کا چور تو نہیں؟ راقم نے لکھا تھا:

''دینی مدارس کے خلاف علم جہاد بلند کرنے والوں کو خود اپنا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے ایک لحہ یہ سوچ لینا چاہئے کہ ان کی اس معرکہ آرائی کی تہہ میں دین دشمنی کا چور تو چھپا ہوا نہیں ہے؟ وہی دین جسے کافی عرصہ ہوا گھر سے، دوکان سے، بازار سے، عدالت سے، مقنّنہ سے، ایوان حکومت سے، الغرض فرد و معاشرہ کی زندگی کے ہر گوشے سے نکالا جاچکا ہے، لیکن مسجد و مدرسہ اور خانقاہ و رباط میں اس کے ''آثار قدیمہ'' کا کہیں کہیں سراغ مل جاتا ہے، کیا دینی مدارس میں پڑھنے پڑھانے والے ان کی نظر میں اس لئے تو نہیں کھٹکتے کہ ان لوگوں نے تاریک حجروں، شکستہ مسجدوں اور خستہ حال مدرسوں میں دین کو کیوں پناہ دے رکھی ہے؟ کیا ان کے لئے یہ خیال تو بے چینی کا باعث نہیں بنا ہوا کہ وہی دین جو ہر میدان میں ہمارے جور وستم سے چور ہورہا ہے، ان لوگوں نے اپنی بے مائیگی، کسمپرسی، اور بدحالی کے باوجود اس ''لب جاں دین'' کی تیمارداری کا کام کیوں سنبھال رکھا ہے؟ ستم ظریفی کی حد ہے کہ آج صرف اس جرم پر طعن و تشنیع کا بازار گرم کیا جارہا ہے کہ عربی مدارس کے علماؑ اور طلبہ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی حفاظت کے لئے اپنی زندگی وقف کردینے کی غلطی کیوں کی ہے؟ یہ دنیاوی مشاغل پر کیوں نہیں لپکتے؟ ''اذ یقول المنافقون والذین فی قلوبهم مرض غر هولاء دینهم.'' دینی مدارس کے ناقدین کو ان مدارس اور اہل مدارس سے بیر نہیں بلکہ انہیں اصل پرخاش ہے اس دین سے، جسے یہ لوگ اپنی راحت وآرام کو تج کر، زمانہ کے سرد وگرم

سے بے نیاز ہوکر، تمام شدائد کو جھیل کر اپنے سینے سے چمٹائے ہوئے ہیں، ناقدین کا اصرار یہ ہے کہ جس طرح ہر شعبۂ زندگی سے اس دین کو نکالا جاچکا ہے، یہ مولوی لوگ مسجد و مدرسہ سے بھی اسے کیوں نہیں نکال دیتے؟ تاکہ یہ ملک (بقول ان کے) دین سے بالکلیہ پاک ہوکر صحیح معنوں میں ''پاکستان'' بن جائے، ادھر مولوی کا طے شدہ فیصلہ ہے کہ:

موج خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا؟''

(حسن یوسف ص:۳۴۵، ۳۴۶)

حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری مدظلہ

اسلام میں مساجد کی عظمت!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

اسلام ایک کامل و مکمل دین اور مذہب ہے' جس نے اپنے ماننے والوں کو ان کے تمام حقوق و فرائض اور احکام و آداب کی تعلیم دی ہے' اسلام میں جہاں خالق و مخلوق کے تعلق کی اہمیت و عظمت کو اجاگر کیا گیا ہے' وہاں بارگاہ رسالت کے ساتھ عقیدت کے حساس تعلق اور طاعت و محبت پر اجر و ثواب اور نافرمانی و سرتابی کی سنگینی اور اس کے عواقب و نتائج سے بھی آگاہ کیا گیا ہے' اسلام میں معاشی' معاشرتی اور اخلاقی قدروں کی تعلیمات کے علاوہ فرد کی نجی و اجتماعی زندگی کے ہر ہر پہلو پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے' چنانچہ اس میں خالق سے لیکر مخلوق اور رسول سے امتی تک ہر ایک کے مرتبہ و مقام کی مناسبت سے احکام کی تفصیلات موجود ہیں۔

اسلام ہی وہ پہلا اور آخری مذہب ہے جس نے اپنے ماننے والوں کو اسلامی شعائر و علامات اور احکام و فرائض نماز' روزہ حج' زکوٰۃ' اذان' قرآن' حدیث' بیت اللہ اور مساجد کے علاوہ قابل احترام شخصیات اور رشتوں مثلاً: رسول' نبی' صحابی' تابعی' امام' مجتہد' عالم' شیخ' استاذ' ماں' باپ' بہن بھائی' آجر' اجیر' راعی' رعیت دوست' احباب' رشتہ دار' پڑوسی حتیٰ کہ جانوروں تک کے حقوق کی تلقین کی ہے' اور یہ باور کرایا ہے کہ جن کے ہاں اسلامی شعائر کا احترام نہیں' ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

اس مذہب کا یہ اختصاص ہے کہ اس نے اپنے ماننے والوں کو فرق مراتب سکھلایا ہے' بڑوں اور چھوٹوں کے حقوق وآداب کی تعلیم دی ہے اور عقیدت ومحبت کا سلیقہ سکھلایا ہے اس نے مساجد ومعابد اور مقدس مقامات کی عزت وعظمت کی تعلیم دی ہے۔

اسلام میں جہاں دوسرے مقدس مقامات کو عظمت حاصل ہے وہاں مساجد کی ایک ممتاز ومخصوص حیثیت ہے چنانچہ رحمت دوعالم ﷺ کا ارشاد ہے:

عن ابی ہریرہؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: ''احب البلاد الی اللہ مساجدھا وابغض البلاد الی اللہ اسواقھا''. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سب جگہوں سے پسندیدہ جگہ اللہ کے ہاں مساجد ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ اور مبغوض جگہیں بازار ہیں''۔

جو لوگ ان مساجد کے قیام وتعمیر اور آبادی کا فریضہ انجام دیتے ہیں ان کی فضیلت کو اس طرح بیان کیا گیا:

عن عثمانؓ قال قال ﷺ: '' من بنی مسجداً یبتغی بہ وجہ اللہ بنی اللہ لہ بیتاً مثلہ فی الجنۃ''. (بخاری)

ترجمہ:'' حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص اللہ کی رضا کے لئے مسجد بناتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں اس جیسا گھر بنائے گا''۔

اس کے برعکس جو لوگ خدانخواستہ مساجد کی تعمیر وترقی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں یا نعوذ باللہ ان کو ویران کرنے کے لئے نمازیوں کو مسجدوں میں آنے سے منع کرتے ہیں یا ان کو ڈھانے اور توڑنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں وہ سب سے بڑے ظالم اور گنہ گار ہیں اور انہیں دنیا کی ذلت رسوائی اور آخرت میں بڑی دردناک سزا کا سامنا کرنا ہوگا'

چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

"ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیها اسمها وسعیٰ فی خرابها' اولئک ما کان لهم ان یدخلوها الا خائفین' لهم فی الدنیا خزی ولهم فی الآخرة عذاب عظیم". (بقرہ)

ترجمہ: "اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا ذکر کئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے' ان لوگوں کو تو بے خوف اور نڈر ہو کر ان میں قدم بھی نہیں رکھنا چاہیئے تھا' ان لوگوں کے لئے دنیا میں بھی ذلت ورسوائی ہوگی اور آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی"۔

اسی طرح سورہ توبہ میں مساجد کو آباد کرنے والوں کو اہل ایمان اور ہدایت یافتہ قرار دیا گیا ہے' چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

انما یعمر مساجد الله من آمن بالله والیوم الآخر واقام الصلوة وآتی الزکوة ولم یخش الا الله' فعسیٰ اولئک ان یکونوا من المهتدین". (توبہ)

ترجمہ:.... بے شک اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں' اور بجز اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

ان آیات واحادیث کے علاوہ قرآن وسنت میں مساجد کی اہمیت وفضیلت پر بے شمار نصوص واحادیث موجود ہیں' جن کا یہاں نقل کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے بطور نمونہ ان دو احادیث اور دو آیات پر اکتفاء کیا گیا ہے جن سے مساجد کی اہمیت وعظمت خوب واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے۔

جہاں تک مساجد کی اہمیت وعظمت کا تعلق ہے' اس کا اندازہ درج ذیل امور سے لگایا جاسکتا ہے:

اول:..... چونکہ مساجد خالق ومخلوق کے رابطے کا ذریعہ اور زمین پر اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت کے مراکز ہیں اس لئے انہیں بیوت اللہ کا نام دیا گیا ہے' یہی وجہ ہے کہ کائنات ارضی کو بسانے اور انسانیت کی تخلیق سے بہت پہلے اللہ تعالیٰ نے زمین پر سب سے پہلے جس گھر کی تعمیر کا فیصلہ فرمایا وہ مسجد حرام اور کعبۃ اللہ تھا' جسکی سب سے پہلی تعمیر ملائکہ سے کرائی گئی' پھر مشہور قول کے مطابق نوبت بہ نوبت حضرت آدم علیہ السلام' حضرت شیث علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر انبیاءؑ کرام سے یہ کام لیا گیا اور آخر میں قوم عمالقہ' قوم جرہم' قصی بن کلاب' قریش مکہ' حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حجاج بن یوسف سے اس مقدس گھر کی تعمیر کرائی گئی' تاریخ عالم شاہد ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مخلوق کو خالق کی عبادت کے مرکز سے محروم رکھا گیا ہو۔

دوم:..... جن لوگوں نے اللہ کے گھر کی تخریب وویرانی اور بربادی یا مسمار کرنے کا منصوبہ بنایا' انہیں محض اس وجہ سے نشان عبرت بنایا گیا کہ وہ خالق ومخلوق کے درمیان طاعت وعبادت کے اس رابطہ کو ختم کرنے کے بدترین جرم کے مرتکب ہوئے تھے' دوسرے الفاظ میں جب وہ دنیا میں موجود اللہ کے گھر کے مٹانے کے درپے ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی غیرت اور قوت قاہرہ کو یہ برداشت نہ ہوا کہ انہیں زمین پر باقی رکھا جائے چنانچہ اللہ کے اس پہلے گھر اور دنیا کی اس پہلی مسجد کو ڈھانے کا عزم لیکر آنے والے ابرہہ نامی اس بدبخت بادشاہ کی تباہی کا تذکرہ خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ چنانچہ سورۂ فیل میں ابرہہ نامی اس بادشاہ کی تباہی کی منظر کشی کرتے ہوئے ارشاد الٰہی ہے:

"وارسل علیھم طیراً ابابیل ترمیھم بحجارۃ من سجیل فجعلھم کعصف ماکول". (فیل)

ترجمہ: "اور بھیجے ان پر پرندے غول کے غول جو پھینکتے تھے ان پر پتھریاں کنکر کی' پھر کر ڈالا ان کو جیسے بھس کھایا ہوا"۔

سوم:.....آنحضرت ﷺ جب تک مکہ مکرمہ میں تھے بیت اللہ اور مسجد حرام کے زیر سایہ رہے لیکن جب آپؐ پر مکہ کی زمین تنگ کردی گئی اور آپ نے ہجرت فرمائی تو مدینہ منورہ سے دو میل پہلے قبأ میں آپ کا پہلا پڑاؤ تھا' جہاں آپ نے صرف چاروں یا ایک روایت کے مطابق ۱۴ دن کا قیام فرمایا: مگر قبأ کے اس قیام کے دوران بھی آپ سے برداشت نہ ہوا کہ مسلمان اللہ کے گھر کے بغیر رہیں چنانچہ قبأ کے اس مختصر قیام کے دوران' آپ نے اپنے دست مبارک سے ایک اللہ کے گھر کا سنگ بنیاد رکھا اور مسجد تعمیر کروائی' جو آج تک مسجد ''قبأ'' کے نام سے مشہور ہے۔

قبأ سے اگلی منزل آپ ﷺ کی مدینہ منورہ تھی' جو قبأ سے صرف دو میل کے فاصلہ پر ہے' وہاں پہنچتے ہی آپ ﷺ نے جو سب سے پہلا کام کیا' وہ مسجد نبویؐ کی زمین کی تحصیل اور اسکی تعمیر تھا۔

چہارم:.....مسجد کی تعمیر' ترقی اور آبادی کی اہمیت اور اسکی تخریب و بربادی کی سنگینی کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مسجد قبأ کی تعمیر و ترقی سے جل بھن کر منافقین نے مسجد قبأ کی تخریب و بربادی اور ویرانی کی غرض سے ایک نام نہاد مسجد بنانے کی ناپاک کوشش کی' تو غیرت الٰہی جوش میں آئی اور مسجد قبأ کی تخریب کے اس بدترین منصوبہ اور سازش کا انکشاف کرتے ہوئے فرمایا:

والذین اتخذوا مسجداً ضراراً وکفراً وتفریقاً بین المؤمنین وارصاداً لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل''. (توبہ:۱۰۷)

ترجمہ: ''اور جنہوں نے بنائی ایک مسجد ضد پر اور کفر پر اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں اور گھات لگانے کو اس شخص کی جو لڑ رہا ہے اللہ سے اور اس کے رسول سے' پہلے سے''۔

چنانچہ مسجد قبأ کو ویرانی سے ہمکنار کرنے والوں کے مقابلہ میں براہ راست اللہ تعالیٰ نے اعلان جنگ فرمایا: اور حضور ﷺ نے ان کے اس شیطانی عمل کو پیوند خاک کیا' یوں

آپ ﷺ کے حکم سے منافقین کے اس مسجد نما اڈے کو ڈھا دیا گیا اور اسے آگ لگائی گئی۔

گویا اللہ تعالیٰ کو نہ صرف یہ کہ کسی مسجد کی تخریب و بربادی گوارہ نہیں' بلکہ واشگاف الفاظ میں یہ اعلان فرمایا کہ مساجد کی ویرانی و بربادی کے منصوبہ ساز کفار و مشرکین ہیں یا پھر منافقین و معاندین۔

ان آیات و احادیث کی صریح نصوص اور تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ بیت اللہ اور مساجد کی تخریب و بربادی یا انہدام' مسلمانوں کا نہیں' بلکہ ہمیشہ سے یہ ابرہہ اور اس کے جانشین کفار و منافقین کا وطیرہ رہا ہے۔ لہذا جو لوگ کسی بھی غرض سے مساجد کے ڈھانے کے درپے ہوں وہ غضب الٰہی کا مورد بنیں گے' ان کو اس اقدام سے فوراً باز آجانا چاہیئے ورنہ اندیشہ ہے کہ ابرہہ اور منافقین کی طرح ان کو بھی نشان عبرت نہ بنا دیا جائے' اس لئے کہ اسلامی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جن لوگوں نے شعائر اللہ کو مٹانے کی ناپاک کوشش کی وہ خود مٹ گئے اور ان کے ناپاک وجود سے زمین کو پاک کر دیا گیا۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دور حاضر کے بعض نام نہاد مسلمان' کفار و مشرکین کے عزائم کی تکمیل میں ٹھیک وہی کردار ادا کرنا چاہتے ہیں' جو یمن کے بادشاہ ابرہہ نے بیت اللہ کی بربادی کے سلسلہ میں ادا کرنا چاہا تھا' لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جس ذات نے ابرہہ جیسے جابر حاکم کے عزائم کو خاک میں ملا کر اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا تھا وہ آج بھی موجود ہے' کہیں ایسا نہ ہو کہ دور حاضر کے ان جابروں کو بھی اس انجام بد سے دوچار کر دیا جائے۔ والعیاذ باللہ۔